اِتحادِ امّت

سورۃ الحجرات کی روشنی میں

تالیف

مولانا ڈاکٹر محمد اسجد قاسمی ندوی صاحب
شیخ الحدیث جامعہ عربیہ امدادیہ مراد آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اتحادِ امت

سورۃ الحجرات کی روشنی میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اتحادِ امت

سورۃ الحجرات کی روشنی میں

تالیف:

مولانا ڈاکٹر محمد اسجد قاسمی ندوی صاحب

شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

وخلیفہ:

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہ

محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مجددی مدظلہ

Contact No.: +91- 9412866177, 9627625461

باھتمام:

مرکز الکوثر التعلیمی والخیری مرادآباد

اشاعت کی عام اجازت ہے۔

تفصیلات

نام کتاب	:	اتحادِامت سورۃ الحجرات کی روشنی میں
تالیف	:	مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی صاحب شیخ الحدیث ومہتمم جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد
طبع اول	:	۱۴۴۲ھ مطابق ۲۰۲۱ء
صفحات	:	۳۲۳
باہتمام	:	**مرکز الکوثر التعلیمی والخیری مرادآباد**

ملنے کے پتے:

جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد یوپی

فرید بک ڈپو دہلی

دارالکتاب دیوبند

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

مکتبہ عکاظ دیوبند

مکتبہ ندویہ لکھنؤ

اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی

مرکز دعوت وارشاد دارالعلوم الاسلامیہ بستی یوپی

مولانا عبدالسلام خان قاسمی 179 کتاب مارکیٹ، وزیر بلڈنگ، بھنڈی بازار ممبئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرس

پیش گفتار ---------- ۱۴

بنیادی موضوعات ---------- ۱۵

- افواہوں کے سلسلہ میں قرآنی ہدایات ---------- ۱۶
- نزاعی صورت حال میں ہدایات ---------- ۲۰
- (الف) صلح کرانا ---------- ۲۱
- سیرت نبوی ﷺ میں مصالحت کے نمونے ---------- ۳۰
- بنوعمرو بن عوف میں مصالحت ---------- ۳۰
- قرض کے تنازعہ میں مصالحت ---------- ۳۱
- میاں بیوی کے نزاع میں مصالحت ---------- ۳۱
- حجر اسود کی تنصیب ---------- ۳۲
- صحابہ کا کردار ---------- ۳۲
- مصالحت کے لئے نواسۂ رسول حضرت حسنؓ کا روشن کردار ---------- ۳۳
- حضرت سید احمد شہیدؒ اور مصالحت کا جذبہ ---------- ۳۶
- مصالحت کا ایک نادر نمونہ ---------- ۳۷
- مصالحت کے باب میں حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ کا کردار ---------- ۳۸
- قابل تقلید مصالحت ---------- ۳۹
- مصالحت کی بنیادی شرط ---------- ۴۲
- مصالحت کی مختلف صورتیں ---------- ۴۲

- (ب) مظلوم کی مدد ---------- ۴۳
- (ج) صلح میں انصاف کی رعایت ---------- ۴۵
- (د) ایمانی اخوت کا پاس ولحاظ ---------- ۴۸

معاشرتی اور مجلسی برائیاں ---------- ۵۱

(۱) مذاق اڑانا ---------- ۵۳-۶۰

(۲) طعنہ زنی ---------- ۶۱-۶۶

(۳) برے القاب سے پکارنا ---------- ۶۷-۷۰

(۴) بدگمانی ---------- ۷۱-۱۳۱

- شناعت وقباحت ---------- ۷۱
- بدگمانی کے خطرناک نقصانات ---------- ۷۵
- شریعت کی ہدایات ---------- ۷۷
- ایک باندی کے بارے میں بدگمانی کا واقعہ ---------- ۸۳
- اسٹالن کا واقعہ ---------- ۸۵
- حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کا واقعہ ---------- ۸۵
- حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے بارے میں بدگمانی ---------- ۸۶
- حضرت عائشہؓ کا واقعہ ---------- ۸۷
- حضرت معاذ بن جبلؓ کا واقعہ ---------- ۸۸
- حضرت عمرؓ کا واقعہ ---------- ۸۹
- ضمضم بن قتادہ کا واقعہ ---------- ۹۰
- حضرت مالک بن دخشنؓ کے بارے میں بدگمانی ---------- ۹۱
- حضرت کعبؓ کے بارے میں بدگمانی ---------- ۹۳
- منافقین کا بدگمانی پر مبنی تبصرہ ---------- ۹۴

- ایک منافق کی بدگمانی اور تبصرہ بازی ---------- ۹۵
- بنی اسرائیل کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بدگمانی ---------- ۹۶
- جریج کے بارے میں قوم کی بدگمانی ---------- ۹۷
- ایک شیر خوار بچے کا واقعہ ---------- ۹۸
- حضرت سعدؓ کے بارے میں بدگمانی ---------- ۹۸
- حضرت عثمان غنیؓ کے بارے میں بدگمانی ---------- ۱۰۰
- ایک خارجی کا واقعہ ---------- ۱۰۲
- عبیداللہ بن زیاد کی صحابہ کے بارے میں بدگمانی اور تبصرہ بازی ---------- ۱۰۳
- حضرت عروہؒ کے بارے میں بدگمانی ---------- ۱۰۴
- واقعۂ افک ---------- ۱۰۸
- حضرت ابوایوبؓ اور حضرت ام ایوبؓ کا کردار ---------- ۱۱۰
- حضرت طلحہ بن عبدالرحمٰن بن عوف کا کردار ---------- ۱۱۱
- حضرت حسن بصریؒ کا واقعہ ---------- ۱۱۲
- خواجہ عبیداللہ احرارؒ کی داستان ---------- ۱۱۳
- شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کا واقعہ ---------- ۱۱۴
- حضرت مولانا موسیٰ خان روحانیؒ کا واقعہ ---------- ۱۱۵
- حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے بیش قیمت ارشادات ---------- ۱۱۷
- عام انسانی فطرت ---------- ۱۲۴
- بدگمانی تمام جھگڑوں کی بنیاد ہے ---------- ۱۲۶
- بدگمانی کے مواقع سے بچنا بے حد ضروری ہے ---------- ۱۲۶
- حاصل ---------- ۱۲۹
- خاص حالات میں بدگمانی کی گنجائش ---------- ۱۳۰

(۵)تجسس ---------- ۱۳۲-۱۵۳

تجسس کی حقیقت ---------- ۱۳۲

تجسس: قرآن مجید کی روشنی میں ---------- ۱۳۳

تجسس احادیث نبویہ کے آئینہ میں ---------- ۱۳۵

تجسس: سلف کے اقوال کی روشنی میں ---------- ۱۳۷

تجسس کے باب میں حکام کے لئے ہدایات ---------- ۱۴۰

خاص حالات میں تجسس کی اجازت ---------- ۱۴۱

تجسس کے نقصانات، تباہ کاریاں اور خطرناک صورتیں ---------- ۱۴۵

تجسس سے باز رہنے کی تدبیریں ---------- ۱۵۳

(۶)غیبت ---------- ۱۵۴-۳۰۴

غیبت کی حقیقت ---------- ۱۵۴

غیبت کی انواع ---------- ۱۵۶

(۱)بدن کی غیبت ---------- ۱۵۶

(۲)لباس کی غیبت ---------- ۱۵۸

(۳)نسب کی غیبت ---------- ۱۵۹

(۴)عادت واوصاف کی غیبت ---------- ۱۵۹

(۵)عبادات کی غیبت ---------- ۱۶۱

(۶)معاصی کی غیبت ---------- ۱۶۲

(۷)قولی اور زبانی غیبت ---------- ۱۶۴

(۸)عملی غیبت ---------- ۱۶۴

(۹)کان کی غیبت ---------- ۱۶۴

(۱۰)دل کی غیبت ---------- ۱۷۴

- (۱۱) دیگر اعضاء کی غیبت ---------- ۱۷۴
- (۱۲) قلم کی غیبت ---------- ۱۷۵
- (۱۳) علماء حق اور خدام دین کی غیبت ---------- ۱۷۶
- (۱۴) علماء و قراء کی زبانوں سے دوسروں کی غیبت ---------- ۱۷۸
- (۱۵) دعا کی صورت میں اور کلمات خیر کی آڑ میں غیبت ---------- ۱۸۴
- (۱۶) مردہ کی غیبت ---------- ۱۸۵
- (۱۷) خواتین کی طرف سے غیبت ---------- ۱۸۷
- (۱۸) مجلس سے پہلے رخصت ہونے والے کی غیبت ---------- ۱۸۸
- (۱۹) مسجد میں غیبت ---------- ۱۸۹
- (۲۰) روزے کی حالت میں غیبت ---------- ۱۹۰
- حاصل ---------- ۱۹۰
- غیبت کی ہولنا کی قرآن مجید کی زبانی ---------- ۱۹۲
- غیبت کی تباہ کاری احادیث نبویہ کی روشنی میں ---------- ۲۰۰
- (۱) غیبت کی سنگینی ---------- ۲۰۰
- (۲) غیبت اور عذاب قبر ---------- ۲۰۲
- (۳) غیبت کی بدبو ---------- ۲۰۴
- (۴) بدترین سود ---------- ۲۰۴
- (۵) عذاب جہنم ---------- ۲۰۵
- (۶) ایمان سے محرومی ---------- ۲۰۶
- (۷) نیکیوں کا مٹ جانا ---------- ۲۰۶
- (۸) نبوی نصیحت ---------- ۲۰۷
- (۹) پیغمبرانہ رہنمائی ---------- ۲۰۷
- (۱۰) غیبت کی حرمت ---------- ۲۰۸

- (۱۱) قیامت کی علامت ---------- ۲۰۸
- (۱۲) غیبت کی سزا ---------- ۲۰۹
- (۱۳) آخرت کی باز پرس ---------- ۲۰۹
- (۱۴) جامع نصیحت ---------- ۲۰۹
- (۱۵) غیبت سے بچنے کا انعام ---------- ۲۱۰
- (۱۶) اللہ کی نافرمانی ---------- ۲۱۰
- غیبت کی شناعت سلف صالح کے فرمودات اور کردار کے آئینے میں ---------- ۲۱۲
- غیبت کے نمایاں اور سنگین نقصانات اور مضرات ---------- ۲۴۲
- (۱) نیکیوں کی عدم قبولیت ---------- ۲۴۳
- (۲) دعا کی عدم قبولیت ---------- ۲۴۳
- (۳) اعمال نامے میں نیکیوں کی کمی ---------- ۲۴۴
- (۴) اعمال نامے میں برائیوں کی زیادتی ---------- ۲۴۵
- (۵) قیامت میں اہل حقوق کا مطالبہ ---------- ۲۴۶
- (۶) میدان محشر میں حساب کی سختی ---------- ۲۴۷
- (۷) قیامت میں حسرت وندامت ---------- ۲۴۷
- (۸) قیامت میں خاص سزائیں ---------- ۲۴۸
- (۹) جہنم میں سب سے پہلے اور جنت میں سب سے آخر میں جانے کا مرحلہ ---------- ۲۴۹
- (۱۰) عذاب قبر ---------- ۲۵۰
- (۱۱) نفاق پیدا ہونا ---------- ۲۵۰
- (۱۲) شیطان کی خوشی کا باعث بننا ---------- ۲۵۰
- (۱۳) اللہ ورسول کی نافرمانی ---------- ۲۵۱
- (۱۴) عبادات اور بطور خاص روزے میں کراہت پیدا ہونا ---------- ۲۵۲
- (۱۵) دوسروں کی پردہ دری ---------- ۲۵۴

- (۱۶) بغض، عداوت اور نااتفاقی ---------- ۲۵۴
- (۱۷) بزدلی اور دور خاپن ---------- ۲۵۵
- (۱۸) فتنہ پردازی ---------- ۲۵۵
- (۱۹) اعتماد کا خاتمہ ---------- ۲۵۵
- (۲۰) ذہنی سکون واطمینان سے محرومی ---------- ۲۵۶
- (۲۱) دنیا میں بدترین رسوائی ---------- ۲۵۶
- (۲۲) حضرت ابوہریرہؓ کا فکر انگیز ارشاد ---------- ۲۵۶
- غیبت سے اجتناب کے ثمرات وانعامات ---------- ۲۵۸
- غیبت میں مبتلا ہونے کے بنیادی اسباب وعوامل ---------- ۲۶۰
- (۱) اللہ اور آخرت سے بے خوفی ---------- ۲۶۰
- (۲) غصہ اور انتقام ---------- ۲۶۰
- (۳) تکبر وغرور ---------- ۲۶۲
- (۴) کثرت عبادت پر فخر اور عُجب ---------- ۲۶۲
- (۵) برے ہم نشینوں کی رفاقت ---------- ۲۶۳
- (۶) علمائے سوء سے تعلق اور ان کی صحبت ---------- ۲۶۴
- (۷) حسد ---------- ۲۶۵
- (۸) بغض وعداوت ---------- ۲۶۵
- (۹) تمسخر واستہزاء ---------- ۲۶۵
- (۱۰) بدگمانی ---------- ۲۶۶
- (۱۱) تذلیل وتحقیر کی بری نیت ---------- ۲۶۷
- (۱۲) اپنے عیوب اور گناہوں سے بے فکری اور دوسروں کے عیوب کی تلاش ---------- ۲۶۷
- (۱۳) وقت گزاری اور مجلس آرائی ---------- ۲۶۹
- (۱۴) مال وجاہ کا حصول ---------- ۲۷۲

- (۱۵) اپنی صفائی پیش کرنا ---------- ۲۷۲
- (۱۶) ماتحتوں کی حکم عدولی ---------- ۲۷۲
- غیبت کا کفارہ اور اس سے حفاظت کی مؤثر تدبیریں ---------- ۲۷۴
- توبہ واستغفار اور صاحب معاملہ سے معافی تلافی ---------- ۲۷۴
- غیبت سے حفاظت کے نسخے ---------- ۲۷۹
- (۱) آخرت میں جواب دہی کی فکر اور استحضار ---------- ۲۷۹
- (۲) تواضع اور اپنے عیوب پر نظر ---------- ۲۸۰
- (۳) سزا یا مالی تاوان کا التزام ---------- ۲۸۴
- (۴) جس کی غیبت کی گئی ہے اس کا برملا ذکر خیر ---------- ۲۸۵
- (۵) جس کی غیبت کی ہو اس کے حق میں دعا کا اہتمام ---------- ۲۸۵
- (۶) غیر موجود کے تذکرے سے مطلق گریز ---------- ۲۸۷
- (۷) سوچ کر اور تول کر بولنے کی عادت ---------- ۲۸۷
- (۸) صاحب معاملہ کو اطلاع ---------- ۲۸۸
- حکیم الامت کا نسخۂ حکمت ---------- ۲۸۹
- غیبت کے جواز کی بنیادی استثنائی صورتیں ---------- ۲۹۰
- (۱) ظالم کی شکایت اور ظلم کے اظہار کے لئے غیبت ---------- ۲۹۱
- (۲) دینی ضرورت کے پیش نظر غیبت ---------- ۲۹۱
- (۳) عیوب کی اصلاح کے مقصد سے غیبت ---------- ۲۹۳
- (۴) حیا دلانے کے لئے غیبت ---------- ۲۹۴
- (۵) استفتاء اور شرعی مسئلہ معلوم کرنے کی غرض سے غیبت ---------- ۲۹۴
- (۶) علانیہ کبیرہ گناہ کے عادی افراد کی غیبت ---------- ۲۹۴
- (۷) اہل ایمان کو ضرر سے بچانے کے لئے غیبت ---------- ۲۹۶
- (۸) دوسروں کو عبرت دلانے کے لئے غیبت ---------- ۲۹۹

○ (۹) کسی کے تعارف کے لئے غیبت ---------------------------------- ۳۰۰

○ ایک جامع ہدایت نامہ ---------------------------------- ۳۰۰

○ خواجہ حالی کے اشعار ---------------------------------- ۳۰۳

○ خفیہ اور علانیہ ہر گناہ پر روک ---------------------------------- ۳۰۴

❑ معاشرتی برائیوں کے بنیادی اسباب ---------------------- ۳۰۵-۳۱۱

○ (۱) بے جا فخر اور بھید بھاؤ ---------------------------------- ۳۰۵

○ کامل مساوات ---------------------------------- ۳۰۵

○ (۲) ایمان کی کمزوری ---------------------------------- ۳۱۰

❑ مراجع و مصادر ---------------------------------- ۳۱۲-۳۱۹

❑ مصنف کی مطبوعہ علمی کاوشیں ---------------------- ۳۲۰-۳۲۳

پیشِ گفتار

الحمد للّٰہ رب العالمین، والعاقبة للمتقین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین، وعلی آله وصحبه أجمعین.

پیش نظر کتاب دراصل وحدت امت کے تناظر میں سورۃ الحجرات کے مطالعے پر مبنی ایک طالب علمانہ کاوش ہے، اس میں اخوت، مصالحت اور مساوات کے ساتھ بطور خاص سماجی وحدت کو نقصان پہنچانے والے چھ (٦) مہلک گناہوں (تمسخر، طعنہ زنی، برے نام ولقب سے موسوم کرنے، بدگمانی، تجسس اور غیبت) کا قدرے تفصیل سے ذکر ہے، مزید خصوصیت کے ساتھ غیبت کے موضوع کے بیشتر پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ موجودہ حالات میں امت کی وحدت واجتماعیت کی اہمیت پہلے کے مقابلے میں بے حد بڑھ گئی ہے، دوسری طرف زمینی صورت حال یہ ہے کہ مسلم سماج میں باہمی اختلافات اور آویزشوں کا سلسلہ ناقابل بیان حد تک بڑھ گیا ہے اور ہر دن بڑھتا ہی جا رہا ہے۔

تفرق وانتشار کی مہیب ظلمتوں میں وحدت واجتماعیت کی ایک شمع -مدھم ہی سہی- روشن کرنے اور اپنا فرض ادا کرنے کی ایک کوشش اس پیش کش کے ذریعہ راقم نے کی ہے، اللہ کرے کہ یہ شمع بہت سی شمعوں اور قندیلوں کی نوید ثابت ہو اور امت کو راہِ وحدت پر لانے میں اس کا بھی کچھ حصہ ہو جائے۔

ربِ کریم اس کاوش کو حسنِ قبول عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین.

محمد اسجد قاسمی ندوی

خادم الحدیث النبوی الشریف جامعہ عربیہ امدادیہ مراد آباد

۲۳ / جمادی الاخریٰ ۱۴۴۲ھ مطابق ٦ / فروری ۲۰۲۱ء

بنیادی موضوعات

قرآن مجید کی اہم ترین سورتوں میں ایک نام ''سورۃ الحجرات'' کا ہے، اس سورت میں بنیادی طور پر دو موضوعات ذکر ہوئے ہیں، ایک موضوع تو یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اہل ایمان کو احترام و تعظیم کا معاملہ رکھنا چاہیے، دوسرا موضوع مسلمانوں کی وحدتِ باہمی کے بنیادی اصول سے متعلق ہے۔

غور کیا جائے تو یہ دونوں موضوعات باہم مربوط بھی ہیں، اہل ایمان کی ملی اور اجتماعی زندگی کے لئے آپ ﷺ کا ادب واحترام، آپ ﷺ کی توقیر وتکریم، آپ ﷺ سے محبت وعشق اور آپ ﷺ کے مقام ومرتبہ سے آگاہی اور ان تمام اقوال وافعال اور رویوں سے مکمل اجتناب جن سے ادنی درجہ میں بھی آپ ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی یا توہین کا پہلو نکلتا ہو، بنیاد اور اساس کا درجہ رکھتے ہیں۔

مسلمانوں کی وحدت واجتماعیت کے جو اصول اس سورت میں بیان ہوئے ہیں، ان میں پہلے مرحلے میں دو باتیں بتائی گئی ہیں:

(۱) افواہوں کی روک تھام اور کسی بھی عملی کاروائی اور قطعی فیصلے سے پہلے مکمل عادلانہ تحقیق کا اہتمام۔

(۲) دو فریقوں میں نزاع کی صورت میں ظالم کو ظلم سے روکنا اور مظلوم کو بچانا اور ایمانی اخوت کی بنیادوں پر صلح کی ہمدردانہ کوشش۔

دوسرے مرحلے میں ان چھ برائیوں سے منع کیا گیا ہے جن کی وجہ سے عام طور پر دو

اشخاص یا جماعتوں اور گروہوں کے درمیان رشتۂ الفت ومحبت کمزور پڑ جاتا ہے، اوراس کی جگہ نفرت وعدوات کی جڑیں مضبوط ہو جاتی ہیں، اورایسی کدورت اورتلخی پیدا ہو جاتی ہے جو پھر کسی صورت ختم نہیں ہوتی، اس کی وجہ یہ ہے کہ عام ضرب المثل کے مطابق تلواروں کے گھاؤ بھر جاتے ہیں، مگرزبان کے زخم کبھی مندمل نہیں ہوتے۔

وہ چھ برائیاں یہ ہیں:

(۱) تمسخر: ایک دوسرے کا مذاق اڑانا۔

(۲) عیب جوئی اور تہمت

(۳) دوسروں کے توہین آمیز نام رکھنا اور پکارنا

(۴) بدگمانی

(۵) تجسس: دوسروں کے عیوب کی تلاش

(۶) غیبت

اس کے بعد اس حقیقت کو پوری وضاحت اور تاکید کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ خاندانی، قبائلی، لسانی اور قومی بنیادوں پر ایک دوسرے کے مقابلے میں بڑائی جتانے کا اسلام میں کوئی جواز نہیں ہے، تمام انسان برابر ہیں، اوراگر کسی کو دوسرے پر کوئی فوقیت اور بڑائی ہو سکتی ہے تو وہ صرف اپنے کردار اور خدا ترسی کی بنیاد پر ہی ہو سکتی ہے۔

افواہوں کے سلسلہ میں قرآنی ہدایات

اہل ایمان کو حکم دیا جارہا ہے:

يَـا أَيُّهَـا الَّذِيْنَ آمَنُوا إِن جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْماً بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِيْنَ. (الحجرات:٦)

اے ایمان والو: اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی

طرح تحقیق کرلیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نادانی میں کچھ لوگوں کو نقصان پہونچا بیٹھو، اور پھر اپنے کیئے پر پچھتاؤ۔

یہ حکم مسلمانوں کی ملی اور اجتماعی زندگی کے لئے اہم اصول کی حیثیت رکھتا ہے، پابند کیا جارہا ہے کہ محض افواہ کی بنیاد پر کوئی کاروائی نہ کی جائے، اگر کہیں سے کوئی خبر آتی ہے تو پہلے خبر لانے والے کو دیکھا جائے، اگر خبر لانے والا بے دین اور غیر محتاط شخص ہے تو اس کی خبر پر کوئی اقدام نہ کیا جائے، بلکہ اچھی طرح تحقیق وتفتیش کی جائے پھر اقدام کیا جائے۔

حاصل یہ ہے کہ خبر لانے والے کی بھی تحقیق کی جائے گی اور خبر کی بھی تحقیق کی جائے گی، پھر اقدام کیا جائے گا، اگر ان اصولوں کو پیش نظر نہیں رکھا جائے گا تو نادانی میں ایسا اقدام ہوسکتا ہے جس سے دوسروں کو اذیت وضرر پہونچ جائے اور انسان نادم وشرمندہ ہو جائے۔

موجودہ معاشرتی زندگی میں بارہا ایسا دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک افواہ کہیں سے چلتی ہے اور لمحوں میں ہی بہت دور تک پہونچ جاتی ہے، ایک زبان سے دوسری پھر تیسری تک بات نقل ہوتی ہے، واسطے بڑھتے ہیں تو افواہوں میں اضافے بھی ہوتے ہیں، لوگ یقین بھی کر لیتے ہیں، پھر بسا اوقات اس کے بہت خطرناک نتائج سامنے آتے ہیں۔

ازدواجی تعلقات، قریبی رشتوں اور کاروباری معاملات تینوں میں اس طرح کی افواہیں باہمی تعلقات کے جیسے بھیانک بگاڑ کی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں وہ محتاج بیان نہیں ہے، احادیث میں معیار بتایا گیا ہے کہ:

كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ. (ابو داؤد: الأدب، باب في التشديد في الكذب: ٤٣٤٠)

آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اسے آگے بیان کردے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے درست فرمایا ہے:

’’افسوس یہ ہے کہ آج ہمارا معاشرہ اس گناہ کے اندر ڈوبا ہوا ہے، ایک شخص کی بات آگے نقل کرنے میں کوئی احتیاط نہیں، بلکہ اپنی طرف سے اس میں نمک مرچ لگا کے اضافہ کر کے اس کو آگے بڑھا دیا، دوسرے شخص نے جب سنا تو اس نے اپنی طرف سے اور اضافہ کر کے آگے چلتا کر دیا، بات ذرا سی تھی، مگر وہ پھیلتے پھیلتے کہاں سے کہاں پہونچ گئی، اس کے نتیجے میں دشمنیاں، عداوتیں، لڑائیاں، قتل وغارت گری اور نفرتیں پھیل رہی ہیں، بہرحال! قرآن کریم ہمیں سبق دے رہا ہے کہ یہ زبان جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہے، یہ اس لئے نہیں دی کہ اس کے ذریعہ تم جھوٹی افواہیں پھیلاؤ، اس لئے نہیں دی کہ اس کے ذریعہ تم لوگوں پر الزام اور بہتان عائد کیا کرو، بلکہ تمہارا فرض ہے کہ جب تک کسی بات کی مکمل تحقیق نہ ہو جائے، اس کو زبان سے نہ نکالو، افسوس ہے کہ آج ہم لوگ باری تعالیٰ کے اس حکم کو فراموش کئے ہوئے ہیں، اور اس کے نتیجے میں ہم طرح طرح کی مصیبتوں کا شکار ہو رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں اس برائی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

انسانوں کے کانوں میں مختلف اوقات میں مختلف باتیں پڑتی رہتی ہیں، کسی نے آ کر کوئی خبر دیدی، کسی نے کوئی خبر سنادی، کسی نے کچھ کہہ دیا، اگر آدمی ہر بات کو سچ سمجھ کر اس پر کاروائی کرنا شروع کر دے تو سوائے فتنے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا، چنانچہ ایک موقع پر ایسا ہوا کہ منافقین مختلف قسم کی افواہیں پھیلاتے رہتے تھے، چنانچہ مسلمان سادہ لوحی میں ان کی باتوں کو سچ سمجھ کر کوئی کاروائی شروع کر دیتے تھے، اس پر قرآن کریم کی ایک اور آیت نازل ہوئی، جس میں فرمایا گیا:

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ. (النساء:۸۳)

’’اور جب ان کو کوئی بھی خبر پہنچتی ہے، چاہے وہ امن کی ہو یا یا خوف پیدا کرنے

والی، تو یہ لوگ اسے (تحقیق کے بغیر) پھیلانا شروع کر دیتے ہیں، اور اگر یہ اس (خبر) کو رسول کے پاس یا اصحاب اختیار کے پاس لے جاتے تو ان میں سے جو لوگ اس کی کھوج نکالنے والے ہیں وہ اس کی حقیقت معلوم کر لیتے۔''

یعنی منافقین کا کام یہ ہے کہ ذرا سی کوئی افواہ کان میں پڑی، چاہے وہ حالت امن ہو، یا حالت جنگ ہو، بس فوراً اس کی نشر و اشاعت شروع کر دیتے ہیں، اور اپنی طرف سے اس میں نمک مرچ لگا کر اس کو روانہ کر دیتے ہیں، جس سے فتنہ پھیلتا ہے، مسلمانوں کو یہ ہدایت کی گئی کہ جب اس قسم کی کوئی خبر آپ تک پہونچے تو اس پر بھروسہ کرنے کے بجائے اللہ کے رسول ﷺ کو اور دوسرے ذمہ دار افراد کو بتاؤ کہ یہ خبر پھیل رہی ہے، اس میں کون سی بات سچ ہے، اور کون سی بات غلط ہے، اس کی تحقیق کریں، اور تحقیق کے بعد کوئی فیصلہ کریں، نہ یہ کہ خود اس پر کارروائی شروع کر دیں، یہ ایک عظیم ہدایت ہے جو قرآن کریم نے عطا فرمائی ہے۔

افسوس یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں اس ہدایت کو نظر انداز کیا جاتا ہے، اس کے نتیجے میں فتنے پھیلائے جاتے ہیں، لڑائیاں ہیں، جھگڑے ہیں، عداوتیں ہیں، بغض اور کینہ ہے، ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی ہے، اگر غور کریں تو پتہ چلے گا کہ ان سب کی بنیاد غلط افواہیں ہوتی ہیں، خاندان والوں میں یا ملنے جلنے والوں میں سے کسی نے یہ کہہ دیا کہ تمہارے بارے میں فلاں شخص یہ کہہ رہا تھا، اب آپ نے اس کی بات سن کر یقین کر لیا کہ اچھا فلاں شخص نے میرے بارے میں یہ کہا ہے، اب اس کی بنیاد پر اس کی طرف سے دل میں دشمنی، بغض، کینہ پیدا ہو گیا کہ وہ تو میرے بارے میں یہ کہہ رہا تھا، حالانکہ ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ اگر کسی بھائی کی طرف سے شکایت کی کوئی بات پہنچی ہے تو براہ راست اس سے جا کر پوچھ لے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے میرے بارے میں یہ بات فرمائی تھی، کیا یہ بات صحیح ہے یا غلط ہے؟ اب صحیح بات کھل کر سامنے آ جائے گی''۔ (اسلام اور ہماری زندگی: ۴/ ۲۶۱، ۲۶۲)

معروف عرب عالم شیخ عبدالحمید جاسم البلالی نے اس آیت کے تناظر میں امت کے

موجودہ اختلاف باہمی کا جائزہ لیتے ہوئے خوب لکھا ہے:

''دلاس (Dalas) شہر میں اتحاد عرب مسلم نوجوانوں کی ایک کانفرنس ۱۹۷۲ء میں ہورہی تھی، راقم سطور اس میں شریک تھا، اس میں مشہور عالم عبداللہ العقیل کا پر مغز خطاب سننے کا موقع ملا، ان کے خطاب کا ہر جملہ قیمتی موتی کی طرح تھا، اس دوران موتی آبدار جیسے خوبصورت جملے نے کانوں میں رس گھول دیا، انہوں نے فرمایا: ''دعوتی میدان میں سرگرم تنظیموں اور جماعتوں کے درمیان پائے جانے والے اختلافات کا حقیقی سبب کسی سنی ہوئی بات کے متعلق تفتیش وتحقیق نہ کرنا ہے'' اس تجربہ کار باخبر داعی نے پتے کی بات کہی، یقیناً جن کی زندگی دعوت واصلاح میں گذری ہے اور تاریخ دعوت وعزیمت سے وہ آشنا ہیں، وہ اس حقیقت کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں، تجربہ کار داعیوں کو اس سے بہت تکلیف ہوتی ہے کہ دعوتی اکیڈمیاں قرآن کریم کے سکھائے ہوئے آداب کا لحاظ نہیں کرتیں، قرآن میں بتایا گیا کہ اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کرلیا کرو، دعوتی معاملات کی بہت سی رپورٹوں، بیانات، نقد وتبصرہ، موقف اور سرکولر میں اس قرآنی اصول کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، نہ اس کے شرائط کی پابندی کی جاتی۔

تحقیق کے شرائط: (۱) دونوں فریق کی بات سننا، (۲) غیر جانبداری اور انصاف، (۳) جائے وقوع کا معائنہ، (۴) فیصلے سے پہلے غور وفکر کرنا۔

میدان دعوت میں سرگرم داعی اور علماء اگر اس قرآنی ضابطے کا التزام کریں اور ان شرائط کو ملحوظ رکھیں تو ان کے بیچ پائے جانے والے اختلاف کی خلیج پٹنے لگے، عوام کے مقابلے میں قرآنی تعلیم پر عمل کرنا علماء اور داعیوں کی ذمہ داری زیادہ ہے''۔

(ندائے تربیت: شیخ عبدالحمید جاسم البلالی: مترجمہ: مفتی محمد ارشد فاروقی: ۹۴-۹۵)

نزاعی صورت حال میں ہدایات

اہل ایمان ایمانی رشتۂ اخوت میں بندھے ہوئے ہیں، انہیں پابند کیا جارہا ہے کہ ہر لمحہ اس رشتے کی اہمیت اور عظمت کو ملحوظ رکھیں اور جن اہل ایمان میں باہم نزاع اور مخاصمت ہوان

میں مصالحت کرائیں، نزاع ختم کرائیں، اور کسی بھی مرحلے میں عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں، فرمایا گیا:

وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ، إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ. (الحجرات:۹-۱۰)

اگر مسلمانوں کے دو گروہ باہم لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو، پھر اگر ایک فریق دوسرے فریق پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والوں سے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے فیصلہ پر آجائیں، پھر اگر وہ رجوع کرلیں تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرادو، اور انصاف سے کام لو، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، اس لئے اپنے دو بھائیوں کے درمیان تعلقات اچھے بناؤ، اور اللہ سے ڈرو تاکہ تمہارے ساتھ رحمت کا معاملہ کیا جائے۔

ان آیات میں خاص ترتیب کے ساتھ رہنمائی فرمائی گئی ہے:

(الف) صلح کرانا

اگر مسلمانوں کے دو گروہوں کے مابین نزاع اور مخاصمت کی نوبت آجائے تو دیگر مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ ان کے درمیان صلح کرادیں، دوسروں کے نزاع سے بے تعلقی کا رویہ ایمانی طریقہ نہیں ہے، نزاع دو بھائیوں میں ہو، دو خاندانوں میں ہو، دو گروہوں میں ہو، دیگر اہل ایمان کو اس سے بے تعلق ہونا درست نہیں ہے، بلکہ نزاع ختم کرانے اور الفت پیدا

کرنے کے لئے مداخلت کی جانی چاہئے، اس مداخلت سے امت نزاع کے ہولناک نتائج سے محفوظ ہو جائے گی۔

صلح کرانے کی ہدایت ہے، یہ نہیں کہا گیا کہ ان کے درمیان فیصلہ کیا جائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ فیصلے میں ہر فریق کو اپنا مکمل حق ملتا ہے، اور فیصلے سے معاملہ تو حل ہو جاتا ہے مگر دلوں کی دوری ختم نہیں ہوتی، جبکہ صلح میں کمی بیشی اور قدرے ایثار کی بنیادوں پر معاملہ حل ہوتا ہے، اور اس کی برکت سے نفرت محبت میں اور عداوت دوستی میں بدل جاتی ہے، اسی لئے صلح کا حکم دیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ازدواجی زندگی کی باہمی رنجشوں کے ذیل میں یہ اصول بتایا گیا ہے:

وَالصُّلُحُ خَيُرٌ. (النساء:۱۲۸)

اور صلح کر لینا بہتر ہے۔

آگے چل کر یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر تعلقات کی استواری، بھلائی اور خوشگواری کے لئے خواتین کو اپنے کچھ حقوق سے دست بردار ہونا بھی پڑے، تو اس طرح صلح کر لینی چاہئے، اس کے مبارک اثرات وثمرات ظاہر ہوتے ہیں۔

شوہر اور بیوی کی باہمی رنجش اتنی بڑھ جائے کہ کوئی تدبیر کارگر نہ ہو رہی ہو اور آخری حل کے طور پر دونوں کے خاندانوں کے ایک یا چند معاملہ فہم افراد حکم وثالث بن کر آئیں اور نیک نیتی کے ساتھ صلح کی کوشش کریں تو ان شاء اللہ نزاعات ختم ہو جائیں گے، قرآن نے ثالثی کرنے والوں کے بارے میں فرمایا ہے:

إِنُ يُرِيُدَا إِصُلاَحاً يُوَفِّقِ اللّٰهُ بَيُنَهُمَا. (النساء: ۳۵)

اگر یہ دونوں (حکم) صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ ان دونوں (شوہر بیوی)

کے درمیان ہم آہنگی پیدا کردیں گے،(اگر نیت اخلاص و دیانت کے ساتھ مصالحت ومفاہمت کی ہوگی تو برکت ظاہر ہوگی اور صلح ہوجائے گی)۔

طلاق رجعی کی صورت میں شوہر کو عدت کی تکمیل سے قبل رجوع کا حق ہوتا ہے، مگر قرآن نے شوہر کو پابند کردیا ہے کہ اگر مقصود صلح وصفائی اور محبت سے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ رہنا اور بہتر سلوک کرنا ہو، تو رجوع کرلے، ورنہ بیوی کو ستانے اور تکلیف پہنچانے کے لئے رجوع کرنا سخت گناہ ہے، ارشاد ہے:

وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيُ ذَلِكَ إِنُ أَرَادُوا إِصُلاَحاً.

(البقرة:۲۲۸)

اور ان (مطلقہ عورتوں) کے شوہر عدت کی مدت میں انہیں لوٹانے کے زیادہ حق دار ہیں بہ شرطیکہ معاملات بہتر بنانا مقصود ہو۔

لوگوں کے باہمی تعلقات کے بگاڑ کو محبت والفت میں تبدیل کرنا انتہائی اعلیٰ درجہ کی نیکی اور دین کا مستقل شعبہ ہے، جسے ''اصلاح ذات البین'' کا نام دیا گیا ہے، قرآن میں حکم ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَصُلِحُوا ذَاتَ بِيُنِكُمُ. (الانفال:۱)

اللہ سے ڈرو اور آپس کے تعلقات درست کرلو۔

سورۃ الانفال کی اگلی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ باہمی تعلقات کو سدھارنے اور خوش گوار بنانے میں پانچ اوصاف مددگار ہوتے ہیں: (۱) حکم الٰہی کی عظمت کا استحضار (جو اطاعت تک پہنچادے) (۲) اللہ کی آیت کو سن کر ایمان کا قوی ہوجانا (جو تعمیل حکم کا باعث بن جائے) (۳) نتائج سے بے فکر ہوکر حکم الٰہی کی تعمیل اور اللہ پر توکل (۴) تمام بدنی عبادتوں کی پابندی (۵) تمام مالی عبادات کا اہتمام۔

بالعموم خفیہ سرگوشیاں برے مقصد سے ہوتی ہیں، لیکن اگر صلح کے مقصد سے سرگوشیاں

کی جائیں تو قرآنی صراحت کے مطابق یہ بہت فضیلت والا عمل ہے:

لَّا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا. (النساء:۱۱٤)

لوگوں کی بہت سی خفیہ سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں ہوتی، الا یہ کہ کوئی شخص صدقے کا یا کسی نیکی کا یا لوگوں کے درمیان صلح کرانے کا حکم دے، اور جو شخص اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایسا کرے گا، ہم اس کو زبردست ثواب عطا کریں گے۔

قرآن میں فرمایا گیا:

وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِّأَيْمَانِكُمْ أَن تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ. (البقرة: ۲۲٤)

اللہ کے نام کو اپنی قسموں کے ذریعہ نیکی، تقوی اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے میں رکاوٹ نہ بناؤ۔

چونکہ اہل عرب بسا اوقات کسی نیکی کے نہ کرنے اور لوگوں کے درمیان صلح نہ کرانے کی قسم کھا لیتے، پھر اس قسم کی وجہ سے وہ خیر کے ان کاموں سے محروم رہتے تھے، قرآن نے اہل ایمان کو ایسا کرنے سے منع کیا ہے، کیونکہ اس میں ایک تو نیکی سے محرومی ہے اور دوسرے اللہ کے نام کا غلط استعمال بھی ہے۔

وصیت کرنے والے کی وصیت میں اپنی طرف سے تبدیلی عام حالات میں بدترین گناہ ہے مگر وصیت بے ضابطہ ہو یا شرعی اصول کے خلاف ہو یا پھر کوئی شخص وارثوں کے درمیان نزاع کے وقوع یا احتمال کو دیکھ کر وصیت کے مضمون میں ایسی ترمیم کردے جس سے حق تلفی کی اصلاح ہو جائے، وارثوں کا نزاع ختم ہو جائے اور ان میں باہم مصالحت ہو جائے تو ایسا کرنا

گناہ نہیں، جائز ہے بلکہ باعث اجر ہے، فرمایا گیا:

فَمَنْ خَافَ مِن مُّوصٍ جَنَفاً أَوْ إِثْماً فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلاَ إِثْمَ عَلَيْهِ. (البقرة: ۱۸۲)

البتہ جس کسی کو وصیت کرنے والے کی طرف سے کسی بے عنوانی یا گناہ کا علم ہو جائے، پھر وہ ان لوگوں کی آپس میں صلح کرادے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

بدسلوکی اور ظلم کرنے والے سے اگر چہ مساوی انتقام کی اجازت ہے مگر قرآن کی ہدایت یہ ہے:

فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ. (الشورى: ٤٠)

پھر جو معاف کردے اور صلح کرلے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔

احادیث میں صراحت آئی ہے کہ باہمی تعلقات کا بگاڑ دین کو مونڈنے والا عمل ہے جب کہ بگڑے ہوئے تعلقات کو خوشگوار بنانا، باہم میل ملاپ کرانا اور صلح کرانا اتنا عظیم عمل ہے کہ نفل، نماز، روزہ وصدقہ سے اس کا مقام اللہ کے نزدیک بڑھا ہوا ہے۔ (ابوداؤد: الادب: باب فی اصلاح ذات البین: ۴۹۱۹)

بلکہ مصالحت اور باہمی تعلق کو خوشگوار بنانے اور وحدت کی فضا قائم کرنے کے مقصد سے شریعت نے جھوٹ جیسے کام کی بھی مصلحتاً اجازت دی ہے، اور فرمایا گیا ہے:

لَيْسَ بِالْكَاذِبِ مَنْ أَصْلَحَ بَيْنَ النَّاسِ فَقَالَ خَيْراً أَوْ نَمیٰ خَيْراً. (ایضاً: ٤٩٢٠)

جو لوگوں کے درمیان صلح کرائے اور بھلی بات کہے یا بھلائی کی نسبت کرے (اور اس کے لئے کوئی خلاف واقعہ بات بھی کہہ دے) تو وہ جھوٹ بولنے والا نہیں ہے۔

آپ ﷺ نے واضح فرمادیا ہے کہ جو شخص نیک نیتی سے صلح کرانے میں کوئی جھوٹی بات

کہتا ہے میں اسے جھوٹا نہیں سمجھتا۔ (ایضاً:۴۹۲۱)

یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ہر دوشنبہ اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھلتے ہیں، اور ہر صاحب ایمان کی مغفرت کا فیصلہ ہو جاتا ہے، مگران دو آدمیوں کا معاملہ معلق رہتا ہے، جو باہم عداوت اور کینہ رکھتے ہوں، اللہ کی طرف سے فرشتوں کو کہا جاتا ہے کہ ایسے لوگوں کا معاملہ موقوف رکھو، جب تک وہ باہم صلح نہ کرلیں۔ (مسلم: البر والصلۃ: باب النہی عن الشحناء:۶۵۴۴)

حضرت انس بن مالکؓ کا بیان ہے کہ ہم خدمت نبوی میں حاضر تھے، اچانک حضور ﷺ کھلکھلا کر ہنس پڑے، حضرت عمرؓ نے سبب دریافت کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے یہ منظر دکھایا گیا کہ میری امت کے دو آدمی اللہ رب العزت کے سامنے گھٹنے ٹیکے ہوئے ہیں، ایک کہتا ہے: اے میرے رب! اس شخص سے مجھے میرا حق دلوایئے، اللہ فرماتا ہے: اس کی نیکیوں میں سے تو کچھ بچا ہی نہیں، تمہیں کیا دلواؤں؟ وہ کہتا ہے: پھر میرے گناہ اس پر ڈال دیجئے، یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ کے آنسو بہہ پڑے، اللہ نے اس سے کہا: اپنی نگاہ اٹھاؤ اور جنت کو دیکھو، اس نے نگاہ اٹھائی تو سونے اور موتی کے انتہائی خوبصورت شہر اور محل نظر آئے، اس نے فرط تعجب سے پوچھا: اے میرے رب: یہ شہر و محل کس نبی یا کس صدیق یا کس شہید بندے کے ہیں؟ اللہ نے فرمایا: یہ اس کے ہیں جو ان کی قیمت ادا کرے گا، اس نے پوچھا: یہ کس کو مل سکتے ہیں؟ اللہ نے فرمایا: یہ تمہیں مل سکتے ہیں، اس نے کہا: مجھے کیا کرنا ہوگا؟ اللہ نے فرمایا: اپنے بھائی کو معاف کر دو اور معاملہ صاف کرلو، اس پر وہ بولا: میں نے معاف کیا، اللہ نے فرمایا: اب اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑو اور جنت میں داخل ہو جاؤ۔

یہ سنا کر آپ ﷺ نے حاضرین سے فرمایا:

اِتَّقُوا اللّٰہَ، وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَیْنِکُمْ، فَإِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ یُصْلِحُ بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ.

اللہ سے ڈرو، آپس میں صلح اور میل کرلو، کیونکہ اللہ بھی اہل ایمان کے

درمیان صلح کراتا ہے۔(المستدرک للحاکم:۴/۵۷۶)

حضرت ابو ہریرہؓ نے آپ ﷺ سے نقل کیا ہے:

كُلُّ سُلامَىٰ مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيْهِ الشَّمْسُ، يَعْدِلُ بَيْنَ النَّاسِ صَدَقَةٌ. (بخارى: الصلح: باب فضل الإصلاح بين الناس والعدل بينهم:۲۷۰۷)

انسان کے ہر جوڑ پر روزانہ ایک صدقہ لازم ہوتا ہے،لوگوں کے درمیان صلح کرانا بھی صدقہ ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے انصار ومہاجرین سب کو بطورِ خاص یہ تحریری ہدایت فرمائی کہ نزاع ومخاصمت کے مواقع پر اہل ایمان کے درمیان مصالحت کا فرض ضرور انجام دیں اور اسے اپنی مذہبی،اخلاقی اور معاشرتی ذمہ داری سمجھیں۔(مسند احمد:۱/۲۷۱،مجمع الزوائد للہیثمی:۴/۲۰۶)

حضرت ابوایوب انصاریؓ کو مخاطب کر کے آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں انتہائی نفع بخش تجارت نہ بتاؤں؟ کیا میں تمہاری رہنمائی اس عمل کی طرف نہ کردوں جو اللہ ورسول کو بے حد پسند ہے؟ کیا میں اس صدقے کی خبر نہ دوں جسے اللہ اور رسول چاہتے ہیں؟ حضرت ابوایوبؓ نے عرض کیا:ضرور بتائیں،آپ ﷺ نے فرمایا:

صِلْ بَيْنَ النَّاسِ إِذَا تَفَاسَدُوْا، وَقَرِّبْ بَيْنَهُمْ إِذَا تَبَاعَدُوْا.

لوگوں کے درمیان جب بگاڑ ہو،صلح کرادو،جب دوری ہو،قربت پیدا کردو۔(الترغیب والترہیب للمنذری:۳/۴۸۹،الترغیب فی الاصلاح بین الناس)

ارشادِ نبوی ہے:

أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ إِصْلاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ. (ایضاً)

سب سے بہتر صدقہ باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانا ہے۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

أَلا أَدُلُّكُمْ عَلَى صَدَقَةٍ يُحِبُّهَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ؟ إِصْلاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ إِذَا تَفَاسَدُوا. (كنز العمال: ۲۸/۳: ٥٤٨٣)

کیا میں تم کو ایسا صدقہ نہ بتاؤں جو اللہ و رسول کو محبوب ہے، وہ لوگوں کے باہمی بگاڑ کو ختم کراکے ان میں آپس میں صلح کرانا ہے۔

مَنْ أَصْلَحَ بَيْنَ النَّاسِ أَصْلَحَ اللّٰهُ أَمْرَهُ، وَأَعْطَاهُ بِكُلِّ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَ بِهَا عِتْقَ رَقَبَةٍ وَ رَجَعَ مَغْفُوراً لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ. (الترغيب والترهيب للمنذرى:۴۸۹/۳، الترغيب فى الاصلاح بين الناس)

جو لوگوں کے درمیان صلح کراتا ہے، اللہ اس کے معاملات درست فرما دے گا، اور مصالحت کے ہر بول کے عوض اسے ایک غلام آزاد کرنے کا اجر عطا فرمائے گا اور وہ اس حال میں لوٹے گا کہ اس کے سابقہ سب گناہ معاف ہو چکے ہوں گے۔

حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں:

وَاللّٰهِ مَا مِنْ عَمَلٍ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ إِصْلاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ. (كنز العمال: ۳/ ۲۷۰: ۸٤۳٦)

خدا کی قسم! اللہ کی نگاہ میں باہمی تعلقات درست کرانے اور صلح کرانے سے زیادہ محبوب کوئی اور عمل نہیں ہے۔

بعض صحابۂ کرام سے یہ ارشاد منقول ہے:

مَنْ أَرَادَ فَضْلَ الْعَابِدِينَ فَلْيُصْلِحْ بَيْنَ النَّاسِ، وَلا يُوقِعْ بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبُغْضَاءَ. (تنبيه الغافلين للسمرقندى: ٥٢١)

جو عبادت گذار بندوں کی فضیلت حاصل کرنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ

لوگوں کے درمیان صلح کرائے اوران میں بغض وعداوت پیدا نہ کرے۔

حضرت ابوامامہؓ سے مذکور ہے:

إِمْشِ مِيلاً وَعُدْ مَرِيضًا، وَامْشِ مِيلَيْنِ وَزُرْأَخًا فِى اللهِ، وَامْشِ ثَلاثَةَ أَمْيَالٍ وَأَصْلِحْ بَيْنَ اثْنَيْنِ. (دليل السائلين: انس اسماعيل ابوداؤد: ۵۷)

تم ایک میل چلو اور مریض کی عیادت کرو، دومیل چلو اور کسی مسلمان بھائی سے اللہ کی خاطر ملاقات کرو، تین میل چلو اور دو آدمیوں کے درمیان صلح کراؤ (مطلب یہ ہے کہ مریض کی عیادت اور کسی مسلمان کی زیارت کے مقابلے میں صلح کرانا زیادہ بڑی نیکی ہے اوراس کے لئے زیادہ کوشش مطلوب ہے)۔

عربی شاعر کے اشعار ہیں:

إِنَّ الْمَكَارِمَ كُلَّهَا لَوْ حُصِّلَتْ
رَجَعَتْ جُمْلَتُهَا إِلَى شَيْئَيْنِ
تَعْظِيمُ أَمْرِ اللّٰهِ جَلَّ جَلالُهُ
وَالسَّعْىُ فِى إِصْلاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ

(ایضاً: ۵۸)

تمام اخلاقی خوبیوں اور عظمتوں کا خلاصہ دو چیزیں ہیں: (۱) اللہ کے حکم کی تعظیم، (۲) باہمی تعلقات کو سدھارنے اور صلح کرانے کی کوشش۔

ابن بابویہؒ کا قول ہے:

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ أَحَبَّ الْكِذْبَ فِى الإِصْلاحِ وَأَبْغَضَ الصِّدْقَ فِى الْفَسَادِ. (نضرة النعيم: ۲/۳۷۶)

بلا شبہ اللہ نے صلح کرانے کے لئے جھوٹ کو بھی پسند کیا ہے اور بگاڑ کے لئے سچ کو بھی ناپسند فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن حبیب بن ابی ثابتؒ فرماتے ہیں: میں شیخ محمد بن کعب قرظیؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ایک آدمی آیا، حاضرین نے اس سے پوچھا: کہاں تھے؟ اس نے جواب دیا:

أَصْلَحْتُ بَيْنَ قَوْمٍ.

میں ایک قوم میں صلح کرانے گیا تھا۔

حضرت محمد بن کعبؒ نے فرمایا:

أَصَبْتَ: لَكَ مِثْلُ أَجْرِ الْمُجَاهِدِيْنَ.

تم نے اچھا کیا، تم کو مجاہدین کے اجر کے برابر اجر ملے گا۔ (نضرۃ النعیم: ۲/ ۳۷۷)

سیرت نبوی ﷺ میں مصالحت کے نمونے

سیرت نبوی میں اہل ایمان کے درمیان میل ملاپ اور مصالحت کے بہت سے نمونے موجود ہیں، اوس وخزرج کے مسلمانوں کے مابین منافقین اور یہود نے بار بار خاندانی تعصب کی آگ بھڑکا کر اختلاف پیدا کرنے کی کوششیں کیں، ایسی تمام کوششیں آپ ﷺ نے ناکام بنادیں، اور تعصب کے نعروں کو بدبودار قرار دیکر سب کے دل جوڑ دیئے۔

بنوعمرو بن عوف میں مصالحت

قبا میں بنوعمرو بن عوف کے بعض افراد میں باہم اختلاف اور نزاع کی صورت پیش آئی، آپ ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ بے چین ہوگئے، اور اپنے پاس موجود صحابہ سے فرمایا:

اِذْهَبُوا بِنَا نُصْلِحُ بَيْنَهُمْ.

چلو، ان میں صلح کرادیں۔

آپ ﷺ تشریف لے گئے، اور صلح کرائی، اس عمل میں اتنی تاخیر ہوگئی کہ مسجد نبوی تک آتے آتے، آپ ﷺ مسبوق ہو گئے، آپ ﷺ نے مسبوق ہونا گوارا کیا، مگر صلح کے مبارک کام کو ترجیحی طور پر انجام دیا۔(بخاری: الصلح: باب ما جاء فی الاصلاح بین الناس: ٢٦٩٠، باب قول الامام لأصحابه:اذهبوا بنا نصلح:٢٦٩٣)

قرض کے تنازعہ میں مصالحت

حضرت عبداللہ بن ابی حدردؓ نے حضرت کعب بن مالکؓ سے قرض لیا تھا، جو وقت پر ادا نہ ہوسکا، حضرت کعب نے مسجد میں تقاضا کیا، حضرت عبداللہ نے جواب دیا، بات بڑھ گئی، مسجد میں آوازیں بلند ہوگئیں، آپ ﷺ نے اپنے حجرۂ مبارک کا پردہ ہٹایا، حضرت کعب کو آواز دی، کچھ کم کردو، انہوں نے مقدار کم کردی، پھر آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ سے فرمایا: فوراً ادا کرو، اس طرح لمحوں میں آپ نے صلح کرادی اور معاملے کا تصفیہ فرمادیا۔

(بخاری: الصلح: باب الصلح بالدین والعین: ۲۷۱۰)

میاں بیوی کے نزاع میں مصالحت

مفسر سدیؒ سے منقول ہے کہ عمران نامی ایک انصاری صحابی کے عقد میں ام زید نامی خاتون تھیں، خاتون نے اپنے میکے جانا چاہا تو خاوند نے انہیں سختی سے منع کردیا، بلکہ گھر کے بالا خانے میں مقید کردیا تاکہ ان کے میکے سے کوئی آکر ان سے مل نہ سکے، خاتون نے اپنے میکے پوری صورت حال کی خبر بھجوادی، وہ لوگ آئے، گھر میں گھس گئے، خاتون کو بالا خانے سے نیچے اتارا اور اپنے ساتھ لے جانے لگے، خاوند نے اپنے رشتہ داروں کو جمع کرلیا، اب دونوں فریقوں میں لڑائی شروع ہوگئی، زبانی مباحثے سے آگے بڑھ کر بات جوتوں تک پہنچ گئی، آپ ﷺ کو علم ہوا تو آپ نے فریقین کو سمجھایا اور پھر مصالحت کرائی، اس طرح نزاع ختم ہوا اور محبت بحال ہوگئی۔ (دلیل السائلین: انس اسماعیل ابوداؤد: ۵۸)

حجر اسود کی تنصیب

نبوت سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے، آپ ﷺ ۳۵ ر سال کے ہو چکے ہیں، شدید بارش سے سیلاب آیا، خانۂ کعبہ کی دیواریں متأثر ہوئیں، کعبہ کی از سر نو تعمیر کی بات طے ہوئی، صرف حلال رقم خرچ کرنا طے ہوا، کام شروع ہوا، درمیان میں حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھنے کے مسئلہ پر اختلاف ہوا، بنو ہاشم تلوار لے کر آ گئے کہ یہ اعزاز ہم کو ملے گا، ہم ہی اسے رکھیں گے، پھر یہ طے ہوا کہ کل صبح سب سے پہلے جو مسجد حرام میں آئے گا وہ فیصل ہوگا، سب اس کا فیصلہ مانیں گے، اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اگلے دن سب سے پہلے آپ ﷺ آئے، سب نے خوش ہو کر کہا:

هٰذَا الأَمِيْنُ رَضِيْنَاهُ، هٰذَا مُحَمَّدٌ.

محمد آ گئے، یہ امانت دار ہیں، ہم ان کو حکم بنانے پر راضی ہیں۔

آپ ﷺ نے فیصلہ کیا، کیسی حکمت تھی؟ کیسی فراست تھی؟ کیسی اصابت رائے تھی؟ کیسی بصیرت تھی؟ آپ ﷺ نے ایک چادر منگوائی، چادر بچھائی، اپنے مبارک ہاتھوں سے حجر اسود اٹھا کر چادر کے درمیان رکھ دیا، فرمایا: ہر قبیلے کا سردار چادر کا ایک کونا پکڑ کر اٹھائے، سب اٹھا کر لائے، آپ ﷺ نے کہا کہ آپ سب لوگ اسے اس کی جگہ نصب کرنے کے لئے مجھے وکیل بنا دیں، سب نے بخوشی بنا دیا، آپ ﷺ نے نصب کر دیا، اس طرح ایک الجھی گتھی آپ ﷺ کی حکمت سے ایک لمحہ میں سلجھ گئی، اور وہ مسئلہ جس پر قریب تھا کہ لاشوں کا ڈھیر لگ جاتا، آپ ﷺ نے اس طرح حل کر دیا کہ سب خوش بھی ہو گئے اور خون کا ایک قطرہ بھی نہ بہا۔

(ملاحظہ ہو: سیرت ابن ہشام: ۱/۱۹۲-۱۹۷)

صحابہ کا کردار

صحابۂ کرام کی سیرت میں صلح و اصلاح کا عنوان بہت روشن نظر آتا ہے، ممتاز عالم اور صاحب قلم حضرت مولانا عبد السلام قدوائی ندویؒ نے لکھا ہے:

’’اسلام نے عرب کے قدیم بغض و کینہ کو مٹا کر تمام مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کی جس سنہری زنجیر میں جکڑ دیا تھا، صحابۂ کرام نے حتی المقدور کبھی اس کی کڑیوں کو جدا نہیں ہونے دیا، حضرت عروہ بن مسعودؓ کے قبیلے کے لوگوں نے جب ان کے خون کا بدلہ لینا چاہا تو انہوں نے خود نہایت ایثار نفسی کے ساتھ فرمایا: ’’میرے بارے میں جنگ و جدل نہ کرو، میں نے اپنا خون معاف کردیا تاکہ اس کے ذریعہ سے تم لوگوں میں مصالحت ہوجائے۔‘‘

ان کے اصل قاتل حضرت اوس بن عوفؓ تھے، اس لئے مدت تک ان کو عروہ کے بیٹے حضرت ابو ملیح بن عروہؓ اور ان کے بھتیجے حضرت قارب بن اسودؓ کی طرف سے انتقام کا کھٹکا لگا رہا، چنانچہ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے اس کی شکایت کی تو انہوں نے ان دونوں صاحبوں کو انتقام سے روکا اور ان سب کو باہم ملادیا، اور سب نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا۔

حضرت عمرؓ نے ہجویہ اشعار کہنے پر اس قدر سختی اس لئے کی تھی کہ باہم لوگوں میں ناچاقی نہ ہونے پائے، چنانچہ حضرت حسان بن ثابتؓ نے قریش کی ہجو میں جو اشعار خود رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے کہے تھے، قریش کے اسلام لانے کے بعد ان کے پڑھنے کی ممانعت کردی کہ اس سے پرانی رنجشیں تازہ ہوتی ہیں‘‘۔ (سیر الصحابہ: ۵/ ۱۵۸-۱۵۹ حصہ دوم)

مصالحت کے لئے نواسۂ رسول حضرت حسنؓ کا روشن کردار

صلح و ایثار کے حوالے سے نواسۂ رسول حضرت حسنؓ کا کردار انتہائی مثالی اور روشن ہے، مشہور صاحب قلم حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری مدظلہم نے خوب لکھا ہے:

’’اس سلسلہ میں ہمارے لئے ایک روشن مثال جگر گوشۂ نبوت، محبوبِ رسالت، نوجوانانِ جنت کے سردار سیدنا حضرت حسنؓ کی ہے کہ آپ نے جب یہ محسوس کیا کہ مسلمانوں کی خوں ریزی اجتماعیت کے بغیر نہیں رک سکتی تو آپ خلیفۂ راشد ہونے کے باوجود اپنے حق خلافت سے دست بردار ہوگئے اور بخوشی اسلامی حکومت سیدنا

حضرت معاویہؓ کے حوالے فرما کر ہزاروں مسلمانوں کوخوں ریزی سے بچالیا۔

حضرت معاویہؓ سے صلح کے بعد سیدنا حضرت حسنؓ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا ہے وہ انسانی تاریخ کا ایک یادگار خطبہ کہلائے جانے کے لائق ہے، آپ نے حمد وثنا اور پیغمبر علیہ السلام پر درود شریف پڑھنے کے بعد ارشاد فرمایا:

اے لوگو! سب سے بڑی عقل مندی تقوی اور پرہیزگاری ہے، اور سب سے بڑی حماقت فسق و فجور ہے، یہ بات آپ لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میرے نانا جان (جناب رسول اللہ ﷺ) کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آپ حضرات کو ہدایت سے نوازا، گمراہی اور جہالت سے نکالا اور ذلت کے بعد عزت سے نوازا، اور اہل ایمان کی قلت کو کثرت سے بدل دیا، بات یہ ہے کہ معاویہؓ نے میرے اس حق میں نزاع کیا جس میں ان کا کوئی حق نہ تھا، (یعنی خلافت کے دعوے دار ہوئے) لیکن میری نظر امت کی صلاح اور فتنہ کو فرو کرنے پر ہے، اور آپ لوگوں نے میرے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کر رکھی ہے کہ میں جس سے صلح کروں اس سے آپ کی بھی صلح ہے اور میں جس سے جنگ کروں اس سے آپ کی بھی جنگ ہے، چنانچہ اب میں مناسب سمجھتا ہوں کہ معاویہؓ سے صلح کرلوں اور میرے اور ان کے درمیان جو جنگ چل رہی ہے اسے بند کردوں، پس میں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی ہے، اور میرے خیال میں خوں ریزی کے مقابلہ جانوں کی حفاظت زیادہ بہتر ہے، اور میرا منشاء صرف آپ حضرات کی بھلائی اور حفاظت ہے، اور میں نہیں جانتا کہ یہ آپ کے لئے کچھ وقت کی آزمائش اور برتنے کا موقع ہو۔ (الصواعق المحرقۃ: ۲۱۰)

سیدنا حضرت حسنؓ نے یہ تاریخی صلح فرما کر اپنے نانا جان سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اس بشارت کی تکمیل فرمائی، جو آپ نے ایک روز منبر نبوی پر بیٹھ کر آپؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سنائی تھی کہ:

إِنَ ابْنِی هٰذَا سَیِّدٌ وَ لَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ یُصْلِحَ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ. (البداية والنهاية ٤/٤٠٥)

یہ میرا بیٹا سردار ہے، اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے مابین مصالحت فرمائیں گے۔

وقت آنے پر صلح کرنا مقابلہ آرائی سے بڑھ کر ہمت کا کام ہے، خاص کر اس وقت جب کہ صلح پر آمادہ فریق بجائے خود طاقت ور ہو تو اس وقت صلح کی پیش کش بڑے دل گردے کو چاہتی ہے، کیوں کہ آدمی کے ارد گرد لگے ہوئے مفاد پرست اور خود غرض لوگ سب سے زیادہ صلح میں آڑے آتے ہیں، اگر آدمی جواں ہمت نہ ہو تو مفاہمت کی راہ ہرگز کھل نہیں سکتی، صرف متعلقہ فریق کی بلند ہمتی ہی اس راہ کو آسان کرسکتی ہے۔ چنانچہ حضرت حسنؓ کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی کہ مصالحت کے وقت آپ کے حامیوں کی بڑی بھاری تعداد آپ کے ارد گرد جمع تھی، اور وہ سب جنگ کے لئے پر جوش تھے، مگر آپ نے اپنے حامیوں کی پروا نہ کرتے ہوئے حتی کہ اپنے برادر عزیز سیدنا حضرت حسینؓ کی رائے کے علی الرغم صلح کا راستہ اختیار فرمایا، اس صلح پر آپ کو بہت طعنے سننے پڑے، چنانچہ جب آپ صلح کے بعد کوفہ میں داخل ہوئے تو ایک شخص نے آپ کو ''يَا مُذِلَّ الْمُؤْمِنِيْنَ'' (مسلمانوں کو ذلیل کرنے والا) کہہ کر پکارا، تو آپ نے جواب دیا کہ: ''میں مسلمانوں کو ذلیل کرنے والا نہیں ہوں بلکہ بات یہ ہے کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ اپنی حکومت کے لئے مسلمانوں کی خوں ریزی کا سبب بنوں''۔ اس کے بعد آپ کوفہ سے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے تو راستہ میں جا بجا قبائل کے لوگوں نے صلح کی بنیاد پر آپ پر سخت تنقید کی، لیکن آپ اپنے فیصلہ پر پورے شرح صدر کے ساتھ مطمئن رہے اور کسی قسم کی ندامت یا شرمندگی کا احساس نہیں فرمایا بلکہ مسلمانوں کی اجتماعیت پر مسرت اور خوشی کا اظہار فرماتے رہے۔ (البدایہ والنہایہ: ۴/ ۴۰۷)

بعض روایات میں ہے کہ آپ کو ''عار المومنین'' کا طعنہ دیا گیا، تو آپ نے جواب دیا ''اَلْعَارُ خَيْرٌ مِنَ النَّارِ'' عار (دنیا کی بے عزتی) جہنم سے بہتر ہے۔

الغرض تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ایثار کی بدولت بڑے بڑے فتنے منٹوں میں

فرو ہو جاتے ہیں، اس لئے جب بھی اجتماعی زندگی میں ایسے نازک موڑ آئیں تو ہر شخص کو سیدنا حضرت حسنؓ کا اسوہ پیشِ نظر رکھنا چاہئے، تاکہ اجتماعیت برقرار رہے''۔

(مشعل راہ:۲۸۲-۲۸۴)

حضرت سید احمد شہیدؒ اور مصالحت کا جذبہ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے لکھا ہے:

''کلمہ اور کلمہ گو کے احترام ہی کا یہ تتمہ اور تکملہ ہے کہ آپ کے نزدیک ابتدا ہی سے مسلمانوں کے درمیان مصالحت کی بے حد اہمیت تھی، مندرجہ ذیل واقعہ سے اس کا اندازہ ہوتا ہے: محسن خان بیان کرتے ہیں کہ رمضان المبارک کے دن تھے، آپ نے ایک روز فرمایا کہ آج روزہ ٹھنڈے کنوئیں پر کھولیں گے، جو تکیے سے ایک کوس کے فاصلے پر تھا، سب تیار رہیں، جب روانگی کا سامان اور افطاری کی تیاری ہوگئی، تو رائے بریلی سے اطلاع آئی کہ فلاں فلاں مسلمانوں کے درمیان جنگ درپیش ہے اور عجب نہیں کہ تلوار بندوق کی نوبت آجائے، آپ نے یہ سن کر محسن خاں، شیخ لطافت، معمور خاں، ابراہیم خاں، امام خاں وغیرہ دس آدمیوں سے فرمایا کہ ہمیں معلوم ہے کہ تم کو اس وقت پیاس کی شدت ہوگی اور اب یہ شدت بڑھتی ہی جائے گی، لیکن کیا کیا جائے کہ بغیر ان مشقتوں کے برداشت کئے ہوئے مراتب کمال تک پہنچنا میسر نہیں آتا، چونکہ دو مسلمانوں کے درمیان کشت وخون کی نوبت آگئی ہے، تم دوڑ کر جاؤ اور فریقین کے درمیان اپنے کو ڈال دو اور کہو کہ جو دوسرے کے قتل کے درپے ہے، وہ پہلے ہم کو قتل کردے، چونکہ یہ رمضان کے دن ہیں اور آپ روزے سے ہیں، اس لئے آپ اس اکبر الکبائر کے مرتکب ان شاء اللہ نہیں ہوں گے، کل سید صاحب کے پاس چل کر اپنے جھگڑے کا تصفیہ کرالیجئے گا، آپ نے محسن خان سے فرمایا کہ چونکہ تمہارے ماموں جان کا مکان قریب ہے، وہیں افطار کر کے اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس آجانا، وہ سب دوڑتے ہوئے گئے، محسن خان ایک فریق کی طرف دوڑے اور شیخ لطافت نے دوسرے

فریق کا رخ کیا اور آٹھوں آدمی فریقین کے درمیان کھڑے ہوگئے اور دونوں کو مصالحت پر راضی کرلیا، افطار کے قریب محسن خان کے ماموں کے گھر سے افطاری آئی، افطار اور نماز مغرب کے بعد سب تکیے واپس ہوئے، اس کے بعد یہ قضیہ بھی طے ہوگیا۔

آپ کے واقعات میں یہ بھی ملتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے درمیان مصالحت کی خاطر ڈیڑھ مہینے تک کابل میں مقیم رہے اور سرداران کابل کے درمیان جو ایک باپ کی اولاد تھے، لیکن آپس میں سخت اختلاف اور رسہ کشی تھی، صلح کی کوشش کرتے تھے، ڈیڑھ مہینے کی لگاتار کوشش کے بعد جب آپ نے کامیابی نہ دیکھی، تو پشاور کا قصد فرمایا''۔

(سیرت سید احمد شہید: ۲/ ۴۸۶-۴۸۷)

مصالحت کا ایک نادر نمونہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

''خیر القرون اور اسلاف کا ذکر نہیں، میں نے قریب ہی زمانہ کے اپنے خاندانی بزرگوں کے قصے کثرت سے سنے ہیں کہ آپس میں جائدادی قصوں میں مقدمہ بازی ہے مگر کیرانہ تحصیل میں جو کاندھلہ سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ہے اکثر دونوں فریق ایک ہی بہل میں چلے جاتے تھے، جس فریق نے اپنی بہل جڑوالی دوسرا بھی اسی میں چلا گیا۔ انہیں واقعات کے سلسلہ میں ایک عجیب بات سنی ہے کہ دو عزیزوں میں طویل مقدمہ بازی تھی، ایک عرصہ تک مقدمہ چلتا رہا، اسی دوران مدعا علیہ کا انتقال ہوگیا، مدعی نے مرحوم کی اہلیہ کے پاس کہلا بھیجا کہ میری لڑائی بھائی سے تھی، تم جیسے ان کی چھوٹی تھیں میری بھی چھوٹی ہو، تم سے کوئی جھگڑا نہیں، کاغذات ارسال ہیں، جو تم طے کردو گی اور تجویز کرلو گی وہی مجھے منظور ہے، اسی صدی کا قصہ ہے اور دنیا داروں کا واقعہ ہے، کیا آج کل دیندار کہلانے والے بھی ایسا کرتے ہیں یا کر سکتے ہیں، کیا اچھا ہوتا کہ ہم لوگوں کی مساعی بجائے تخریب کے تعمیر میں خرچ ہوتیں''۔ (حدود اختلاف: افادات حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب: ۱۰۹-۱۱۰، بحوالہ: الاعتدال: ۳۰)

مصالحت کے باب میں حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ کا کردار

عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں آتا ہے:

''حضرت والا کو اصلاح بین الناس کی بڑی فکر رہتی تھی، وہ لوگ جو دین دار کہے جاتے ہیں یا کسی دینی جماعت یا ادارے سے وابستہ ہیں، جن کا اختلاف نہ صرف دو شخصیتوں یا دو گروہوں کا اختلاف ہوتا ہے، بلکہ اس کے نتائج بڑے دوررس اور بڑے مضر ہو سکتے ہیں، ایسے لوگوں کے اختلافات کو دور کرنے کے لئے حضرت بڑی کوشش فرماتے اور جو کچھ بن پڑتا اس سے گریز نہ کرتے، ایک مدرسہ کے دو استاذوں میں کچھ اختلاف ہو گیا اور بات کچھ حد سے متجاوز ہوگئی، حضرت نے ان دونوں کے درمیان صلح کرانی چاہی، ان میں سے ایک تو راضی ہو گئے، لیکن دوسرے جن پر کچھ زیادتی ہوگئی تھی کسی طرح راضی ہونے اور دوسرے کے معافی مانگنے پر بھی معاف کرنے کے لئے تیار نہ تھے، جب وہ کسی طرح راضی نہ ہوئے تو حضرت نے اپنی ٹوپی اتاری اور ان کے قدموں پر ڈال دی ، لوگوں پر تو جیسے بجلی گر گئی اور مجلس میں ایک سکتہ سا سب کو ہو گیا، لیکن حضرت کے اس عمل نے اپنا کام کر دیا اور آخر ان کا دل بھی نرم پڑ گیا اور انہوں نے بھی حضرت کے ارشاد کے مطابق مصالحت کر لی۔

اسی طرح کا واقعہ لکھنؤ کے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح وصفائی کرنے کے سلسلے میں بھی پیش آیا اور جب کچھ پرجوش نوجوانوں کو مصالحت کے لئے حضرت کسی طرح تیار نہ کر سکے تو آخر میں روتے ہوئے اپنی ٹوپی اتار کر ان کے قدموں پر ڈال دی اور نتیجہ یہاں بھی اچھا برآمد ہو گیا اور الحمدللہ ایک خطرناک قسم کا خون خرابہ ٹل گیا۔

اس قسم کے واقعات حضرت کی زندگی میں بار بار پیش آئے ہیں اور ان کی کوششوں نے کتنے ہی مسلمان خاندانوں اور دینی اداروں اور آپسی گروپوں کو ہلاکت و بربادی سے بچالیا، آخری سفر جو سفر آخرت کا پیش خیمہ ثابت ہوا اس سے چند دن پہلے

بھی حضرت اس حال میں کہ ٹانگ کے درد کی وجہ سے قدم زمین پر رکھنا مشکل تھا، ایک مدرسہ میں پیدا شدہ باہمی نزاع کو دور کرنے کے لئے باندہ سے سیکڑوں میل کا سفر کر کے ایک جگہ تشریف لے گئے تھے''۔ (واقعات صدیق:۱۸۸-۱۸۹، مرتبہ: مولانا اقبال احمد قاسمی صاحب)

قابل تقلید مصالحت

ملت اسلامیہ ہندیہ کے لئے بطور خاص دارالعلوم دیوبند کے منتسبین کا وہ اختلاف جس کی داغ بیل گذشتہ صدی کی نویں دہائی کے آغاز میں پڑی تھی، انتہائی سوہان روح تھا، اس وقت سے اب تک صلح ومصالحت کی بے شمار کوششیں ہوئیں، مگر اللہ کے علم میں ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے، بالآخر صلح کا مرحلہ مکمل ہوا اور یہ منظر دیکھ کر لاکھوں لوگوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں، مشہور صاحب قلم حضرت مولانا ندیم الواجدی صاحب کے قلم نے اس منظر کی کیسی دل آویز عکاسی کی ہے:

''حضرت مولانا اسعد مدنیؒ غسلِ کعبہ (زادہا اللہ جلالۃ وکرامۃ) کی تقریب سعید میں شرکت کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تھے، حج سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ میں قیام کے دوران اچانک ان کی طبیعت ناساز ہوگئی جس کی وجہ سے انہیں شاہ فہد ہسپتال کے انتہائی نگہداشت والے شعبے میں داخل کرانا پڑا، ۲۸/جنوری ۲۰۰۵ء کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی، حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ اس وقت کسی سفر میں تھے، خبر پڑھ کر حضرت نے اپنے بیٹے مولانا سفیان قاسمی کو فون کیا اور پوچھا کیا وہ خبر پڑھ چکے ہیں، اور یہ کہ مزاج پرسی کے لئے فون کرنے کے متعلق ان کی کیا رائے ہے، مولانا سفیان قاسمی نے کہا کہ اس موقع پر ہمیں فون ضرور کرنا چاہئے، چناں چہ حضرت مولانا نے اسی وقت مدینہ منورہ فون کیا، اور خیر وعافیت دریافت کی، حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کے لئے یہ فون اس قدر غیر متوقع تھا کہ کچھ دیر تک تو انہیں اس کا یقین ہی

نہیں آیا کہ دیوبند سے مولانا سالم قاسمیؒ بھی انہیں فون کر سکتے ہیں، اپنا استعجاب دور کرنے کے لئے انہوں نے پوچھا بھی کہ کیا آپ قاری محمد طیب صاحبؒ کے صاحب زادے مولانا سالم قاسمیؒ بول رہے ہیں؟ حضرت مدنیؒ صحت یاب ہوکر ہندوستان تشریف لے آئے، ۳۰/جنوری کو واپسی ہوئی، ۳۱/جنوری کو انہوں نے حضرت مولانا سالم قاسمیؒ کوشکریہ کا خط لکھا، جس میں مزاج پرسی پر اظہارِ تشکر کے ساتھ یہ بھی لکھا:

''یہ حقیقت ہے کہ حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز جماعت کی بنیاد ہیں، ہم تو ان کی خاک پا کے برابر بھی نہیں ہیں، ماضی میں جو اختلافات ہوئے وہ بدنصیبی تھے اور ہیں، اس لئے جو کہا، کیا اور ہوا اس کو معاف کرنا چاہئے اور آخرت کے لئے نہیں رکھنا چاہئے''۔

اس کے جواب میں حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ نے بھی ایک مکتوب روانہ فرمایا، اس مکتوب میں حضرت نے لکھا تھا:

''جماعت کی ایک اہم ترین ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے آپ نے اختلافات کو ختم کرنے کے بارے میں تائیدی کلمات تحریر فرمائے اور احقر کی قدیم آرزو کی تکمیل کو متوقع بنا کر مسرت کو المضاعف فرمایا، جماعتی وقار اور مسلک روایاتِ اکابر کی مجروحیت کا سد باب اختلاف کو یک سرختم کردینے میں مضمر ہے، احقر کے خیال میں عمر کے مراحل نہائی میں پہنچ جانے پر ہماری مشترک خواہش وکوشش یہی ہے اور یہی ہونی چاہئے کہ ہم اپنے آنے والی نسلوں کے علماء کو اختلافات کی یہ نامبارک وراثت دے کر نہ جائیں بلکہ حسب روایاتِ اسلافِ کرام ہم اتحاد واتفاق، فکری اور عملی وحدت اور مخلصانہ مشترک جذباتِ خدمتِ علم دین دے کر بہ توفیق الٰہی ایک اہم ترین جماعتی فریضے سے سبک دوش ہوکر بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوں''۔

حضرت مولانا قاسمیؒ کا یہ مکتوب آب زر سے لکھ کر محفوظ رکھنے کے قابل ہے کہ انہوں نے بیس سال کے سنگین جھگڑے کو اپنی چند سطروں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن کردیا، اگرچہ دونوں طرف کچھ طالع آزما لوگ ایسے بھی تھے جو اس اتحاد کو سبوتاژ کرنا

چاہتے تھے، مگر اکثریت بہ ہر حال ان لوگوں کی تھی جنھوں نے اس مکاتبت کا دل کی گہرائیوں سے استقبال کیا، یہ لوگ پوری دنیا میں بکھرے ہوئے تھے، اور جہاں جہاں فضلائے دار العلوم اور محبین دیو بند رہتے ہیں وہاں وہاں اتحاد واتفاق کے یہ جھونکے پہنچے اور مشامِ جاں کو معطر کر گئے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ لوگ اس اختلاف سے اکتا چکے تھے، اور اب وہ یہ چاہتے تھے کہ اس کو ایک ناخوشگوار حادثہ سمجھ کر بھول جانا چاہئے، الحمد للہ ایسا ہی ہوا، اور آج اس کا نام ونشان تک باقی نہیں ہے، پھر سب پہلے کی طرح شیر وشکر ہیں، اس سے پہلے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے تک کے روادار نہ تھے، اس مکاتبت کے بعد جانبین نے ایک دوسرے کی دعوتوں کا اہتمام بھی کیا، آستانۂ قاسمی میں جو دعوت ہوئی اس میں احقر کو بھی شرکت کی سعادت حاصل ہوئی، مولانا سفیان قاسمی نے مجھے اس دعوت میں مدعو کیا تو ان کے اس جملے نے میری رگوں میں مسرت کی لہر دوڑا دی کہ آپ کو ضرور آنا ہے کیوں کہ اس اتحاد کا بیڑا آپ ہی نے اٹھایا تھا۔

بیڑا کوئی بھی اٹھائے یہ اہم نہیں ہے، اہم بات یہ ہے کہ جس معاملے کو ہم انتہائی مشکل اور پیچیدہ سمجھ رہے تھے وہ حضرت مولانا قاسمیؒ کی پیش قدمی، حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کے اظہار تشکر اور حضرت مولانا قاسمی کے تفصیلی جواب نے اتنا آسان کر دیا اس سے پہلے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، دیو بند کی فضا اس طرح بدل گئی جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آجائے اور ہولے سے بادِ نسیم چل پڑے، بیس سال پہلے دیو بند جیسا تھا، پھر ویسا ہی ہو گیا، لوگ ایک دوسرے سے بے دھڑک ملنے لگے، شادی بیاہ کی تقریبات میں بے تکلف شرکت ہونے لگی، جنازے پھر احاطۂ مولسری میں پہونچنے لگے، ماحول ایسا بن گیا جیسے کوئی جھگڑا تھا ہی نہیں، حالاں کہ جھگڑا تھا اور بڑا خطرناک تھا، اگر آپ کے آباء واجداد نے کوئی ادارہ قائم کیا ہو، اور آپ کے آباء و اجداد لگ بھگ سو برس تک اس کے سیاہ سفید کے مالک رہے ہوں، اچانک کوئی آکر آپ کو چیلنج کرے اور آپ اس ادارے سے بے دخل کر دیئے جائیں کیا آپ اس کو

معاف کردیں گے؟ اکثر لوگ اس کا جواب نفی میں ہی دیں گے، میں سوچتا ہوں کہ حضرت مولانا سالم قاسمیؒ کا دل کتنا بڑا تھا، اور ان کے مزاج میں صلح کا عنصر کس قدر غالب تھا کہ آپ نے چشم زدن میں سب کچھ معاف کردیا اور بدلے میں کچھ مانگا بھی نہیں، اللہ غریق رحمت کرے، یہ اسوہ ان تمام لوگوں کے لئے نمونۂ عمل ہے جو اس طرح کے اختلافات میں الجھے ہوئے ہیں، انہیں بھی چاہئے کہ وہ اختلافات کی آگ کو آنے والی نسلوں سے دور ہی رکھیں، اسی میں ان کی اور آنے والی نسلوں کی بھلائی ہے''۔ (ماہنامہ ندائے دارالعلوم: شعبان و رمضان ۱۴۳۹ھ: صفحہ ۱۹-۲۱)

اس پوری تفصیل سے صلح و اصلاح کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے، اسی لئے سورۃ الحجرات میں یہ بنیادی ہدایت دی جارہی ہے کہ باہمی نزاع کی صورت میں غیر متعلق نہ رہا جائے بلکہ اپنا فرض سمجھ کر صلح و مصالحت کی مکمل کوشش کی جائے۔

مصالحت کی بنیادی شرط

باہمی تنازعہ کی صورت میں عام اہل ایمان بطور خاص سربرآوردہ افراد اور اہل حل وعقد کی ذمہ داری فریقین میں مصالحت کے حوالے سے بڑھ جاتی ہے، مصالحت کے لئے ایک طرف یہ ضروری ہے کہ فریقین کے درمیان صلح کرانے کے لئے مداخلت کرنے والے افراد اخلاص نیت سے مالا مال ہوں اور اس عمل میں رضائے الٰہی کا جذبہ ان کا رفیق ہو، اور دوسری طرف اپنے بھائیوں کے لئے جذبۂ خیر خواہی سے ان کے دل لبریز ہوں۔

مصالحت کی مختلف صورتیں

(۱) **اتحاد:** مصالحت کی سب سے بہتر صورت تو یہ ہوتی ہے کہ فریقین اپنا اختلاف کلی طور پر ختم کر کے باہم شیر و شکر ہوجائیں، مل کر ایک ہوجائیں، اور ایسا محسوس ہو کہ پہلے کوئی اختلاف سرے سے نہیں تھا۔

(۲) اشتراک: اگر ایسا نہ ہو سکے تو دوسری صورت ''اشتراکِ عمل'' کی ہے، یعنی فریقین تنظیمی اعتبار سے متحد اور ایک نہ ہوں، اپنے اپنے طور پر کام میں مصروف رہیں لیکن باہم ایک دوسرے کے ساتھ مشترکہ امور میں تعاون، خیر خواہی اور تائید کا سلسلہ قائم رہے، ایک فریق دوسرے کے ساتھ مل کر کام نہ بھی کر رہا ہو مگر حسن سلوک اور ممکن حد تک مدد اور مشترکہ امور میں رفاقت کا پابند رہے۔

(۳) تقسیم کار: یہ بھی نہ ہو سکے تو مصالحت کی ایک تیسری صورت ''تقسیم'' کی ہے، خواہ یہ تقسیم کام کے حوالے سے ہو یا مقام کے حوالے سے ہو، یا وقت کے اعتبار سے ہو، یا دائرہ عمل کے اعتبار سے ہو، پھر ہر فریق دل کی سچائی کے ساتھ اس تقسیم پر راضی رہے اور دوسرے کے امور میں علانیہ یا خفیہ کسی بھی طرح مداخلت نہ کرے، مسلمانوں میں مختلف جماعتوں، اداروں اور تنظیموں میں اختلافات اور تنازعات پیدا ہو جائیں (جن کا گراف موجودہ دور میں عالمی سطح پر بڑھتا ہی جا رہا ہے) اور اتحاد و اشتراک کی شکلیں نہ بن سکیں تو مصالحت کے طور پر تقسیمِ کار کی صورت بہت کارگر ہو سکتی ہے، اور اس طرح فریقین کا اپنا اپنا وجود اور تشخص پورے طور پر باقی بھی رہ سکتا ہے اور کسی کی طرف سے دوسرے کے نظام میں مداخلت اور اس کے نتیجے میں تصادم پیدا ہونے سے حفاظت بھی ہو سکتی ہے۔

(۴) اختلاف رائے کو گوارا کرنا: اگر تقسیم کار کا فارمولہ بھی کارگر نہ ثابت ہو تو آخری راستہ یہ ہے کہ فریقین اختلاف رائے گوارا کرنے کے لئے تیار ہو جائیں اور ہر فریق (اگرچہ وہ اپنی دانست میں حق پر ہو اور مقابل غلطی پر) اپنے نظام کے مطابق دوسرے سے تعرض اور چھیڑ چھاڑ کے بغیر مثبت ذہنیت کے ساتھ اپنے کام میں مصروف رہے۔

(ب) مظلوم کی مدد

اگر مصالحت کی کوششوں کے باوجود ایک فریق دوسرے پر ظلم و زیادتی کر رہا ہے، اور

سرے سے صلح پر آمادہ ہی نہیں ہو رہا ہے یا زبانی اور رسمی طور پر تو صلح کرتا ہے مگر زیادتی بدستور باقی ہے، تو ایسی صورت میں دیگر اہل ایمان کو پابند کیا جا رہا ہے کہ وہ مظلوم کا تعاون کریں اور ظالم سے مقابلہ کریں، اور جب تک ظالم ظلم سے باز نہ آجائے اس وقت تک اس سے مقابلہ کرتے رہیں۔

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے لکھا ہے:

''اگر کہنے سننے سے لڑائی بند نہ ہو، اور صلح کی کوئی صورت نظر نہ آرہی ہو تو پھر اس وقت یہ دیکھو کہ ان میں سے کون مظلوم ہے اور کون ظالم ہے؟ کون زیادتی کر رہا ہے اور کون زیادتی کا شکار ہو رہا ہے؟ اگر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان میں سے ایک گروہ زیادتی کر رہا ہے، اور ظلم کا ارتکاب کر رہا ہے تو ایسی صورت میں تمہارا فرض ہے کہ مظلوم کا ساتھ دو، اور ظالم کے خلاف تم بھی قتال کرو، اور اس سے لڑائی کرو، یعنی جب صلح کی کوشش کارگر نہ ہو تو ہر مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ ظالم کا ہاتھ پکڑے اور مظلوم کا ساتھ دے، اور اس وقت تک ظالم سے لڑتے رہو، جب تک وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ کر نہ آجائے۔

یہاں پر دو باتیں احادیث کی روشنی میں سمجھ میں آتی ہیں، ایک یہ کہ قرآن کریم نے سارا دارومدار اس پر رکھا ہے کہ یہ دیکھو کہ کون برحق ہے اور کون ناحق ہے، اور کون ظالم ہے، کون مظلوم ہے، اس بنیاد پر کسی کا ساتھ مت دو کہ یہ میرا ہم وطن ہے، یا میرا ہم زبان ہے، یا میری جماعت سے تعلق رکھتا ہے، اس بنیاد پر ساتھ مت دو، بلکہ ساتھ دینا ہو، یا لڑائی کرنی ہو، یہ دونوں اس بنیاد پر ہونے چاہئیں کہ کون ظالم ہے اور کون مظلوم ہے، زمانہ جاہلیت سے ذہنوں میں جو تصور چلا آتا ہے، اور افسوس یہ ہے کہ وہ آج بھی مسلمانوں کے درمیان موجود ہے، وہ یہ کہ جو شخص میرے قبیلے کا ہے، وہ میرا ہے، جو میری زبان بولتا ہے، وہ میرا ہے، مجھے ہر قیمت پر اس کا ساتھ دینا ہے، یہ دیکھے بغیر کہ ظالم ہے، یا مظلوم ہے، وہ حق پر ہے، یا ناحق ہے، یہ تصور جاہلیت کا تصور ہے،

جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں نے آج اس تصور کو اپنے پاؤں کے نیچے روند دیا ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ آج بھی ہماری صفوں میں یہ صورت حال موجود ہے کہ لوگوں نے اپنی زبان کے اعتبار سے، اپنی نسل کے اعتبار سے، اور اپنے وطن کے اعتبار سے گروہ بنائے ہوئے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں ہر قیمت پر اس کا ساتھ دینا ہے۔

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

لاَحِلْفَ فِيْ الإِسْلاَمِ. (صحیح البخاری: الحوالة/ ۲۱۳۰)

یعنی زمانہ جاہلیت میں مختلف قبائل کے درمیان جو معاہدے ہوتے تھے کہ ہم ہر قیمت پر تمہارا ساتھ دیں گے، اسلام میں ایسے معاہدوں کی کوئی گنجائش نہیں، ایک مومن کا کام یہ ہے کہ وہ حق اور ناحق کو دیکھے اور ظالم اور مظلوم کو پہچانے، اگر تم دیکھو کہ مسلمان ظلم کر رہا ہے تو تمہارا فرض ہے کہ اس ظلم سے اس کا ہاتھ روکنے کی کوشش کرو"۔

(اسلام اور ہماری زندگی: ۴/ ۲۶۸-۲۶۹)

(ج) صلح میں انصاف کی رعایت

اگر ظلم وزیادتی کرنے والا فریق بعد میں صحیح طور پر معاملہ طے کرنے پر تیار ہو جائے، اور زیادتی سے باز آ جائے، تو دیگر اہل ایمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ فریقین کے درمیان صلح کرائیں، اور یہ مصالحت عدل وانصاف کے تمام تقاضے ملحوظ رکھ کر کرائی جائے، بالعموم نزاع میں اگرچہ ایک فریق ظالم ہو تو دوسرے فریق کی بھی کچھ کمیاں ضرور ہوتی ہیں، اس لئے صلح میں جانبداری نہیں ہونی چاہئے، ہر فریق کو اس کی غلطی اور کمی کی طرف متوجہ کرایا جائے اور عدل و انصاف کے ساتھ صلح کرائی جائے۔

یہاں آیت کے اس حصہ میں "انصاف" کی تاکید دو مرتبہ آئی ہے، ایک بار تو یہ فرمایا گیا کہ "عدل کے ساتھ دونوں فریقوں میں صلح کرادو" اور دوسری بار مستقل یہ حکم دیا گیا کہ "عدل

وانصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے دو' یہ تکرار اس لئے ہوئی ہے کہ:

''جب ملت نے بحیثیت مجموعی ایک فریق کو صلح پر مجبور کیا ہے تو ہوسکتا ہے کہ جذبات میں آکر اس فریق پر کوئی ناروا زیادتی ہوجائے اور اسے زیادہ سے زیادہ دبانے کا رجحان پیدا ہوجائے، لہذا یہ خاص احتیاط کا مقام ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اب بطور سزا اس پر ایسی شرائط عائد کردی جائیں، جو نامناسب و ناروا ہوں اور جو زیادتی کے زمرے میں آتی ہوں، چنانچہ متنبہ کردیا گیا ہے کہ زیادتی کرنے والا فریق بھی آخر مسلمان ہی ہے، اہل ایمان ہی میں سے ہے، اب کہیں اس پر زیادتی نہ ہوجائے اور عدل وقسط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے، آیت کے آخر میں فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ.

جان رکھو کہ بلاشک وشبہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے''۔ (مطالعۂ قرآن کا منتخب نصاب: ۱/ ۵۲۷)

موضوع کی مناسبت سے معروف داعی مولانا محمد کلیم صدیقی صاحب کا ایک فکر انگیز کالم 'دین وحدت کا مزاج' نقل کرنا مفید معلوم ہوتا ہے، لکھتے ہیں:

''ماسٹر صاحب کا گمان تھا کہ طرفین راقم سطور سے مانوس ہیں، اس لئے وہ پہلے پھلت اس کے بعد غازی آباد اور پھر دہلی مجھے تلاش کرتے ہوئے پہنچے، اور بولے کہ گاؤں میں لڑائی اس درجہ تلی ہوئی ہے کہ اس بار سالانہ جلسے میں آپ نہ آئے تو گولیاں چلیں گی اور دو چار لوگ ضرور مریں گے اور ان کے مرنے کے ذمہ دار آپ ہوں گے، اس حقیر نے اس خیال سے کہ اپنی بساط بھر مسلمانوں کے انتشار میں صلح کرانا دینی ذمہ داری ہے، اپنے پہلے سے طے شدہ پروگرام کو رد کر کے جلسے میں حاضری کا وعدہ کرلیا، گاؤں میں پردھانی کی سیاست کی وجہ سے دو دھڑے بنے ہوئے تھے، اور اپنی داخلی سیاست کو دونوں گروپ مدرسے کی سرپرستی کے نام پر جیت ہار کا مسئلہ بنائے ہوئے تھے، گویا مدرسہ اس کا اکھاڑہ تھا، یہ حقیر صبح جلدی حاضر ہوا، ایک گروپ جو نسبتاً اس حقیر

سے ذرا قریب تھا اور موجودہ نظام سے برہم تھا بلایا اور سمجھایا، الحمدللہ وہ لوگ اس بات پر راضی ہوگئے کہ ہم لوگ اللہ کے لئے جلسے میں شریک بھی ہوں گے، سرپرست کوئی بھی رہے مدرسے کی خدمت بھی پہلے سے زیادہ کریں گے، دوسرا گروپ کسی طرح قریب نہیں لگا اور بار بار کوشش پر بھی راضی نہیں ہوا، ہمارے رفیق بھولے بھالے حافظ صاحب جو اس صلح میں بہت دلچسپی لے رہے تھے مایوس ہوکر بولے کہ ہم مسلمانوں کا حال تو کتوں کا سا ہوگیا ہے خصوصاً دینی طبقے کا، میں نے ان سے جب وجہ معلوم کی تو انہوں نے بتایا کہ ایک بھینسا مرا پڑا ہوا ہو اور ایک کتا اسے نوچ کر کھا رہا ہو، اس کتے سے سالوں میں بھی وہ بھینسا کھایا نہ جاسکے گا، بلکہ وہ اکثر گل سڑ جائے گا، اس کے باوجود اگر دوسرا کتا آکر وہاں کھانے لگے تو یہ کتا اپنا کھانا بھول جائے گا، اور دوسرے کتے سے لڑے گا، حافظ صاحب سے اس حقیر نے پوچھا: پھر ہمیں کس کی طرح ہونا چاہیئے؟ حافظ صاحب بولے: بکریوں کی طرح، پوچھا: وہ کیوں؟ بولے: بکریوں کے ایک بڑے ریوڑ میں تھوڑا سا چارا ڈال دیجیئے، نہ لڑیں گی نہ کسی کو بھگائیں گی، ایک ایک پتا مل جل کر کھا جائیں گی، بات بڑی حکمت کی تھی، سن کر یہ حقیر رب کریم کے احسان عظیم کے شکر سے بول اٹھا:

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ. (الاعراف: ۴۳)

اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس کی ہدایت دی، اور ہم ہدایت یاب نہ ہوسکتے تھے اگر وہ ہدایت نہ دیتا۔

بغیر طلب اور بلا استحقاق کیسا پیارا دین اسلام رب کریم نے ہمیں دیا، جس کا ایک ایک حکم کیسا حکیمانہ ہے، کتے کو پالنے کو حرام قرار دیا، اس حکم میں من جملہ سینکڑوں مصلحتوں اور حکمتوں کے بڑی حکمت یہ ہے کہ کتے کے ساتھ رہنے کی وجہ سے اپنی قوم سے کینہ نہ پیدا ہوجائے، اور بکری پالنا سنت قرار دیا اس میں من جملہ حکمتوں کے ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ مروت اور محبت کے ساتھ مل جل کر کھانے کی صفت، ان کے

ساتھ رہنے کی وجہ سے مسلمان میں پیدا ہو جائے، اس مروت اور محبت کی نعمت کو قرآن حکیم نے کس انداز میں ذکر کیا ہے:

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَاناً وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا. (آل عمران:۱۰۳)

اور اپنے اوپر یاد کرو احسان اللہ کا، جب تم آپس میں دشمن تھے، پھر اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی، اور تم اس کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچایا۔

مگر افسوس ہے کہ کلمۂ توحید جو کلمۂ وحدت بھی ہے کے ماننے والے ہم اپنے اپنے ذاتی مفادات کے داؤں پر اس وحدت اور مروت کی نعمت کو پارہ پارہ کر دیتے ہیں، اس لئے کہ ہمارے دل بغض وکینہ کی آماجگاہ ہیں، اور ہمارا حال یہ ہے کہ کتوں کی طرح اپنے دکھ سے اتنے دکھی نہیں جتنا دوسروں کے سکھ اور خوشی سے ہمیں تکلیف ہے، حالاں کہ اسلام نے ایسے تمام رذائل سے حد درجہ پرہیز کا حکم دیا تھا جو آپس میں انتشار وافتراق پیدا کرنے والے ہیں، کاش ہم دین وحدت کے مزاج کو سمجھ کر امت کی شیرازہ بندی کی اہمیت کو سمجھتے''۔ (صفحات:۸۸-۹۰)

(د) ایمانی اخوت کا پاس ولحاظ

یہ بنیادی اصول بتایا جا رہا ہے کہ تمام اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، اس لئے نزاع اور مخاصمت کے کسی بھی موقع پر انہیں اکیلا نہیں چھوڑا جائے گا، بلکہ ان کے معاملات میں مداخلت کی جائے گی اور صلح کرائی جائے گی، یہاں یہ اشارہ بھی کیا گیا ہے کہ معاملات و تنازعات طے کراتے وقت جذبۂ اخوت کو بیدار رکھتے ہوئے مصالحت کرانی چاہئے۔

ایمانی اخوت کا لازمی تقاضہ ہے کہ نہ ظلم کیا جائے اور نہ بے یار و مددگار چھوڑا جائے،

ارشاد نبوی ہے:

اَلْمُسْلِمُ أَخُ الْمُسْلِمِ، لاَ یَظْلِمُهُ وَلاَ یُسْلِمُهُ. (بخاری: المظالم: باب لا یظلم المسلم: ۲۲۶۲)

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے، نہ اسے بے یار ومددگار چھوڑے۔

اس طرح یہ بتایا گیا ہے کہ اسلامی اخوت کی بنیاد ایمان اور عقیدے پر ہے، رنگ و نسل اور قبیلہ ونسب پر نہیں ہے، ایمان کا رشتہ پوری دنیا کے مسلمانوں کی ایک عالم گیر برادری قائم کرتا ہے، اور اسی کی برکت ہے کہ جو اخوت مسلمانوں کے درمیان ہے دنیا کے کسی بھی دین کے ماننے والوں میں نہیں ملتی، حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم نے لکھا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے یہ '' لا إله إلا الله'' کا رشتہ ایسا مضبوط بنایا ہے کہ یہ کسی زبان کا محتاج نہیں، مجھے وہ منظر کبھی نہیں بھولتا کہ آج سے تقریباً پندرہ بیس سال پہلے میرا چین جانا ہوا، اور اس زمانے میں چین کے اندر باہر کے لوگوں کے آنے کا سلسلہ نیا نیا شروع ہوا تھا، اب بھی وہاں بہت بڑی تعداد میں مسلمان آباد ہیں، مسلمانوں کے ایک علاقے میں میرا جانے کا اتفاق ہوا، اس وقت وہاں برف باری ہو رہی تھی، اور درجہ حرارت منفی ۱۶ر ڈگری تھا، فجر کے وقت ہمیں ایک علاقے سے گزرنا تھا، جہاں مسلمانوں کی آبادی تھی، اس علاقے کے مسلمانوں کو یہ اطلاع ملی تھی کہ پاکستان کے مسلمانوں کا ایک وفد آرہا ہے، چنانچہ وہ لوگ کئی گھنٹے پہلے سے پہاڑی کے درمیان برف باری کے اندر صرف باہر کے مسلمانوں کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے کھڑے ہوگئے، جب ہمارا قافلہ ان کے قریب سے گذرا تو ان کی زبان پر صرف ایک نعرہ تھا'' **السلام علیکم**'' اور سلام کرتے ہی ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، اس لئے کہ زندگی میں پہلی مرتبہ انہوں نے اپنے وطن سے باہر کے کسی مسلمان کی شکل دیکھی تھی، میں سوچ رہا تھا کہ نہ ہم ان کی زبان جانتے ہیں، نہ ان سے بات کرسکتے ہیں، نہ یہ ہماری بات سمجھیں گے،

اور نہ ہم ان کی بات سمجھیں گے، خاندانی اعتبار سے، نسلی اعتبار سے، زبان کے اعتبار سے ان کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں تھا، لیکن دل میں محبت کے دریا صرف اس لئے موجزن تھے کہ " لا إلہ إلا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ" پڑھنے والے تھے، " إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَۃٌ" کا منظر اللہ نے وہاں دکھا دیا۔

اگر دماغ میں یہ بات بیٹھ جائے کہ ہر مسلمان ہمارا بھائی ہے تو نہ جانے کتنے جھگڑے، کتنے فساد، کتنے قتل وقتال ختم ہو جائیں، افسوس یہ ہے کہ آج یہ سبق ہم لوگ بھولتے جا رہے ہیں، آج مسلمان مسلمان کا گلا کاٹ رہا ہے، آج مسلمان مسلمان کے خلاف صف آرا ہے، آج مسلمان مسلمان کو قتل کرنے کی فکر میں ہے، مذہب کے نام پر، دین کے نام پر، عبادت کے نام پر یہ سب کام ہو رہے ہیں، عبادت گاہیں تک محفوظ نہیں رہیں، ان پر بھی حملے کئے جا رہے ہیں، یہ سارا فساد اس بات کا ہے کہ آج ہم قرآن کی تعلیمات سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں"۔ (اسلام اور ہماری زندگی: ۲۷۲/۴)

❍❖❍

معاشرتی اور مجلسی برائیاں

سورۃ الحجرات کے دوسرے رکوع کی ابتدائی دو آیات میں بطور خاص تمام اہل ایمان کو چھ کاموں سے باز رہنے کے احکام دیئے گئے ہیں، یہ چھ معاشرتی اور مجلسی برائیاں ہیں جو مسلمان معاشرے میں اختلاف، نفرت اور دوری پیدا کرتی ہیں، اور جن کی وجہ سے اتحاد و محبت کی فضا کو سنگین نقصان لاحق ہوتا ہے، ان معاشرتی برائیوں میں دوسروں کی عزت و ناموس پر حملہ، دل آزاری، بدگمانی، معائب کی تلاش اور پروپیگنڈہ سب کچھ شامل ہے، اور بلاشبہ یہی وہ بنیادیں ہیں جن سے باہم عدواتیں پیدا ہوتی ہیں، اور انجام کار بڑے بڑے فتنے رونما ہوتے ہیں۔

ان آیات میں اس تعلق سے جو ہدایات و احکام آئے ہیں اور احادیث میں ان کی جو توضیحات ملتی ہیں، ان کی بنیاد پر ایک تفصیلی قانونِ ہتکِ عزت متعین کیا جا سکتا ہے، اسلامی قانون میں ہر شخص کو عزت حاصل ہوتی ہے اور اس پر کسی کو حملہ کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

فرمایا گیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَومٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْراً مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْراً مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الاِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيراً مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضاً أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتاً

فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ. (الحجرات:۱۱-۱۲)

اے ایمان والو! نہ تو مرد دوسرے مرد کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ (جن کا مذاق اڑا رہے ہیں) خود ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ (جن کا مذاق اڑا رہی ہیں) خود ان سے بہتر ہوں، اور تم ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیا کرو، اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو، ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا بہت بری بات ہے، اور جو لوگ ان باتوں سے باز نہ آئیں، تو وہ ظالم لوگ ہیں، اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، اور کسی کی ٹوہ میں نہ لگو، اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو، کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو خود تم نفرت کرتے ہو، اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا، بہت مہربان ہے۔

(۱) مذاق اڑانا

سب سے پہلا معاشرتی اور مجلسی گناہ باہم ایک دوسرے کا مذاق اڑانا ہے، مذاق اڑانے سے مراد کسی شخص کے کسی عیب کو اس کی تذلیل واہانت کے مقصد سے اس طرح ذکر کرنا ہے کہ لوگ ہنسنے لگیں، پھر اس کا تعلق صرف زبان سے ہی نہیں ہے، بلکہ کسی بھی طرح سے دوسرے کی نقل اتار دینا، معنی خیز اشارے کرنا، دوسرے کی کسی بات یا کام یا شکل یا لباس پر ہنس دینا، دوسرے کے کسی نقص کی طرف لوگوں کو متوجہ کر دینا، اور لوگوں کو ہنسنے پر مجبور کر دینا، سب استہزاء میں شامل ہے، حاصل یہ ہے کہ کوئی کسی کی کسی بھی طرح تضحیک نہ کرے، دوسروں کی تضحیک بالعموم دو اسباب سے ہوتی ہے اور وہ دونوں حرام ہیں:

(۱) اپنی بڑائی کا اظہار

(۲) دوسرے کی تحقیر وتذلیل

یہ دونوں چیزیں اخلاقی لحاظ سے انتہائی معیوب ہیں، اور ان کے نتیجے میں دوسروں کی دل آزاری ہوتی ہے جو سماج میں فساد برپا کرتی ہے، یہاں اس آیت میں مردوں کو مستقل اور خواتین کو مستقل حکم ہے اور بتایا گیا ہے کہ مرد مردوں کا اور خواتین خواتین کا مذاق ہرگز نہ اڑائیں، کیونکہ بہت ممکن ہے کہ مذاق اڑانے والوں اور مذاق اڑانے والیوں سے وہ افراد بدرجہا بہتر ہوں جن کا مذاق اڑایا جارہا ہے۔

خواتین کا ذکر مستقل طور پر بطور خاص کئے جانے کی وجہ یہی ہے کہ مذاق اڑانے کے جس گناہ سے منع کیا جارہا ہے، وہ خواتین کے سماج میں بہت زیادہ پایا جاتا ہے، جو خواتین اپنی

خاندانی برتری اور اپنے ظاہری جمال کی وجہ سے غرور میں مبتلا ہوتی ہیں ان کا طرز و انداز دیگر خواتین کے ساتھ بہت تحقیر آمیز ہوتا ہے۔

مردوں کی مصروفیات کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے جب کہ خواتین کا دائرۂ عمل عام طور پر محدود ہوتا ہے، اس لئے استہزاء کی مجلسی برائی خواتین میں نسبتاً زیادہ ہوتی ہے، دوسروں کے لباس و پوشاک، شکل و صورت، طرز و انداز، چال چلن، رہن سہن وغیرہ پر فقرے چست کردینا، استہزائیہ تبصرہ کردینا، پھبتیاں کس دینا، خواتین کی مجلسوں میں زیادہ ہوتا ہے، اس لئے ان کا ذکر بطور خاص یہاں آیا ہے۔

شرعی حکم کے اعتبار سے مردوں اور خواتین کا باہمی مذاق بھی ناجائز ہے، مگر چونکہ اسلام مخلوط معاشرے کی کسی بھی صورت اجازت نہیں دیتا، اس لئے یہاں اس کا ذکر نہیں آیا ہے، پھر یہ بھی بتادیا گیا ہے کہ:

”درحقیقت مسلمان معاشرے کی یہ خاصیت ہے کہ مرد اور عورت آپس میں مخلوط نہیں ہوسکتے، مردوں کی مجلس علیحدہ ہوتی ہے، عورتوں کی مجلس علیحدہ ہوتی ہے، لٰہذا مسلمان معاشرے کا اصل طریقہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی مجلس ہو تو مردوں کی مجلس الگ ہونی چاہئے، عورتوں کی مجلس الگ ہونی چاہئے اور جب مردوں کی مجلس الگ ہوگی اور عورتوں کی مجلس الگ ہوگی تو مرد اگر مذاق اڑائیں گے تو مردوں کا مذاق اڑائیں گے، عورتیں اگر مذاق اڑائیں گی تو عورتوں کا اڑائیں گی، اس میں اشارہ اس طرف کردیا کہ معاشرے میں یہ جو رواج چل پڑا ہے کہ مرد اور عورت سب اکھٹے ہیں، شادی بیاہ میں، تقریبات میں، جلسوں میں مرد عورت ایک جگہ پر جمع ہیں، یہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، مردوں کی نشست الگ ہونی چاہئے، عورتوں کی نشست الگ ہونی چاہئے، یہ شریعت کا بہت اہم حکم ہے، آج اس حکم کو پامال کیا جارہا ہے“۔ (اصلاحی خطبات: ۳۲/۱۷)

مزید غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ:

''باہم دوستوں میں بھی ایک دوسرے کا تمسخر اور استہزاء بسا اوقات رنجش کا سبب بن جاتا ہے اور دوستیاں ٹوٹ جاتی ہیں، ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک مذاق کسی دوست سے دس مرتبہ کیا گیا اور وہ برداشت کر گیا، لیکن کسی وقت اس کا موڈ آف ہے تو ایسے میں ہوسکتا ہے کہ وہی مذاق اس کی برداشت سے باہر ہو جائے اور وہ پھٹ پڑے اور یہ پھٹ پڑنا ہوسکتا ہے کہ دیرینہ سے دیرینہ دوستی کے رشتہ کو منقطع کرنے کا باعث بن جائے، یہ معاملہ خالص افراد کی سطح پر بھی ہوسکتا ہے اور گروہوں، خاندانوں، کنبوں اور قبیلوں کی سطح پر بھی ہوسکتا ہے، پس پہلا حکم یہ دیا گیا کہ تمسخر اور استہزاء سے باز رہو۔

اب دیکھئے کہ اس میں اپیل کا ایک بڑا مؤثر انداز بھی موجود ہے، جس سے زیادہ مؤثر اسلوب ممکن نہیں ہے، مردوں کے لئے فرمایا:

عَسَىٰٓ أَن يَكُونُوا خَيْراً مِّنْهُمْ.

اور عورتوں کے لئے فرمایا:

عَسَىٰٓ أَن يَكُنَّ خَيْراً مِّنْهُنَّ .

تم جس کی ظاہری کمزوری یا عیب کو دیکھ کر مذاق اڑا رہے ہو، اس پر فقرے چست کر رہے ہو، اس شخص کے متعلق تمہیں کیا معلوم کہ اس کے دل میں اللہ کی کتنی محبت ہو، اس کے دل میں محبت رسول ﷺ کا کتنا بڑا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہو، اور اللہ کو تو قدر ان چیزوں کی ہے، جیسے ایک حدیث میں الفاظ آئے ہیں:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى اَجْسَادِكُمْ وَلَا إِلَى صُوَرِكُمْ وَ لٰكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوْبِكُمْ وَ أَعْمَالِكُمْ.

اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور تمہاری صورتوں کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ اللہ کی نگاہ تو تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال پر ہے، لہذا ہوسکتا ہے کہ وہ سیرت و کردار اور اللہ اور رسول ﷺ کی محبت و اطاعت اور فرمانبرداری میں تم سے کہیں آگے ہو، اللہ کے یہاں اس کا رتبہ بہت بلند ہو، حضرت بلال حبشیؓ کی جو شکل و صورت تھی، اس کا آپ اندازہ

کر سکتے ہیں، پھر ان کا حال یہ تھا کہ عربی کے بعض تلفظ صحیح ادا نہیں کر سکتے تھے، یہ بات بہت مشہور و معروف ہے کہ ان سے شین بالکل ادا نہیں ہوتا تھا، اذان میں وہ:

أَسْهَدُ اَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللّٰهُ، أَسْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰهِ.

کہا کرتے تھے، لیکن ان کے دل میں اللہ تعالیٰ، آخرت اور رسالت پر جو ایمان تھا اور ان کے ریشے ریشے میں اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ کی جو شدید محبت رچی بسی تھی اس کا مقابلہ کون کرسکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ امیر المؤمنین، خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروقؓ ان سے سیدنا بلال کہہ کر خطاب فرمایا کرتے تھے، تو پہلی بات یہ سامنے آئی کہ کسی کا تمسخر و استہزاء نہ کرو، اور اس کے لئے نہایت مؤثر اپیل کا انداز اختیار کیا گیا ہے''۔ (منتخب نصاب: ۱/۵۳۲-۵۳۳)

ہوتا یہی ہے کہ جب کوئی دوسرے کا مذاق اڑاتا ہے تو وہ اپنے زعم کے مطابق اپنے آپ کو دوسرے سے بہتر اور اس کو اپنے سے کمتر سمجھ رہا ہوتا ہے، قرآن نے اس خیال کی تغلیط کردی اور بتادیا کہ تمہیں کیا خبر؟ ہوسکتا ہے وہ تم سے بہتر ہو، احادیث میں آتا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے، ان کی پتلی پنڈلیاں دیکھ کر بعض لوگ ہنس پڑے، آپ ﷺ کو یہ بات ناگوار گزری، فرمایا: تم ان کی پنڈلیاں دیکھ کر ہنس رہے ہو، تمہیں کیا خبر: قیامت کے دن ان کی پنڈلیوں کا وزن احد پہاڑ سے بھی زیادہ ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ثابت بن قیسؓ کو ثقلِ سماعت کا عارضہ تھا، جب وہ آپ ﷺ کی مجلس میں آیا کرتے تھے تو صحابہ ان کو آگے بٹھا دیتے تھے، تاکہ وہ آپ کے بالکل قریب ہوکر آپ ﷺ کے ارشادات سن سکیں، ایک دن وہ فجر میں مسبوق ہوگئے، مجلس میں پہونچے تو جگہ بھر چکی تھی، حضرت ثابتؓ لوگوں کو پھاندتے ہوئے اور جگہ دینے کی درخواست کرتے کرتے آگے آگئے، آپ ﷺ سے بالکل قریب ایک صاحب پہلے سے بیٹھے تھے، حضرت ثابتؓ نے چاہا کہ وہ صاحب ہٹ جائیں اور انہیں جگہ دے دیں، مگر ان صاحب نے جگہ نہ دی،

حضرت ثابتؓ ان کے پیچھے بیٹھ گئے مگر سخت ناراض ہو گئے، پھر دورانِ گفتگو حضرت ثابتؓ نے ان کا مذاق اڑاتے ہوئے انہیں ان کی ماں کے حوالے سے طعنے اور تمسخر کی کوئی بات کہہ دی، اس پر وہ صاحب انتہائی شرمندہ بھی ہوئے اور سخت اذیت میں مبتلا بھی ہوئے، اس موقع پر یہ آیت اتری جس میں مذاق اور طعنہ زنی سے منع کر دیا گیا۔ (تفسیر القرطبی:۱۶/۳۰۹)

حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں:

''بنو تمیم کا وفد مدینے آیا، ان لوگوں نے غریب مسلمانوں کی غربت اور بدحالی کے مناظر دیکھے، حضرت عمار، خباب، بلال، سلمان، صہیب، سلمان و سالم رضی اللہ عنہم وغیرہ کو دیکھا تو ان کا خوب مذاق اڑایا، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی''۔ (ایضاً)

ایک روایت میں آتا ہے کہ ابو جہل کے بیٹے حضرت عکرمہ قبول اسلام کے بعد مدینہ آئے تو کچھ مسلمانوں نے ان کے بارے میں یہ کہا کہ یہ اس امت کے فرعون کے بیٹے ہیں، انہوں نے آپ ﷺ سے شکایت کی، اس وقت یہ آیت اتری۔ (ایضاً)

ام المؤمنین حضرت صفیہ بنت حییؓ نے آپ ﷺ سے شکوہ کیا کہ عورتیں مجھے عار دلاتی ہیں، اور مجھے یہودی کہتی ہیں اور یہودی زادی بھی کہتی ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

هَلَّا قُلْتِ إِنَّ أَبِي هَارُوْنُ، وَ إِنَّ عَمِّي مُوْسَىٰ، وَإِنَّ زَوْجِي مُحَمَّدٌ.

تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ میرے باپ ہارون ہیں، میرے چچا موسیٰ ہیں اور میرے شوہر حضرت محمد ہیں، اور یہ سب نبی ہیں۔

اس موقع پر یہ آیت اتری۔ (تفسیر القرطبی:۱۶/۳۱۰، غذاء الألباب للسفارینی:۱/۱۳۱)

آپ ﷺ کی ازواج مطہرات میں دو خواتین نے حضرت ام سلمہؓ سے مذاق کیا، حضرت ام سلمہؓ نے اپنی کمر پر ایک سفید کپڑا اس طرح باندھ رکھا تھا کہ اس کے کنارے نیچے کو لٹک

رہے تھے، اور کپڑا گھسٹ رہا تھا، مذاق کرنے والیوں نے کہہ دیا کہ اس طرح لگ رہا ہے جیسے کتے کی زبان لٹک رہی ہوتی ہے، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (القرطبی:۱۶/۳۱۰)

یہ متعدد واقعات ہیں جو اس آیت کے نزول کا پس منظر ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ دوسرے کا مذاق اڑانا، اس کی تذلیل وتحقیر بھی ہے، اسے اذیت پہونچانا اور نفسیاتی طور پر صدمہ دینا بھی ہے، اور دوسروں کے سامنے اس کی تضحیک بھی ہے، اس سے نزاعات جنم لیتے ہیں، نفرت بڑھتی ہے، عداوت کی تخم ریزی ہوتی ہے، محبت والفت کے جذبات سرد پڑتے ہیں، اجتماعیت کو بڑا نقصان پہونچتا ہے اور فاصلے زیادہ ہوتے جاتے ہیں، اس لئے اسے بدترین جرم بتایا گیا ہے، اور سختی سے روکا گیا ہے، ایک حدیث میں وارد ہوا ہے:

إِنَّ الْـمُسْتَهْـزِئِيْنَ بِالنَّاسِ يُفْتَحُ لِأَحَدِهِمْ فِيْ الآخِرَةِ بَابٌ مِنَ الْـجَنَّةِ، فَيُـقَـالُ لَـهُ، هَـلُمَّ، فَيَجِيْءُ بِكَرْبِهِ وَ غَمِّهِ، فَإِذَا جَاءَ أُغْلِقَ دُوْنَهُ، ثُمَّ يُفْتَحُ لَهُ بَابٌ آخَرُ، فَيُقَالُ لَهُ، هَلُمَّ هَلُمَّ، فَيَجِيْءُ بِكَرْبِهِ وَ غَمِّهِ ، فَإِذَا جَاءَ هُ أُغْلِقَ دُوْنَهُ، فَمَا يَزَالُ كَذَالِكَ حَتّٰى إِنَّ أَحَدَهُمْ لَيُفْتَحُ لَـهُ الْبَـابُ مِـنْ أَبْـوَابِ الْجَنَّةِ، فَيُقَالُ لَهُ هَلُمَّ، فَمَا يَأْتِيْهِ مِنَ الْإِيَاسِ. (الترغيب و الترهيب:الترهيب من احتقار المسلم:۳/۶۱۱-۶۱۲)

لوگوں کو مذاق کا نشانہ بنانے والے کے ساتھ قیامت میں یہ معاملہ ہوگا کہ اس کے لئے جنت کا ایک دروازہ کھولا جائے گا اور آواز دی جائے گی: آؤ، وہ اپنے رنج وغم کے ساتھ آئے گا، قریب پہونچے گا تو دروازہ بند کردیا جائے گا، پھر جنت کا دوسرا دروازہ کھولا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا: آؤ، پھر وہ آئے گا، قریب پہونچے گا تو وہ دروازہ بھی بند کردیا جائے گا، اسی طرح ہوتا رہے گا، آخر میں پھر اس کے لئے جنت کا ایک دروازہ کھولا جائے گا اور اسے بلایا جائے گا، مگر وہ مایوسی کی وجہ سے نہیں آئے گا، ایسا سزا کے طور پر ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تو یہاں تک فرماتے تھے:

لَوْ سَخِرْتُ مِنْ كَلْبٍ لَخَشِيْتُ أَنْ اُحَوَّلَ كَلْباً. (القرطبی:۱۶/ ۳۱۰)

اگر میں کسی کتے سے بھی مذاق کروں تو خطرہ ہے کہ کتا نہ بنا دیا جاؤں۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

مَنْ لَقَّبَ أَخَاهُ أَوْ سَخِرَ مِنْهُ فَهُوَ فَاسِقٌ. (الجامع لاحکام القرآن:۱۶/ ۳۲۸)

جو اپنے بھائی کا برا لقب نکالے یا اس سے مذاق کرے وہ فاسق ہے۔

علامہ سفارینیؒ کے بقول:

إِنَّ كُلَّ مَنِ افْتَخَرَ عَلَى إِخْوَانِهِ وَ احْتَقَرَ أَحداً مِنْ أَقْرَانِهِ وَ أَخْدَانِهِ أَوْ سَخِرَ أَوِ اسْتَهْزَأَ بِأَحَدٍ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَقَدْ بَاءَ بِالْإِثْمِ وَالْوِزْرِ الْمُبِيْنِ. (غذاء الالباب:۱۳۴)

بلاشبہ ہر وہ شخص جو اپنے بھائیوں پر فخر کرے اور اپنے ہم عصروں اور دوستوں میں سے کسی کو حقیر سمجھے یا کسی صاحب ایمان کے ساتھ تمسخر کرے یا مذاق اڑائے وہ بہت سنگین اور کھلا ہوا گناہ کرنے والا مجرم ہوتا ہے۔

علامہ ابن حجر ہیثمیؒ فرماتے ہیں:

لا تَحْتَقِرْ غَيْرَكَ عَسٰى أَنْ يَكُوْنَ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْراً مِنْكَ وَأَفْضَلَ وَأَقْرَبَ. (الزواجر:۲/ ۸)

دوسرے کو ہرگز حقیر مت سمجھو، ممکن ہے کہ وہ اللہ کی نگاہ میں تم سے کہیں زیادہ بہتر، افضل اور مقرب ہو۔

مذکور ہے کہ: ”ہارون رشید کے پاس ایک مرتبہ امام کسائی اور یزید اکٹھے تھے، جب مغرب کی نماز کا وقت ہوا تو انہوں نے جماعت کروانے کے لئے امام کسائی کو آگے بڑھا دیا، امام کسائی اپنے دور کے مشہور سات قرائتوں کے قاری تھے، نماز شروع کی تو نہ جانے کیسے ان پر

رعب طاری ہوگیا، سورۃ الکافرون کی تلاوت شروع کی تو اس میں بھول گئے یا اعراب کی غلطی ہوگئی، سلام پھیرا تو یزید کہنے لگے: تعجب ہے کہ اہل کوفہ کے سب سے بڑے قاری اور امام سے سورۃ الکافرون میں غلطی ہوگئی ہے اور وہ یہ سورت صحیح نہیں پڑھ سکے، تھوڑی دیر گذری، مؤذن نے عشاء کے لئے اذان کہی اور اب یزید امامت کروانے کے لئے کھڑے ہوئے، ان پر دوران نماز نہ جانے کیوں ہیبت طاری ہوگئی اور سورۃ الفاتحہ میں غلطی کر بیٹھے، بھول بھی گئے اور اعراب میں بھی غلطی ہوگئی، جب سلام پھیرا تو امام کسائی نے برجستہ کہا:

إِحْفَظْ لِسَانَکَ لَا تَقُوْلُ فَتُبْتَلَى، إِنَّ الْبَلاءَ مُوَكَّلٌ بِالنُّطْقِ.

اپنی زبان کی حفاظت کرو، اوراس سے ایسی بات نہ نکالو کہ آزمائش میں ڈال دیئے جاؤ، انسان کی آزمائش اس کی گفتگو سے وابستہ ہے"۔ (سنہرے فیصلے:۲۸۱)

تمسخر اور استہزاء کے نمایاں نقصانات یہ ہیں:

(۱) باہمی خوشگوار تعلقات کی تلخی۔

(۲) عداوت اور بغض کی آبیاری۔

(۳) جذبۂ انتقام کی پرورش۔

(۴) دوسرے کی تحقیر و تذلیل۔

(۵) اللہ کے غضب وعذاب کو دعوت۔

(۶) روز قیامت نیکیوں کی بربادی۔

(۷) اہل کفر و نفاق کے ساتھ مشابہت۔

○❖○

(۲) طعنہ زنی

دوسری معاشرتی اور مجلسی برائی "لمز" (طعنہ دینا) ہے، اس سے مراد کسی میں عیب نکالنا، عیب ظاہر کرنا، عیب پر طعنہ زنی کرنا، عیب کا ذکر کر کے شرمندہ کرنا ہے، طعن و تشنیع کی تمام صورتیں (طنز کرنا، تبصرہ کرنا، براہ راست حملہ کرنے کے بجائے لپیٹ کر کوئی بری بات کہہ دینا، فقرے اور پھبتیاں کسنا، چوٹیں کرنا، الزام دھرنا، اعتراض جڑنا، کھلم کھلا یا زیر لب اشاروں سے ملامت کا نشانہ بنانا، کسی خاندان، علاقے یا پیشے کو حقیر سمجھا جاتا ہو، اس کا ذکر کر دینا وغیرہ) اس میں شامل ہیں۔

یہ سارے کام باہمی تعلقات میں تلخیوں کا زہر گھول دیتے ہیں، اور محبت کے مقدس رشتے میں دراڑیں ڈال دیتے ہیں، اس لئے ان سے صریح الفاظ میں منع کیا گیا ہے۔

احادیث میں واضح طور پر مسلمان کی شناخت یہ بتائی گئی ہے کہ اس کی زبان درازی سے سب لوگ محفوظ رہیں، اور وہ اپنے دیگر اعضاء کی طرح اپنی زبان سے کبھی کسی کو اذیت نہ پہونچائے۔ (بخاری: الایمان: باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ)

قرآن مجید میں تمام اہل ایمان کو تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی تدبیر کے طور پر "قول سدید" (زبان سے ہمیشہ درست بات کہنے) کی تاکید کی گئی ہے۔ (الاحزاب: ۷۰)

طعن و تشنیع کا زخم بہت کاری ہوتا ہے اور بآسانی مندمل نہیں ہوتا، اور اس کے نتیجے میں تعلقات تلخ ہو جاتے ہیں، اور پھر انہیں آسانی سے خوشگوار نہیں بنایا جا سکتا، عربی شاعر نے بجا کہا ہے ؎

جِـرَاحَـاتُ السِّـنَـانِ لَهَـا الْتِيَـامُ
وَ لاَ يَـلْـتَـامُ مَـا جَـرَحَ الـلِّـسَـانُ

نیزوں کا زخم بھر جاتا ہے، مگر زبان کا زخم نہیں بھرتا۔

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم نے لکھا ہے:

''ایک شخص نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ کی کسی کتاب کے جواب میں ایک مقالہ لکھا، اور اس مقالے میں حضرت شیخ الہندؒ پر کفر کا فتویٰ لگادیا، العیاذ باللہ، حضرت والا کے ایک مخلص معتقد تھے، انہوں نے اس کے جواب میں فارسی میں دو شعر کہے، وہ اشعار ادبی اعتبار سے آج کے طنز کے مذاق کے لحاظ سے بہت اعلیٰ درجے کے اشعار تھے، وہ اشعار یہ تھے:

مرا کافر اگر گفتی غمے نیست
چراغ کذب را نبود فروغے
مسلمانت بخوانم در جوابش
دروغے را جزا باشد دروغے

یعنی مجھے اگر تم نے کافر کہا ہے تو مجھے کوئی غم نہیں ہے، کیونکہ جھوٹ کا چراغ کبھی جلا نہیں کرتا، تم نے مجھے کافر کہا، میں اس کے جواب میں تمہیں مسلمان کہتا ہوں، اس لئے کہ جھوٹ کا بدلہ جھوٹ ہی ہوسکتا ہے، یعنی تم نے مجھے کافر کہہ کر جھوٹ بولا، اس کے جواب میں میں تمہیں مسلمان کہہ کر جھوٹ بول رہا ہوں، مطلب یہ ہے کہ درحقیقت تم مسلمان نہیں ہو، اگر یہ جواب کسی ادیب اور ذوق رکھنے والے شاعر کو سنایا جائے تو وہ اس پر خوب داد دے گا، اور اس کو پسند کریگا، اس لئے کہ چبھتا ہوا جواب ہے، اس لئے کہ دوسرے شعر کے پہلے مصرعے میں یہ کہہ دیا کہ میں تمہیں مسلمان کہتا ہوں، لیکن دوسرے مصرعے میں اس بات کو بالکل الٹ دیا، یعنی جھوٹ کا بدلہ تو جھوٹ ہی ہوتا ہے، تم نے مجھے کافر کہہ کر جھوٹ بولا، میں تمہیں مسلمان کہہ کر جھوٹ بولتا ہوں،

بہر حال یہ اشعار لکھ کر حضرت کے جو معتقد تھے وہ حضرت والا کی خدمت میں لائے، حضرت شیخ الہندؒ نے جب یہ اشعار سنے تو فرمایا کہ تم نے اشعار تو بہت غضب کے کہے اور بڑا اچبھتا ہوا جواب دے دیا، لیکن میاں تم نے لپیٹ کر اس کو کافر کہہ تو دیا، اور ہمارا یہ طریقہ نہیں ہے کہ دوسروں کو کافر کہیں، چنانچہ وہ اشعار نہیں بھیجے۔

پھر حضرت والا نے خود ان اشعار کی اصلاح فرمائی، اور ایک شعر کا اضافہ فرمایا، چنانچہ فرمایا:

مرا کافر اگر گفتی غمے نیست
چراغ کذب را نبود فروغے
مسلمانت بخوانم در جوابش
دھم شکر بجائے تلخ دوغے
اگر تو مؤمنی فبہا والا
دروغے را جزا باشد دروغے

یعنی اگر تم نے مجھے کافر کہا ہے تو مجھے اس کا کوئی غم نہیں ہے، اس لئے کہ جھوٹ کا چراغ جلا نہیں کرتا، میں اس کے جواب میں تمہیں مسلمان کہتا ہوں، اور کڑوی دوا کے مقابلے میں تمہیں شکر کھلاتا ہوں، اگر تم مؤمن ہو تو بہت اچھا ہے، اور اگر نہیں ہو تو پھر جھوٹ کی جزا جھوٹ ہی ہوتی ہے۔

اب دیکھئے، وہ مخالف جو آپ پر کفر کا فتویٰ لگا رہا ہے، جہنمی ہونے کا فتویٰ لگا رہا ہے، اس کے خلاف بھی طنز کا ایسا فقرہ کہنا پسند بھی نہیں فرمایا جو حدود سے نکلا ہوا تھا، اس لئے کہ یہ طنز تو یہاں دنیا میں رہ جائے گا، لیکن جو لفظ زبان سے نکل رہا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ریکارڈ ہو رہا ہے، قیامت کے روز اس کے بارے میں جواب دینا ہوگا کہ فلاں کے حق میں یہ لفظ کس طرح استعمال کیا تھا؟ لہٰذا طنز کا یہ طریقہ جو حدود سے نکل جائے، کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں، لہٰذا جب کسی سے کوئی بات کہنی ہو تو صاف اور سیدھی بات کہہ دینی چاہیے، لپیٹ کر بات نہیں کہنی چاہیے۔

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ بعض لوگوں کے زبان میں ڈنک ہوتا ہے، چنانچہ ایسے لوگ جب بھی کسی سے بات کریں گے، ڈنک ماریں گے، اور طعنہ اور طنز کی بات کریں گے یا کسی پر اعتراض کی بات کریں گے، حالانکہ اس انداز سے بات کرنے سے دل میں گرہیں پڑ جاتی ہیں، پھر ایک قصہ سنایا کہ ایک صاحب کسی عزیز کے گھر میں گئے تو دیکھا ان کی بہو بہت غصے میں ہے، اور زبان سے اپنی ساس کو برا بھلا کہہ رہی تھی، اور ساس بھی پاس بیٹھی ہوئی تھی، ان صاحب نے اس کی ساس سے پوچھا کیا بات ہوگئی؟ اتنا غصہ اس کو کیوں آرہا ہے؟ جواب میں ساس نے کہا: بات کچھ بھی نہیں تھی، میں نے صرف دو بول بولے تھے، اس کی خطا میں پکڑی گئی، اور اس کے نتیجے میں یہ ناچی ناچی پھر رہی ہے، اور غصہ کر رہی ہے، ان صاحب نے پوچھا کہ وہ دو بول کیا تھے، ساس نے کہا کہ میں نے تو صرف یہ کہا تھا کہ باپ تیرا غلام اور ماں تیری لونڈی، بس اس کے بعد سے یہ ناچی ناچی پھر رہی ہے۔

اب دیکھئے: وہ صرف دو بول تھے، لیکن ایسے دو بول تھے جو انسان کے اندر آگ لگانے والے تھے، لہذا طعنہ کا انداز گھروں کو برباد کرنے والا ہے، دلوں میں بغض اور نفرتیں پیدا کرنے والا ہے، اس سے بچنا چاہئے''۔ (اسلام اور ہماری زندگی: ۴/۱۷۴-۱۷۶)

عربی شاعر نے کہا ہے:

لَاتَکْشِفَنَّ مَسَاوِیَ النَّاسِ مَاسَتَرُوْا
فَیَهْتِکَ اللّٰہُ سِتْراً عَنْ مَسَاوِیْکَا
وَاذْکُرْ مَحَاسِنَ مَا فِیْهِمْ إِذَا ذُکِرُوْا
وَ لَا تَعِبْ أَحَداً مِنْهُمْ بِمَا فِیْکَا

تم ہرگز لوگوں کے وہ عیب نہ کھولو جنہیں وہ چھپائے رکھیں، ورنہ اللہ تمہارے عیب کھول دے گا، جب بھی دوسروں کا تذکرہ ہو، ان کی خوبیاں بیان کیا کرو، اور دوسروں کے لئے وہ عیب مت بیان کرو جو تم میں بھی ہو۔

سورۃ الحجرات کی اس آیت کو دیکھا جائے کہ یہاں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں، وہ ''**لایَلْمِزُ بَعْضُکُمْ بَعْضاً**'' (ایک دوسرے کو طعنہ مت دو) نہیں ہیں، بلکہ فرمایا جارہا ہے: ''**لَا تَلْمِزُوْا أَنْفُسَکُمْ**'' (اپنے آپ کو طعنہ مت دو) اس انداز واسلوب سے دراصل یہ بتانا مقصود ہے کہ دوسروں پر زبان طعن دراز کرنا دراصل خود اپنے آپ کو مطعون کرنا ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب آدمی دوسرے کو طعنہ دیتا ہے تو دوسرا جوابی اقدام کرتے ہوئے اسے طعنہ دیتا ہے، اس طرح دوسرے کو طعنہ دینا گویا اپنے آپ کو طعنہ دینا ہوتا ہے، ایک مفسر کے بقول:

''تم جو دوسروں کے عیب نکالو اور طعنہ دو تو یاد رکھو کہ عیب سے کوئی انسان عادۃً خالی نہیں ہوتا، تم اس کے عیب نکالو گے، وہ تمہارے عیب نکالے گا، جیسا کہ بعض علماء نے فرمایا کہ ''**وَفِیْکَ عُیُوبٌ وَ لِلنَّاسِ اَعْیُنٌ**''، یعنی تم میں بھی کچھ عیوب ہیں اور لوگوں کی آنکھیں ہیں جو ان کو دیکھتی ہیں، تو تم کسی کے عیب نکالو گے اور طعنہ زنی کرو گے تو وہ تم پر یہی عمل کریں گے، اور بالفرض اگر اس نے صبر بھی کیا تو بات وہی ہے کہ اپنے ایک بھائی کی بدنامی اور تذلیل پر غور کریں تو اپنی ہی تذلیل وتحقیر ہے۔

علماء نے فرمایا ہے کہ انسان کی سعادت اور خوش نصیبی اس میں ہے کہ اپنے عیوب پر نظر رکھے، ان کی اصلاح کی فکر میں لگا رہے، اور جو ایسا کرے گا اس کو دوسروں کے عیب نکالنے اور بیان کرنے کی فرصت ہی نہ ملے گی، ہندوستان کے آخری مسلمان بادشاہ ظفر نے خوب فرمایا ہے:

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر
رہے دیکھتے لوگوں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر
تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا''

(معارف القرآن: ۸/ ۱۱۷)

حضرت عثمان غنیؓ کا قول ہے:

لِكُلِّ أُمَّةٍ آفَةٌ، وَإِنَّ آفَةَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ عَيَّابُوْنَ طَعَّانُوْنَ. (البيان والتبيين: ۱/۳۷۷)

ہر امت کے لئے ایک خاص آفت ہوتی ہے، اس امت کی خاص آفت بکثرت عیب چینی اور طعنہ زنی کرنے والے لوگ ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے ملفوظات میں ہے کہ: ’’حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وصیت فرمائی تھی کہ کسی گناہ گار کو اس کے گناہ پر نہ طعنہ دو اور نہ عار دلاؤ، اور نہ حقیر سمجھو۔ (کشکول: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ: ۹۸)

حضرت مکحولؒ نے یہ ارشاد نبوی نقل کیا ہے:

لَا تَكُوْنُوْا عَيَّابِيْنَ وَلَا طَعَّانِيْنَ. (كنز العمال: ١٦/٣٦: ٤٣٩٨٧)

تم لوگ نہ تو عیب لگانے والے بنو، نہ طعنہ زنی کرنے والے۔

(۳) برے القاب سے پکارنا

تیسرا معاشرتی اور مجلسی گناہ جس سے روکا جارہا ہے، دوسروں کو برے القاب سے پکارنا ہے، دوسرے کا تحقیر آمیز نام رکھنا، چڑانے والے برے القاب سے بلانا، غلط نسبت سے آواز دینا، یہ سب بدترین گناہ ہیں۔

قرآن تمام اہل ایمان کو پابند کرتا ہے کہ دوسروں کو کبھی ایسے ناموں اور القاب سے نہ پکارا جائے جو انہیں ناگوار ہوں، اور جن سے ان کی تحقیر اور تنقیص ہوتی ہو، مثلاً کسی کو منافق یا فاسق یا لنگڑا یا اندھا کہا جائے یا کسی کو اس کے ذاتی یا والدین یا خاندان کے کسی نقص اور عیب سے موسوم کیا جائے، یا کسی نومسلم کو اس کے سابق مذہب کی طرف منسوب کیا جائے، یا کسی شخص، جماعت، خاندان اور گروہ کا مذمت وتذلیل آمیز نام رکھ دیا جائے، سب ممنوع ہے۔

حضرت ابوجبیرہ انصاری کا بیان ہے کہ جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ہم میں اکثر لوگوں کے دو یا تین نام مشہور ہوتے تھے، ان میں کچھ نام ایسے بھی تھے، جو لوگوں نے عار دلانے اور تحقیر کے لئے مشہور کردیئے تھے، لاعلمی کی وجہ سے کبھی آپ ﷺ بھی اسے اسی نام سے پکار لیتے تھے، پھر آپ ﷺ کو بتایا جاتا تھا کہ یہ نام دوسروں نے تحقیر کے لئے رکھے ہیں، جس کو یہ نام دیا گیا ہے، وہ اس سے ناراض ہوتا ہے، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر قرطبی:۱۶/۳۱۲)

کسی شخص نے کوئی گناہ اور برائی کی پھر تائب ہوگیا، اس کے بعد اسے اسی برے عمل کی طرف موسوم کیا جائے، مثلاً زنا سے توبہ کرچکے شخص کو ''زانی'' کہا جائے اور عار دلائی جائے، یہ بھی حرام ہے اور اس آیت کے ذیل میں داخل ہے، ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہے:

مَنْ عَيَّرَ مُؤْمِنًا بِذَنْبٍ تَابَ مِنْهُ، كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يَبْتَلِيَهُ بِهِ وَيَفْضَحَهُ فِيْهِ فِيْ الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ. (ایضاً:۳۱۳ بحوالہ ترمذی)

جو شخص کسی مسلمان کو ایسے گناہ پر عار دلائے جس سے اس نے توبہ کر لی ہے، تو اللہ نے اپنے ذمے لے لیا ہے کہ اس کو اسی گناہ میں مبتلا کر کے دنیا و آخرت میں رسوا کرے گا۔

مولانا اصلاحی لکھتے ہیں:

''اچھے القاب سے ملقب کرنا جس طرح کسی فرد یا قوم کی عزت افزائی ہے، اسی طرح برے القاب کسی پر چسپاں کرنا اس کی انتہائی توہین و تذلیل ہے، ہجویہ القاب لوگوں کی زبانوں پر آسانی سے چڑھ جاتے ہیں اور ان کا اثر نہایت دور رس اور نہایت پائدار ہوتا ہے، ان کی پیدا کی ہوئی تلخیاں پشت ہا پشت تک باقی رہتی ہیں اور اگر معاشرے میں یہ ذوق اتنا ترقی کر جائے کہ ہر گروہ کے شاعر، ادیب، ایڈیٹر اور لیڈر اپنی ذہانت اپنے حریفوں کے لئے برے القاب ایجاد کرنے میں لگا دیں تو پھر اس قوم کی خیر نہیں ہے، اس کی وحدت لازماً پارہ پارہ ہو کے رہتی ہے، یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ دور جاہلیت میں عربوں کے اندر یہ ذوق بدرجہ کمال ترقی پر تھا، قبیلہ کا سب سے بڑا شاعر اور خطیب وہی مانا جاتا جو دوسرے کے مقابل میں اپنے قبیلہ کے مفاخر بیان کرنے اور حریفوں کی ہجو و تحقیر میں یکتا ہو، ان کے ہجویہ اشعار پڑھیئے تو کچھ اندازہ ہوگا کہ اس فن شریف میں انہوں نے کتنا نمایاں مقام حاصل کر لیا تھا، ان کی اس چیز نے ان کو کبھی ایک قوم بننے نہیں دیا، وہ برابر اپنوں ہی کو گرانے اور پچھاڑنے میں لگے رہے، تاریخ میں پہلی مرتبہ اسلام نے ان کو انسانی وحدت اور ایمانی ہم آہنگی سے آشنا کیا جس کی بدولت وہ دنیا کی ہدایت و قیادت کے اہل بنے، قرآن نے یہاں ان کو دور جاہلیت کے انہیں فتنوں سے آگاہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایمان و اسلام کی برکات سے نوازا ہے تو اس کی قدر کرو، شیطان کے ورغلانے سے پھر انہی لاف زنیوں اور خاک بازیوں میں نہ مبتلا ہو جانا جن سے اللہ نے تمہیں بچایا ہے''۔ (تدبر قرآن: ۷/ ۵۰۷-۵۰۸)

روایات میں آتا ہے کہ حضرت ابو ذر غفاریؓ نے حضرت بلالؓ کو یا کسی اور خادم وغلام کو "یَـاابْنَ السَّوْدَاءِ" (اے کالی عورت کے بیٹے) کہہ کر پکارا تھا، آپ ﷺ نے ان کو سخت تنبیہ فرمائی اور ارشاد ہوا:

إِنَّکَ امْرُؤٌ فِیْکَ جَاهِلِیَّةٌ. (بخاری: الایمان: باب المعاصی من أمر الجاهلیة)

بلاشبہ تم ایسے آدمی ہو کہ تم میں ابھی بھی جاہلانہ نخوت کی بو آتی ہے۔

حضرت ابو ذرؓ نے خوب توبہ کی، معافی چاہی اور زمین پر رخسار رکھ کر لیٹ گئے اور ان صاحب سے کہا: اپنا پیر میرے رخسار پر رکھ کر معاف کرو تب مجھے تسلی ہوگی، اور جب ایسا کیا گیا تب انہیں قرار آیا۔

البتہ یہ صراحت حدیث وفقہ کی کتابوں میں ملتی ہے کہ اگر کسی کی شہرت عیب ظاہر کرنے والے نام سے ہی ہو اور اس کو برا بھی نہ سمجھتا ہو تو اسے اس نام سے پکارنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

اس آیت میں استہزاء، طعنہ زنی اور برے نام سے پکارنا، تینوں کا ذکر آیا ہے، یہ وہ گناہ ہیں جو دوسروں کے سامنے ہوتے ہیں، جس کو نشانۂ مذاق بنایا جاتا ہے وہ بھی روبرو ہوتا ہے، جسے طعنہ دیا جاتا ہے وہ بھی سامنے ہوتا ہے، اور جسے برے نام سے پکارا جاتا ہے وہ بھی موجود ہوتا ہے، ان تینوں گناہوں سے منع فرمانے کے بعد دو جملے ارشاد فرمائے گئے ہیں:

(۱) **بِئْسَ الاِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِیْمَانِ.**

ایمان کے بعد گناہ کا نام لگنا اور برا نام رکھنا ہی گناہ و بدتر ہے۔

(۲) **وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَأُولَئِکَ هُمُ الظَّالِمُونَ.**

جو توبہ نہ کریں، وہی ظلم کرنے والے ہیں۔

بتایا گیا ہے کہ ایک مؤمن کے لئے انتہائی شرمناک بات ہے کہ وہ مؤمن ہونے کے

باوجود بدزبانی کرے، فسق کا ارتکاب کرے، دوسروں کو اذیت پہونچائے، ایک کافر یہ حرکت کرے تو اس کے کفر کے ساتھ اس حرکت کا جوڑ ہوسکتا ہے، مگر مؤمن کے لئے تو ایسی حرکت کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

پھر دھمکایا بھی گیا ہے کہ جو لوگ اپنی غلط روش سے باز نہیں آئیں گے اور توبہ نہیں کریں گے، انہیں ظالم شمار کیا جائے گا، اور انہیں اپنے جرم کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

اگلی آیت میں مزید تین گناہوں کا ذکر ہوا ہے اور یہ وہ گناہ ہیں جن کا ارتکاب پیٹھ پیچھے اخفاء کے ساتھ ہوتا ہے۔

(۴) بدگمانی

شناعت وقباحت

دوسروں کے بارے میں برے گمان رکھنا بدترین جرم ہے اور اس کے نتیجے میں نفرت و عداوت کی خوب تخم ریزی ہوتی ہے، یہ دل کا گناہ ہے اور یہ زبان سے بولے جانے والے جھوٹ سے کم درجہ کا گناہ نہیں ہے، یہ مرض جس بدنصیب میں پیدا ہو جاتا ہے پھر وہ ہر شخص کے بارے میں جھوٹے وہم، بدنیتی اور برے وساوس کا شکار رہتا ہے، بہت سے نہ ہونے والے امور کی نسبت دوسروں کی طرف کرنے لگتا ہے اور فطری طور پر اس کا اثر ظاہری سلوک پر پڑتا ہے، فریق ثانی کی طرف سے ردعمل ہوتا ہے، جس کے نتیجہ میں باہمی تعلقات بالکل بگڑ جاتے ہیں اور دل کینہ اور بغض سے بھر جاتے ہیں، قرآن کریم میں وارد ہوا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيْراً مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ.

(الحجرات:۱۲)

اے مؤمنو! بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔

مطلقاً گمان کرنے سے نہیں روکا گیا ہے، گمان کی ایک قسم خوش گمانی اور نیک گمانی ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ. (مسند احمد)

نیک گمانی بہترین عبادت ہے۔

لیکن جس گمان کو گناہ قرار دیا جارہا ہے وہ یہ کہ انسان بلاسبب کسی سے بدگمانی کرے، یا دوسروں کے بارے میں رائے قائم کرنے میں ہمیشہ بدگمانی سے ہی آغاز کرے یا ایسے افراد کے متعلق بدگمانی کرے جن کا ظاہر حال ان کی نیکی اور شرافت پر دلالت کررہا ہو، ایسے ہی یہ بھی جرم ہے کہ کسی کے قول یا عمل میں خیر وشر دونوں کا احتمال ہو اور انسان بدگمانی سے کام لے کر اسے شر ہی پر محمول کرے، مثال کے طور پر کوئی بھلا آدمی کسی مجلس سے اٹھتے وقت کسی اور کا چپل ہاتھ میں لے لے، اور دوسرا آدمی یہ رائے قائم کرے کہ اس نے چپل چرانے کی ہی نیت سے یہ عمل کیا ہے، جب کہ ایسا بھول سے بھی ممکن ہے، اس لئے ایسی صورت میں اس عمل کو خیر پر محمول نہ کرکے اور اسے اس کی بھول نہ سمجھ کر شر اور چوری کے ارادہ پر محمول کرنا بدگمانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

یہاں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ گمان کی ایک قسم ایسی ہے جو بدگمانی ہی ہے مگر ذرا جائز نوع کی ہے اور وہ گناہ نہیں، مثال کے طور پر کسی انسان یا جماعت کی سیرت وکردار یا معاملات میں ایسی واضح علامتیں موجود ہوں جن کی وجہ سے وہ ہرگز خوش گمانی کے قابل نہ ہو بلکہ اس سے سوءِظن کے معقول اسباب موجود ہوں، ایسے موقعہ پر شریعت کا مطالبہ یہ نہیں ہے کہ انسان اس سے حسن ظن ہی رکھے لیکن اس جائز بدگمانی کی آخری حد یہ ہے کہ اس کے امکانی شر سے بچاؤ کے لئے صرف احتیاط پر اکتفا ہو اور اس سے آگے بڑھ کر صرف گمان کی بنیادوں پر اس کے خلاف کوئی کارروائی یا پروپیگنڈہ کرنا صحیح نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ انسان اپنے گمان کو بالکل آزاد اور مطلق العنان نہ بنائے، جہاں تک دل میں آنے والے وساوس کا مسئلہ ہے تو وہ معاف ہیں، بعض علماء نے تحریر فرمایا ہے کہ بدگمانی اس وقت گنہ گار کرتی ہے جب اس کا ذکر زبان سے کیا جائے، اگر محض خیال کے طور پر دل میں گذر رہو تو اس پر گناہ نہیں ہے۔

بدگمانی میں انسان کسی دوسرے کے بارے میں یہ فیصلہ کرلیتا ہے کہ وہ ایسا ہے، پھر چونکہ درحقیقت وہ شخص ویسا نہیں ہوتا اس لئے یہ فیصلہ جھوٹ ہی قرار پائے گا، بدگمانی کو جھوٹی بات اس لئے کہا گیا ہے کہ بدگمانی پر گناہ اس کے زبان سے ذکر کے بعد ہوتا ہے، اور یہ باتیں شیطان کی طرف سے انسان کے نفس میں ڈالی جاتی ہیں۔

اسلام کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ:

”انسان اپنے دل کو دوسروں سے متعلق بدگمانیوں کی پرورش گاہ نہ بنالے کہ جس کی نسبت جو برا گمان بھی دل میں پیدا ہوجائے اس کو کسی گوشے میں محفوظ کرلے، انسان کو جن سے زندگی میں واسطہ پڑتا ہے ان کی بابت کوئی اچھا یا برا گمان دل میں پیدا ہونا ایک امر فطری ہے، یہی گمان آدمی کو آدمی سے جوڑتا یا توڑتا ہے، اس پہلو سے معاشرے میں یہ وصل وفصل کی بنیاد ہے، اس کی اس اہمیت کا تقاضا ہے کہ آدمی اس کے ردوقبول کے معاملے میں بھی بے پرواو سہل انگار نہ ہو بلکہ نہایت ہوشیار اور بیدار مغز رہے، اہل ایمان کو اسلام نے اس باب میں یہ رہنمائی دی ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے بارے میں ہمیشہ نیک گمان رکھے اِلاّ آنکہ یہ ثابت ہوجائے کہ وہ اس نیک گمان کا سزاوار نہیں ہے، یہ نیک گمانی اس ایمانی اخوت کا لازمی تقاضا ہے جس پر اسلام نے معاشرے کی بنیاد رکھی ہے، اگر کوئی شخص اس کے برعکس یہ اصول ٹھہرالے کہ جو رطب ویابس گمان اس کے دل میں پیدا ہوتے جائیں ان سب کو سینت کے رکھتا جائے تو گمانوں کے ایسے شوقین کی مثال اس شکاری کی ہے جو مچھلیاں پکڑنے کے شوق میں ایسا اندھا ہوجائے کہ مچھلیاں پکڑتے پکڑتے سانپ بھی پکڑلے، ظاہر ہے کہ مچھلیوں کے شوق میں جو شخص ایسا اندھا بن جائے گا اندیشہ ہے کہ اسی شوق میں کسی دن وہ اپنی زندگی ہی گنوا بیٹھے گا، قرآن نے یہاں اسی خطرے سے مسلمانوں کو روکا ہے کہ گمانوں کے زیادہ درپے نہ ہو کیونکہ بعض گمان صریح گناہ ہوتے ہیں جو انسان کو ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں، اس سے یہ تعلیم نکلی کہ ایک مومن کو بدگمانیوں کا مریض نہیں

بن جانا چاہئے بلکہ دوسرے بھائیوں سے حسن ظن رکھنا چاہئے، اگر کسی سے کوئی ایسی بات صادر ہو جو بدگمانی پیدا کرنے والی ہو تو حتی الامکان اس کی اچھی توجیہ کرے، اگر کوئی اچھی توجیہ نکل سکتی ہو، اس کے برے پہلو کو اسی شکل میں اختیار کرنا جائز ہے جب اس کی کوئی اچھی توجیہ نہ نکل سکے، اگر بدگمانی کے سزاوار سے آدمی کو خوش گمانی ہو تو یہ اس بات کے مقابل میں اہون ہے کہ وہ کسی خوش گمانی کے حقدار سے بدگمانی رکھے، حدیث شریف میں مومن کی تعریف یہ آئی ہے کہ ''اَلْمُؤمِنُ غِرٌّ کَرِیْمٌ'' (مومن بھولا بھالا شریف ہوتا ہے)''۔ (تدبر قرآن: ۷/ ۵۰۹)

قرآن میں سورۃ الاسراء میں جامع ترین نظام زندگی کے حوالے سے جو زریں ہدایات دی گئی ہیں، ان میں ایک ہدایت یہ بھی ہے:

وَلا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَکَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰئِکَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُولاً. (الاسراء: ۳۶)

تم کو جس بات کی تحقیق نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑ جایا کرو، یقیناً کان، آنکھ اور دل، ان میں سے ہر ایک کے بارے میں باز پرس ہونی ہے۔

ایک صاحب قلم نے لکھا ہے:

''یہ تیرہواں حکم ہے، جو سماجی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، اکثر انسان آنکھ سے زیادہ کان پر بھروسہ کرنے لگتا ہے اور سنی سنائی بات کو سچ مان کر بدگمانیوں کی پوری عمارت کھڑی کر لیتا ہے، معاشرے میں اختلاف، جھگڑے اور شکوہ وشکایت کی بنیاد زیادہ تر یہی بات بنتی ہے، یہاں اسی بات سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا جب تک تحقیق نہ کر لی جائے اور کوئی بات غالب گمان کے درجہ میں نہ آ جائے، اس وقت تک اس کو قبول نہیں کرنا چاہئے، کیوں کہ قیامت کے دن انسان سے کان، آنکھ، دل یعنی کسی بات کی تحقیق وتفتیش کے جو ذرائع ہیں، ان سب کے بارے میں سوال ہوگا اور وہ خود انسان کے خلاف گواہی دیں گے، قرآن مجید میں دوسرے مواقع پر بھی قیامت میں

مختلف اعضاء جسم کے بولنے اور گواہی دینے کا ذکر آیا ہے"۔ (آسان تفسیر: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی: ۱/۸۲۱)

حدیث پاک میں وارد ہوا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مِنَ الْمُسْلِمِ دَمَهُ وَ عِرْضُهُ وَ أَنْ يُظَنَّ بِهِ ظَنَّ السُّوْءِ. (تفسير القرطبي: ٦/٣١٦)

اللہ نے حرام فرمادیا ہے کہ مسلمان کی جان اور آبرو کو نقصان پہونچایا جائے اور اس کے متعلق بدگمانی رکھی جائے۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے:

ثَلاثٌ لازِمَاتٌ لِأُمَّتِي: الطِّيَرَةُ وَالْحَسَدُ وَ سُوءُ الظَّنِّ.

میری امت کے افراد کے ساتھ حسد، بدگمانی اور بدفالی کی بیماری لگی رہے گی۔

ایک صحابی نے دریافت کیا: یہ بیماری کیسے ختم کی جائے؟ فرمایا:

إِذَا حَسَدْتَ فَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ وَإِذَا ظَنَنْتَ فَلا تَحَقَّقْ، وَإِذَا تَطَيَّرْتَ فَامْضِ.

جب حسد ہو تو اللہ سے معافی مانگو اور بدگمانی ہو تو کبھی اسے حقیقت مت سمجھو (بلکہ غلط سمجھو)، اور بدفالی کا موقع آئے تو اسے نظر انداز کر کے اپنا کام جاری رکھو۔ (تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۴۸۸)

بدگمانی کے خطرناک نقصانات

بدگمانی کے بے شمار نقصانات ہوتے ہیں، ذیل میں چند کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) قرآن نے "اثم" کہہ کر بدگمانی کو خطرناک گناہ قرار دیا ہے۔

(۲)احادیث میں ”أَكْذَبُ الْحَدِيْث“ کہہ کر بدگمانی کو جھوٹ بتایا گیا ہے، جو بدترین جرم ہے، علامہ خطابیؒ کے بقول بدگمانی عام طور پر جھوٹ ہی پر مبنی ہوتی ہے۔ (عمدۃ القاری:۲۳/۲۳۲)

(۳)بدگمانی دل کی غیبت ہے، امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

سُوْءُ الظَّنِّ غِيْبَةٌ بِالْقَلْبِ. (احیاء العلوم: ۲/۱۷۷)

بدگمانی دل کی غیبت ہے۔

(۴)بدگمانی خطرناک قسم کا ظلم ہے، حضرت علی کا فرمان ہے کہ جو آدمی بلاوجہ کسی کے بارے میں برا گمان رکھتا ہے وہ درحقیقت اس پر ظلم کرتا ہے۔ (ربیع الابرار للزمخشری:۳/۲۵۷)

(۵)اللہ کے بارے میں بدگمانی انسان کو شرک، کفر، گمراہی اور بدعت جیسے گناہوں کا شکار بنادیتی ہے۔

(۶)بدگمانی انسان کو اللہ کے غضب اور لعنت کا مستحق بنادیتی ہے۔

(۷)بدگمانی برے اخلاق وعادات کا سرچشمہ ہے، حضرت ابن عباسؓ نے وضاحت فرمائی ہے کہ بزدلی، حرص اور بخل جیسے برے اخلاق بدگمانی کی دین ہوتے ہیں۔ (الآداب الشرعیۃ لابن مفلح:۱/۴۷)

(۸)بدگمانی کا بہت کھلا ہوا نقصان مسلمانوں کی وحدت واجتماعیت کے بکھراؤ، باہمی الفت ومودت کے خاتمہ اور بغض وحسد اور نفرت وعداوت کی آبیاری کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، حضرت مہلب کے بقول:

اَلتَّبَاغُضُ وَالتَّحَاسُدُ أَصْلُهُمَا سُوْءُ الظَّنِّ. (شرح ابن بطال للبخاری: ۹/۲٦۱)

باہمی بغض اور حسد کی اصل بنیاد بدگمانی ہی ہے۔

(۹)بدگمانی بدعملی کا زینہ اور ذریعہ ہے، علامہ طبریؒ نے لکھا ہے کہ جس کا گمان اچھا ہوتا ہے اس کا عمل بھی اچھا ہوتا ہے، اور جس کا گمان برا ہوتا ہے اس کا عمل بھی برا ہوتا ہے، (جامع

البیان:۲۱/۴۵۶) فکر وخیال کی غلطی عمل کی غلطی تک پہونچا دیتی ہے۔

(۱۰) بدگمانی ہی انسان کو تجسس (دوسرے کی ٹوہ میں لگنا اور دوسرے کی کمیوں کی تلاش) کے راستے پر لے جاتی ہے۔

(۱۱) ازدواجی، عائلی، خانگی اور خاندانی زندگی میں زہر گھولنے اور باہمی تعلقات کو تلخ بنا دینے میں بنیادی کردار بدگمانی ہی کا ہوتا ہے، بے شمار مثالیں ایسی ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ زوجین کے باہمی رشتے بدگمانی کی وجہ سے بگڑ گئے اور باہمی قرابتوں میں فاصلے پیدا ہو گئے۔

(۱۲) بدگمانی کا ایک بڑا نقصان باہمی اعتماد کے مجروح ہونے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

(۱۳) بدگمانی انسان کے خبث باطن اور قلبی وروحانی خطرناک روگ کی علامت ہوتی ہے، امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

مَهْمَا رَأَيْتَ إِنْسَانًا يُسِئُى الظَّنَّ بِالنَّاسِ طَالِبًا لِلْعُيُوْبِ فَاعْلَمْ أَنَّهُ خَبِيْثُ الْبَاطِنِ، وَأَنَّ ذٰلِکَ خُبْثُهُ يَتَرَشَّحُ مِنْهُ. (احیاء العلوم:۳/۳۶)

جب بھی تم کسی ایسے انسان کو دیکھو جو لوگوں کے عیوب کی تلاش میں ان سے بدگمانی رکھتا ہے تو جان لو کہ وہ خبث باطن میں مبتلا ہے، اور اس کا خبث اس کے اس طرز عمل سے ٹپک رہا ہے۔

شریعت کی ہدایات

شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ:

ظُنُّوْا بِالْمُؤْمِنِيْنَ خَيْراً. (المعجم الکبیر للطبرانی:۳/۲۳۹)

تمام اہل ایمان کے ساتھ اچھا گمان کرو۔

حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ ایک صحابی رسول نے مجھے تحریر لکھی:

ضَعْ أَمْرَ اَخِيْکَ عَلَى أَحْسَنِهِ مَالَمْ يَأْتِکَ مَا يَغْلِبُکَ، وَ لاَ

تَـظُـنَّ بِـكَلِمَةٍ خَرَجَتْ مِنْ إِمْرِءٍ مُسْلِمٍ شَرًّا، وَأَنْتَ تَجِدُ لَهَا فِيْ الْـخَيْـرِ مَحْمِلاً ، وَ مَنْ عَرَّضَ نَفْسَهُ لِلتُّهَمِ فَلا يَلُوْمَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ، وَ مَـا كَـافَيْـتَ مَـنْ عَصَىٰ اللّٰهَ تَعَالَىٰ فِيْکَ بِمِثْلِ أَنْ تُطِيْعَ اللّٰهَ تَعَالَىٰ فِيْهِ. (صاحب الخلق الراقي:د/ خالد الدسوقی:٤٨، بحواله: المعجم الكبير للطبرانی)

تم اپنے بھائی کے معاملات کو بہتری اور خیر پر محمول کرو، جب تک تمہارے پاس اس کے خلاف ثبوت نہ آجائے، کسی مسلمان کی زبان سے کوئی بات نکلے تو اس کے بارے میں شر کا گمان مت رکھو، جب تک اس کو کسی بھی طرح خیر پر محمول کئے جانے کا امکان ہو، خیر پر ہی محمول کرو، جو اپنے کو تہمتوں کے پیچھے لگاتا ہے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے، جو تمہارے معاملے میں اللہ کی نافرمانی کرے اس کو اس سے بہتر کوئی بدلہ نہیں دیا جاسکتا کہ تم اس کے بارے میں اللہ کی اطاعت کرو۔

سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کا قول ہے:

تم اپنے بھائی سے سنی ہوئی بات کو حتی الامکان کسی خیر ہی پر محمول کرو، شر پر محمول نہ کرو، اہل ایمان کا باہم ایک دوسرے کے لئے اچھا گمان رکھنا مطلوب چیز ہے، مسلمان کو چاہئے کہ ایسے الفاظ جو بہ ظاہر اچھے مطلب کے حامل نہ ہوں انہیں بھی حتی المقدور خیر ہی پر محمول کرے۔ (سیرت عمر فاروق: د/علی محمد صلابی: ترجمہ:۱/۴۲۲-۴۲۳)

حضرت حارث محاسبیؒ فرماتے ہیں:

إِحْمِ الْقَلْبَ عَنْ سُوْءِ الظَّنِّ بِحُسْنِ التَّاوِيْلِ. (رسالة المسترشدين: ۱/۸۹)

بدگمانی سے اپنے دل کو محفوظ رکھو، اور جس کے بارے میں بدگمانی ہوسکتی ہے اس کے طرز عمل کی اچھی تاویل کرلو۔

فقہاء اور علماء نے صراحت کی ہے کہ اگر کسی معاملے میں کسی شخص کے تعلق سے بدگمانی کے بہت سے مواقع ہوں مگر خوش گمانی کا صرف ایک موقعہ ہو تو بدگمانی پر خوش گمانی کو ترجیح دی جائے گی، اور جہاں تک ممکن ہو دوسرے کے اقدام وعمل کی خیر اور درستگی پر مبنی توجیہ کی جائے گی اور اس کی بات کا صحیح محل تلاش کیا جائے گا، علماء سلف کا قول ہے:

يَنبَغِي أَنْ تَسْتَنبِطَ لِزَلَّةِ اَخِيكَ سَبْعِينَ عُذْراً، فَإِنْ لَمْ يَقْبَلْهُ قَلْبُكَ فَقُلْ لِقَلْبِكَ: مَا أَقْسَاكَ: يَعْتَذِرُ إِلَيْكَ اَخُوكَ سَبْعِينَ عُذْراً فَلا تَقْبَلُ عُذْرَهُ، فَأَنْتَ الْمَعْتَبُ لَا هُوَ. (صاحب الخلق الراقي:د/خالد عمر الدسوقی:٤٨)

ہونا تو چاہئے کہ تم اپنے دینی بھائی کی کسی لغزش اور غلطی کا پروپیگنڈہ کرنے کے بجائے اس کے ستر جواز اور تاویلات پیش کرو، اور اسے خیر پر محمول کرنے کی کوشش کرو، اگر تمہارا دل ان تاویلات کو نہ قبول کرے تو اپنے دل کو مخاطب کر کے کہو: تم کتنے سخت اور بے مروت ہو، تمہارا بھائی تمہارے سامنے عذر پیش کر رہا ہے مگر تم قبول نہیں کر رہے ہو، اب تم قصوروار ہو، وہ نہیں ہے۔

دوسروں کے اقوال واعمال میں بدگمانی کے امکانات کو مسترد کر کے خوش گمانی پر محمول کرنے کی وجہ ولی کامل حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھول پوریؒ نے یہ بیان کی ہے کہ:

''بدگمانی پر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مقدمہ دائر فرمائیں گے اور پوچھیں گے کہ بدگمانی کے تمارے پاس کیا دلائل تھے؟ اور نیک گمان پر بلا دلیل انعام عطا فرمائیں گے، احمق ہے وہ شخص جو مفت میں ثواب لینے کے بجائے اپنی گردن پر مقدمات قائم کرنے کے لئے انتظامات کر رہا ہے اور اپنے لئے مصیبتیں تیار کر رہا ہے، نیک گمان کر کے مفت میں ثواب لو اور بدگمانی کر کے دلائل پیش کرنے کے مقدمات میں اپنی جان کو نہ پھنساؤ''۔ (بدگمانی اور اس کا علاج: حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ:۵)

حضرت ابو قلابہؒ فرماتے ہیں:

إِذَا بَلَغَكَ عَنْ أَخِيكَ شَيْءٌ تَكْرَهُهُ فَالْتَمِسْ لَهُ الْعُذْرَ جُهْدَكَ، فَإِنْ لَمْ تَجِدْ لَهُ عُذْرًا فَقُلْ فِي نَفْسِكَ: لَعَلَّ لِأَخِي عُذْرًا لَا أَعْلَمُهُ. (صفة الصفوة: ۲۳۸/۳)

جب تمہارے بھائی کی طرف سے تمہارے حق میں کسی ناپسندیدہ چیز کی خبر تم تک پہنچے تو تم حتی المقدور اس کے لئے کوئی عذر اور جواز تلاش کرو، اگر کوئی عذر اور جواز نہ ملے تو اپنے دل میں یہ کہو: شاید میرے بھائی کے پاس اس کا کوئی ایسا عذر و جواز ہوگا جو میرے علم میں نہیں ہے۔

حضرت علیؓ نے اپنے فرزند حضرت محمد بن الحنفیہؒ کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

وَلَا يَغْلِبَنَّ عَلَيْكَ سُوءُ الظَّنِّ، فَإِنَّهُ لَنْ يَدَعَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ خَلِيلٍ صُلْحًا. (العقد الزيد: ۱۱۵/۱)

تمہارے اوپر کسی بھی مرحلے میں ہرگز بدگمانی کا غلبہ نہ ہونے پائے، اس لئے کہ بدگمانی تمہارے درمیان اور تمہارے دوست کے درمیان صلح کا کوئی موقع باقی نہیں چھوڑے گی۔

احادیث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کسی دوسرے کی کوئی چیز چوری کر رہا ہے جب وہ چیز لے کر آ گیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا: کیا تم نے چوری کی ہے؟ وہ شخص قسم کھا بیٹھا کہ نہیں، اللہ کی قسم میں نے چوری نہیں کی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: کہ تم نے اللہ کی قسم کھالی، اللہ کا حوالہ دے دیا، لہٰذا میں اپنی آنکھ کو جھٹلاتا ہوں، اور اللہ پر ایمان لاتا ہوں، حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود اپنی آنکھ سے اس کو وہ چیز لیتے ہوئے دیکھا تھا، لیکن جب اس نے اللہ کی قسم کھالی تو آپ نے فرمایا کہ میں اپنی آنکھ کو جھٹلاتا ہوں، گویا حضرت

عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ میں نے اس کو یہ چیز لیتے ہوئے تو دیکھا ہے، لیکن یہ ممکن ہے کہ جس شخص کی چیز یہ لے رہا ہے، اس پر اس کا کوئی حق آتا ہو، کوئی قرض واجب ہو، اور وہ شخص اس کو نہ دے رہا ہو، اس لئے اس نے اپنا حق اس طرح حاصل کرلیا ہو، لہذا حقیقت میں یہ چوری نہ ہو، اس لئے میں اچھا گمان کرکے اس کو چھوڑ دیتا ہوں۔ (اصلاحی خطبات: ۱۷/ ۴۶-۴۷)

اور اگر کسی کے بارے میں کسی کام کو صحیح اصول کے مطابق انجام دینے کا احتمال ہو اور بے اصولی کی کوئی واضح علامت نہ ہو تو اس کے بارے میں تو ضروری طور پر اچھا ہی گمان رکھنا چاہئے اور بدگمانی سے مکمل احتراز کرنا چاہئے، اس کی واضح مثال گوشت کا معاملہ ہے، حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

”دیکھئے! ہم روزانہ گوشت کھاتے ہیں، لیکن ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے جس شخص نے ذبح کیا ہے، اس نے واقعۃً صحیح طریقے سے ذبح کیا ہے یا نہیں؟ واقعۃً اس نے اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ وہاں دیکھ کر آتے ہیں وہ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں کہ وہاں جا کر دیکھو جہاں یہ جانور ذبح کئے جاتے ہیں، اور وہ لوگ گالی گلوچ کررہے ہوتے ہیں، اور اسی حالت میں ذبح بھی کرڈالتے ہیں، اب اگر شریعت نے ہمیں اس بات کا مکلّف کیا ہوتا کہ ہر گوشت کے بارے میں یہ تحقیق کرو کہ یہ کہاں ذبح ہوا ہے؟ کس نے ذبح کیا ہے؟ اللہ کا نام ذبح کرتے وقت لیا ہے یا نہیں لیا؟ تو پھر کسی بھی انسان کے بس میں نہیں تھا کہ وہ گوشت کھاسکے۔

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ حکم دیا کہ مؤمنوں کے ساتھ اچھا گمان کرو، جب یہ معلوم ہے کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہے تو مسلمان کا ظاہر حال یہ ہے کہ اس نے اللہ کا نام لیا ہوگا، لہذا تمہارے لئے جائز ہے کہ تم وہ گوشت کھالو، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کچھ نومسلم لوگ ہیں، جو ابھی کچھ عرصے پہلے مسلمان ہوئے ہیں، اور دیہات میں رہتے ہیں، وہ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں اور ہم ان سے گوشت لیتے ہیں، لیکن

ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ انہوں نے ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں لیا، کیا ہمارے لیے وہ گوشت کھانا جائز ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہاں تمہارے لئے وہ گوشت کھانا جائز ہے، تم بسم اللہ پڑھ کر وہ گوشت کھالو، کیوں؟ اس لئے کہ گوشت لانے والا مسلمان ہے، لہذا اس کے بارے میں یہی گمان رکھنا چاہئے کہ اس نے شریعت کے قاعدے کے مطابق اللہ کا نام لے کر ذبح کیا ہوگا، لہذا تمہارے لئے اس کا کھانا جائز ہے، شریعت نے اس حد تک مسلمانوں کے ساتھ خوش گمانی کا حکم دیا ہے۔

ہاں! اگر ایک آدمی تمہاری آنکھوں کے سامنے ایک جانور ذبح کر رہا ہے، اور اس پر اللہ کا نام نہیں لیا، تو بیشک اس وقت تمہارے لئے جائز ہے کہ اس کا گوشت نہ کھاؤ، لیکن جب تک تم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، اور لانے والا مسلمان ہے تو حکم یہ ہے کہ تم اس کے ساتھ اچھا گمان کرو، اور یہ سمجھو کہ اس نے شریعت کے قاعدے کے مطابق ذبح کیا ہوگا، اس حد تک شریعت نے مسلمانوں کے ساتھ خوش گمانی کا حکم دیا ہے۔

اسی طرح اور معاملات میں بھی بعض اوقات ہم لوگ تحقیق کے بغیر کسی کے بارے میں بدگمانی کر کے بیٹھ جاتے ہیں، یہ حرام اور ناجائز ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے:

إِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ إِثۡمٌ.

بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔

مثلاً کسی آدمی کے ہاں آپ نے دیکھا کہ اس کے پاس روپے پیسے کی ریل پیل ہوگئی ہے، اس کی زمینیں اور جائدادیں ہوگئی ہیں، اب تحقیق اور دلیل کے بغیر آپ بدگمانی کرنے لگیں کہ اس کے پاس کہیں سے حرام کا پیسہ آ رہا ہے، اور حرام خوری کر کے یہ جائدادیں اور زمینیں بنا رہا ہے، یہ بدگمانی کرنا آپ کے لئے جائز نہیں، جب تک یقین کے ساتھ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس شخص نے واقعۃً رشوت لی ہے، یا اس شخص نے کوئی حرام کام کیا ہے، جب تک یقینی دلیل سے معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک محض بدگمانی کر کے رائے قائم کر لینا صحیح نہیں ہے“۔ (اصلاحی خطبات: ۱۷/ ۴۷-۴۹)

شریعت نے اپنے پیروکاروں کو پابند کیا ہے کہ محض بدگمانی کی بنیاد پر بلا دلیل کسی کو مورد الزام ٹھہرانا، کسی کے خلاف کوئی اقدام یا کاروائی کرنا جائز نہیں ہے، تحقیق و تفتیش کے جائز ذرائع تو اختیار کیے جا سکتے ہیں مگر بدگمانی کی بنا پر کوئی کارروائی درست نہیں ہے۔

بالعموم ایسا ہوتا ہے کہ کسی گھر یا ادارے میں کوئی چیز گم ہوتی ہے تو اس کی تلاش کی جاتی ہے اور بغیر کسی دلیل و ثبوت کے ملازمین کو موردالزام ٹھہرادیا جاتا ہے اور ان کو چور سمجھ کر ویسا ہی معاملہ کیا جاتا ہے، جب کہ بعد میں بسا اوقات ان کا بے قصور ہونا ثابت ہوتا ہے، بدگمانی پر مبنی اس کارروائی سے معاشرے میں ظلم اور عداوت و نفرت کو فروغ ملتا ہے۔

ایک باندی کے بارے میں بدگمانی کا واقعہ

حضرت عائشہؓ نے ایک واقعہ نقل فرمایا ہے:

أَنَّ وَلِيدَةً كَانَتْ سَوْدَاءَ لِحَيٍّ مِنَ الْعَرَبِ فَأَعْتَقُوهَا فَكَانَتْ مَعَهُمْ قَالَتْ فَخَرَجَتْ صَبِيَّةٌ لَهُمْ عَلَيْهَا وِشَاحٌ أَحْمَرُ مِنْ سُيُورٍ قَالَتْ فَوَضَعَتْهُ أَوْ وَقَعَ مِنْهَا فَمَرَّتْ بِهِ حُدَيَّاةٌ وَ هُوَ مُلْقًى فَحَسِبَتْهُ لَحْمًا فَخَطَفَتْهُ قَالَتْ فَالْتَمَسُوهُ فَلَمْ يَجِدُوهُ قَالَتْ فَاتَّهَمُونِي بِهِ قَالَتْ فَطَفِقُوا يُفَتِّشُونِي حَتَّى فَتَّشُوا قُبُلَهَا قَالَتْ وَاللّٰهِ إِنِّي لَقَائِمَةٌ مَعَهُمْ إِذْ مَرَّتِ الْحُدَيَّاةُ فَأَلْقَتْهُ قَالَتْ فَوَقَعَ بَيْنَهُمْ قَالَتْ فَقُلْتُ هَذَا الَّذِي اتَّهَمْتُمُونِي بِهِ زَعَمْتُمْ وَ أَنَا مِنْهُ بَرِيئَةٌ وَ هُوَ ذَا هُوَ قَالَتْ فَجَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْلَمَتْ قَالَتْ عَائِشَةُ فَكَانَ لَهَا خِبَاءٌ فِي الْمَسْجِدِ أَوْ حِفْشٌ قَالَتْ فَكَانَتْ تَأْتِينِي فَتَحَدَّثُ عِنْدِي قَالَتْ فَلَا تَجْلِسُ عِنْدِي مَجْلِسًا إِلَّا قَالَتْ:

وَ يَوْمُ الْوِشَاحِ مِنْ تَعَاجِيبِ رَبِّنَا
أَلَا إِنَّهُ مِنْ بَلْدَةِ الْكُفْرِ أَنْجَانِي

قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ لَهَا مَا شَأْنُكِ لَا تَقْعُدِيْنَ مَعِي مَقْعَداً إِلَّا قُلْتِ هَذَا قَالَتْ فَحَدَّثَتْنِي بِهَذَا الْحَدِيْثِ. (بخاری: الصلوۃ: باب نوم المرأۃ فی المسجد: ۴۳۹)

عرب کے کسی قبیلے میں ایک سیاہ فام باندی تھی، اس کے آقاؤں نے اسے آزاد کردیا تھا، لیکن وہ انہیں کے ساتھ رہتی اور خدمت کرتی تھی، ایک دن گھر کی ایک بچی چمڑے کا سرخ ہار پہنے ہوئے گھر سے باہر نکلی، اس نے ہار اتار کر باہر رکھ دیا یا ہار خود گر گیا، ایک چیل وہاں سے گزری، سرخ ہار کو گوشت کا ٹکڑا سمجھ کر اچک لے گئی، تھوڑی دیر کے بعد گھر میں ہار کی تلاش شروع ہوئی، لیکن ہار کہیں نہیں ملا، اس باندی کا بیان ہے کہ بالآخر گھر والوں نے مجھ پر ہار چوری کا الزام لگایا اور میری تلاشی لینے لگے، حد تو یہ ہے کہ اس باندی کی شرم گاہ کی بھی تلاشی لی، باندی کہتی ہے: خدا کی قسم! میں گھر والوں کے ساتھ کھڑی تھی کہ اچانک چیل آئی اور ہار گرا کر چلی گئی، میں نے ان لوگوں سے کہا کہ یہی ہار ہے جو چیل لیکر چلی گئی تھی، لیکن تم نے میرے ساتھ بدگمانی کی اور مجھ پر الزام لگایا، جبکہ میں بالکل بے قصور تھی، اس کے بعد وہ باندی وہاں سے دلبرداشتہ ہوکر مدینہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اسلام قبول کرلیا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مسجد کے ایک کونے میں یا بیرونی حصہ میں اس کی رہائش کے لئے خیمہ نما جگہ بنادی گئی تھی، وہ باندی اکثر میرے پاس آتی تھی اور بات کرتی تھی، جب بھی وہ بیٹھتی تھی یہ شعر ضرور پڑھتی تھی:

وَ يَوْمُ الْوِشَاحِ مِنْ تَعَاجِيبِ رَبِّنَا
أَلَا إِنَّهُ مِنْ بَلْدَةِ الْكُفْرِ أَنْجَانِي

ہار کے دن کا واقعہ ہمارے رب کے عجیب معاملات میں سے ہے، واضح

رہے کہ اسی نے میرے لئے کفر اور کفر کے علاقے سے نجات کا سامان فراہم کیا۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: میں نے اس سے پوچھا: کیا بات ہے کہ جب بھی تم میرے پاس بیٹھتی ہو یہ شعر ضرور پڑھتی ہو؟ اس پر اس نے پورا واقعہ بتایا۔

اس واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بدگمانی کیسی بری چیز ہے اور اس کی بنیاد پر کوئی کارروائی انسان کی عزت نفس کو کیسے نقصان پہونچاتی ہے۔

اسٹالن کا واقعہ

روس کے ڈکٹیٹر ''اسٹالن'' کے بارے میں آتا ہے کہ:

ایک مرتبہ نہاتے ہوئے اس کی قیمتی گھڑی گم ہوگئی، اس نے وہیں سے چوکیداروں کو فون کیا کہ میری گھڑی گم ہوگئی ہے، اور جو ملازمین ہیں ان سب سے تفتیش کرو، اب تفتیش شروع ہوگئی، اور ملازمین پر قیامت ٹوٹ گئی، ایک گھنٹے بعد وہ گھڑی وہیں پڑی ہوئی مل گئی، اس نے پھر فون کیا کہ گھڑی مل گئی ہے، لہذا اب تفتیش کی ضرورت نہیں، چوکیداروں نے کہا گھڑی تو مل گئی مگر یہاں دس آدمیوں نے اقرار کرلیا ہے کہ ہاں ہم نے چوری کی ہے، آپ اندازہ لگائیں کہ جن دس آدمیوں نے اقرار کرلیا ان پر اس عرصے میں کیا قیامت ٹوٹی ہوگی۔ (اصلاحی خطبات: ۱۷/۴۹)

حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کا واقعہ

حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے ایک شخص نے کہا کہ حاجی صاحب آپ تو کوئی بڑے عالم بھی نہیں ہیں، پھر ان علماء کو کیا ہوگیا کہ مولانا گنگوہی جیسا عالم، مولانا قاسم نانوتوی جیسا عالم اور حضرت حکیم الامت جیسا عالم آپ سے مرید ہوگیا ہے، مجھے تو اس بات پر سخت صدمہ اور تعجب ہے کہ یہ علماء کیوں آپ سے بیعت ہوگئے، اب حاجی صاحب کا جواب سن لیجئے، فرمایا کہ ''جتنا آپ کو تعجب ہے اس سے زیادہ مجھے تعجب ہے کہ یہ علماء اور علماء بھی ایسے کہ علم

کے سمندر، نہ جانے مجھ جیسے کے ہاتھ پر کیوں بیعت ہوگئے'' یہ حاجی صاحب کا کمال تواضع تھا، لیکن بدگمانی اور اعتراض کرنے والا کوئی بہت ہی محروم شخص تھا، برعکس ان حضرات کے اندر کتنا ادب تھا، حاجی امداد اللہ صاحب نے ایک رسالہ لکھا اور مولانا قاسم نانوتوی کو دیا اصلاح کے لئے، اس میں علمی لحاظ سے کوئی لفظ مسودہ میں غلط ہوگیا تو مولانا قاسم صاحب نے اس مقام پر یہ نہیں لکھا کہ حضرت آپ سے یہاں غلطی ہوگئی ہے بلکہ وہاں دائرہ بنا کر یہ لکھ دیا کہ حضرت یہ لفظ میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔

اللہ اللہ! کیا ادب تھا، نقص کی نسبت شیخ کی طرف نہیں کی، اپنی سمجھ کی طرف کردی۔

اے خدا جوئیم توفیق ادب

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اے خدا ہم آپ سے ادب کی توفیق مانگتے ہیں۔

بے ادب محروم ماند از فضل رب

کیونکہ بے ادب انسان اللہ کے فضل سے محروم رہتا ہے، لہذا بے ادبوں کی صحبت سے بھی بچنا چاہئے، کوئی شخص کتنا ہی عقل مند ہو لیکن اگر کسی بے ادب کے پاس رہتا ہے تو اس کے اندر بھی بے ادبی کے جراثیم پیدا ہوجائیں گے، اس لئے جس قوم نے یا جس طبقہ نے اکابر پر اعتراضات کئے ہیں ایسے لوگوں کے لٹریچر سے، ایسے لوگوں کی صحبت سے بچنا چاہئے۔ (بدگمانی اور اس کا علاج: حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب: ۶، ۷)

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے بارے میں بدگمانی

الہ آباد میں حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ تھے، ان کے ایک مرید جن کا یہاں کراچی میں جنرل اسٹور بھی ہے انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک بہت بڑے افسر کو مولانا کی خدمت میں لے گیا کہ یہ مولانا سے متأثر ہوجائے گا، ان سے استفادہ کرے گا، گناہ چھوڑ دے گا، اللہ والا بن جائے گا، عشاء کے بعد وہاں گئے، اس وقت مولانا بادام اور پستہ کھا رہے تھے، دعا وغیرہ کے بعد واپس ہوئے تو راستے میں انہوں نے بڑی امیدوں کے ساتھ پوچھا کہ

جناب مولانا کی زیارت سے آپ پر کچھ اثر ہوا، کچھ اللہ کی محبت میں اضافہ ہوا، آپ مولانا سے کچھ متأثر ہوئے؟ تو کہنے لگے جو تاثر پہلے تھا وہ بھی ختم ہو گیا، کہنے لگے کیوں؟ کہا کہ اللہ والے تو وہ ہیں جو سوکھی روٹی پانی میں ڈال کر کھاتے ہیں، یہ بادام و پستہ اڑا کر اللہ والے کیسے ہوگئے، بتائیے حد ہے اس جہالت کی! انہیں جہالتوں سے شیطان راستہ مارتا ہے، حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر ذکر کرنے والا دودھ نہیں پیئے گا، سر میں تیل نہیں لگائے گا اور دماغ میں خشکی بڑھ جائے گی تو خدا کے یہاں اس کی پکڑ ہوگی کہ تم نے ہماری دی ہوئی مشین استعمال کی مگر اس میں تیل کیوں نہیں ڈالا؟ جسم اللہ کی امانت ہے؟ اگر یہ جسم خدا کی امانت نہ ہوتا اور ہم خود اپنی جان کے مالک ہوتے تو خودکشی جائز ہوجاتی، یہ بہت بڑی دلیل ہے کہ ہم ان کے ہیں، امانت دار ہیں، اپنے جسم کے مالک نہیں ہیں، اس لئے اپنی جان کو ہلاک نہیں کرسکتے، اسی لئے خودکشی حرام ہے، تو میرے دوست نے ہنس کر کہا کہ پستہ بادام کھانے سے وہ بدگمان ہوگئے۔ (ایضاً:۱۶)

حضرت عائشہؓ کا واقعہ

بدگمانی کیسی خطرناک چیز ہے، اور شریعت نے اس پر کیسی بندش لگائی ہے، اس کے سیکڑوں نمونے سیرت و حدیث میں موجود ہیں۔

حضرت عائشہؓ اپنا واقعہ بیان کرتی ہیں کہ ایک رات آپ ﷺ میرے حجرے میں شب میں قیام فرماتھے، میری باری تھی، آپ لیٹ گئے، تھوڑی دیر بعد جب آپ کو میرے سوجانے کا یقین ہوگیا، آپ دھیرے سے اٹھے، آہستہ سے کپڑے بدلے، جوتے پہنے، دھیرے سے دروازہ کھول کر باہر نکلے اور آہستہ سے دروازہ بند فرمادیا، میں جاگ رہی تھی، میں تھوڑی دیر بعد باہر نکلی، میرے ذہن میں یہ خیال آرہا تھا کہ کہیں آپ دوسری کسی بیوی کے ہاں تو نہیں تشریف لے گئے، میں تلاش کرتی ہوئی باہر آئی، تو آپ ﷺ جنت البقیع میں تھے، مجھے دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا:

أَكُنتِ تَخَافِينَ أَنْ يَحِيفَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَ رَسُولُهُ؟
کیا تمہیں ڈر تھا کہ اللہ ورسول تم پر ظلم کریں گے؟

(مشکوۃ المصابیح: الصلوۃ: باب قیام شھر رمضان:۱۲۹۹، مسلم: الجنائز: باب ما یقال عند دخول القبور:۲۲۵۶)

حضرت معاذ بن جبلؓ کا واقعہ

حضرت معاذ بن جبلؓ محلے کی مسجد میں عشاء کی نماز پڑھا رہے تھے، سورۃ البقرہ کی قرأت شروع کر دی، ایک آدمی دن بھر کا تھکا ہارا نماز میں شامل تھا، امام صاحب کی لمبی قرأت کا ارادہ دیکھ کر اس نے نماز توڑ کر اپنی پڑھ لی، حضرت معاذ کو معلوم ہوا تو انھوں نے اسے منافق سمجھ کر کچھ کہہ دیا، اس نے آپ ﷺ کی خدمت میں شکایت کر دی اور عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ: إِنَّا قَوْمٌ نَعْمَلُ بِأَيْدِينَا، وَ نَسْقِي بِنَوَاضِحِنَا، وَإِنَّ مُعَاذًا صَلَّى بِنَا الْبَارِحَةَ، فَقَرَأَ الْبَقَرَةَ، فَتَجَوَّزْتُ، فَزَعَمَ أَنِّي مُنَافِقٌ.

اے اللہ کے رسول: ہم لوگ ہاتھوں سے محنت مزدوری کرتے ہیں، اونٹنیوں سے باغات اور کھیت سیراب کرتے ہیں، تھک جاتے ہیں، گذشتہ رات حضرت معاذ نے ہمیں نماز پڑھائی تو سورۂ بقرہ شروع کر دی، میں نماز چھوڑ کر چلا آیا، اب وہ کہہ رہے ہیں کہ میں منافق ہوں۔

آپ ﷺ نے اس پر حضرت معاذ کو سخت تنبیہ فرمائی:

يَا مُعَاذُ: أَفَتَّانٌ أَنْتَ ثَلَاثًا اِقْرَأْ وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا، وَسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ، وَنَحْوَ هُمَا. (بخاری: باب من لم یرا کفار الخ:۶۱۰۶)

اے معاذ: کیا تم لمبی قرأت کر کے لوگوں کو فتنے میں مبتلا کر رہے ہو، سورۂ شمس اور سورۂ اعلیٰ جیسی (اوسط مقدار کی) سورتیں (عشاء کی) نماز میں پڑھا کرو۔

اس واقعہ میں ایک طرف تو یہ سبق ملتا ہے کہ نماز با جماعت میں امام کو مقتدیوں کی رعایت رکھنی چاہیئے، اور مقدار مسنون سے زائد ایسی لمبی قرأت سے بچنا چاہیئے، جو لوگوں کی اکتاہٹ اور بے زاری کا باعث بنے، دوسری طرف یہ رہنمائی بھی ہے کہ دوسروں کے بارے میں بدگمانی اور اس کی بنیاد پر منافق یا دائرہ اسلام سے باہر ہونے کا فیصلہ نہیں کرنا چاہیئے۔

حضرت عمرؓ کا واقعہ

آپ ﷺ نے حضرت عمر کو زکاۃ وصدقات کی وصولیابی کا کام سونپا، انہوں نے کام مکمل کرنے کے بعد رپورٹ دی کہ ابن جمیل، حضرت خالد بن ولید اور آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس، ان تینوں نے زکاۃ ادا نہیں کی، آپ ﷺ نے فرمایا: ابن جمیل تو نادہند ہے اور پہلے فقیر تھا، اب اللہ نے دولت دے دی تو فرض ادا کرنے میں مجرمانہ کوتاہی کرتا ہے، حضرت خالد نے تو اپنے تمام ہتھیار اور سارا ساز وسامان پہلے سے ہی راہ خدا میں وقف کر دیا ہے، اب ان سے مطالبہ کرنا ظلم ہے، رہے حضرت عباس:

فَهِيَ عَلَيَّ وَ مِثْلُهَا مَعَهَا.

ان کی اس سال کی بھی اور آئندہ سال کی پیشگی زکاۃ میرے پاس ہے، انہوں نے مجھے بھجوا دی ہے۔

پھر فرمایا:

يَا عُمَرُ: أَمَا شَعَرْتَ أَنَّ عَمَّ الرَّجُلِ صِنْوُ أَبِيهِ. (مسلم:الزکاۃ: باب فی تقدیم الزکوۃ و منعها:۲۲۷۷)

اے عمر! کیا تمہیں نہیں معلوم کہ انسان کا چچا اس کے باپ کا ہم مرتبہ ہوتا ہے۔

اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ ان کے بارے میں بدگمان ہونا درست نہیں ہے۔

ضمضم بن قتادہ کا واقعہ

روایات میں آتا ہے کہ ایک شخص خدمت نبوی میں حاضر ہوا (اس کا نام ضمضم بن قتادہ تھا) اس نے کہا:

وُلِدَ لِي غُلَامٌ أَسْوَدُ.

میرے ہاں سیاہ لڑکا پیدا ہوا ہے۔

وہ یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ میں تو سفید اور گورا ہوں، بیٹا کالا ہوا ہے، میرا گمان ہے کہ یہ میری اولاد نہیں ہے، وہ اس بدگمانی کی وجہ سے بیوی کو طلاق دینا چاہتا تھا، آپ ﷺ نے اس سے پوچھا:

هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ؟

کیا تیرے پاس اونٹ ہیں؟

اس نے کہا: ہاں ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

مَا أَلْوَانُهَا؟

اونٹ کس رنگ کے ہیں؟

وہ بولا:

حُمْرٌ

سرخ ہیں۔

آپ ﷺ نے پوچھا:

هَلْ فِيهَا مِنْ أَوْرَقَ؟

کیا ان میں کوئی سیاہ مائل بہ خاکی رنگ بھی ہے؟

اس نے کہا: ہاں، آپ نے پوچھا:

فَأَنَّى ذَلِكَ؟

ایسا کیوں ہوا کہ سرخ اونٹ کا بچہ سیاہ رنگ کا ہوا؟

اس نے کہا کہ:

لَعَلَّهُ نَزَعَهُ عِرْقٌ.

شاید کسی رگ نے اسے کھینچا ہو، یعنی اس کے اصول میں کوئی چیز اس رنگ کی رہی ہوگی، وہ چیز اس پر غالب آگئی، جس کی وجہ سے بچہ نے اس کا رنگ اختیار کرلیا۔

یہ سن کے آپ ﷺ نے فرمایا:

فَلَعَلَّ ابْنَكَ هَذَا نَزَعَهُ.

تو ممکن ہے کہ تیرے اس بیٹے کو بھی کسی رگ نے کھینچا ہو۔(بخاری: الطلاق: باب إذا عرض بنفی الولد: ۵۳۰۵)

اس طرح آپ ﷺ نے اسے بدگمانی اور اس بنیاد پر طلاق کے اقدام سے روکا۔

حضرت مالک بن دخشن رضی اللہ عنہ کے بارے میں بدگمانی

حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ بدری صحابہ میں ہیں، وہ نابینا تھے، انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا:

إِنِّي أَنْكَرْتُ بَصَرِي، وَإِنَّ الْوَادِيَ الَّذِي بَيْنِي وَ بَيْنَ قَوْمِي يَسِيلُ إِذَا جَاءَتِ الْأَمْطَارُ، فَيَشُقُّ عَلَيَّ اجْتِيَازُهُ، فَوَدِدْتُ أَنَّكَ تَأْتِي فَتُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِي مَكَانًا أَتَّخِذُهُ مُصَلًّى.

میں نابینا ہوں، میرے گھر اور مسجد کے درمیان جو نالی ہے وہ بارش کے موسم میں بھر جاتی ہے، اور میرے لئے اس کا پار کرنا مشکل ہو جاتا ہے، میری خواہش ہے کہ آپ میرے غریب خانے پر تشریف لائیں اور کسی خاص مقام

پر نماز ادا فرمائیں تا کہ میں اس مقام کو نماز کی جگہ متعین کرلوں۔

آپ ﷺ نے اگلے دن صبح آنے کا وعدہ کرلیا، حسب وعدہ اگلے دن سورج خوب روشن ہونے کے بعد آپ ﷺ حضرت ابوبکر کے ہمراہ تشریف لائے، اجازت لی، اندر آئے، بیٹھنے سے پہلے فرمایا:

أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ؟

تمہاری خواہش کے مطابق تمہارے گھر میں میں کہاں نماز پڑھوں؟

حضرت عتبانؓ نے جگہ بتائی، آپ ﷺ نے وہاں دو رکعت نماز ادا فرمائی، حاضرین نے صف بنا کر پیچھے اقتداء کرلی، اس کے بعد آپ ﷺ کے لئے ناشتہ کا انتظام ہوا، آپ ﷺ کی آمد کی خبر سن کر محلے کے بہت سے لوگ جمع ہوگئے، کسی نے اس موقع پر ذکر کیا کہ حضرت مالک بن الدخشن بھی اسی محلے کے ہیں، وہ تو نظر نہیں آرہے ہیں، حاضرین میں سے ایک صاحب نے بدگمانی کرتے ہوئے کہا:

ذَاكَ مُنَافِقٌ لَا يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ.

وہ تو منافق ہے، اسے اللہ اور رسول سے محبت نہیں ہے۔

آپ ﷺ نے فوراً فرمایا:

لَا تَقُلْ ذَاكَ، أَلَا تَرَاهُ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَبْتَغِي بِذٰلِكَ وَجْهَ اللّٰهِ؟

تم ایسا مت کہو، کیا تم نہیں جانتے کہ انہوں نے اللہ کو راضی کرنے کے لئے کلمہ پڑھا ہے؟

ان صاحب نے کہا:

اَللّٰهُ وَ رَسُولُهُ أَعْلَمُ، أَمَّا نَحْنُ فَوَ اللّٰهِ لَا نَرَى وُدَّهُ وَ لَا حَدِيثَهُ إِلَّا إِلَى الْمُنَافِقِينَ.

اللہ اور رسول زیادہ جانتے ہیں، ہم تو بخدا یہ دیکھتے ہیں کہ ان کی محبت، تعلق، گفتگو اور اٹھنا بیٹھنا سب منافقوں ہی کے ساتھ ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَبْتَغِي بِذٰلِكَ وَجْهَ اللّٰهِ. (بخاری: الصلوة: باب صلاة النوافل جماعة:١١٨٦)

اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص کے لئے جہنم کی آگ حرام کردی ہے جو اللہ کو راضی کرنے کے جذبہ سے کلمہ پڑھتا ہے۔

غور کیا جائے: ان صاحب نے ازراہ بدگمانی حضرت مالک کو منافق قرار دے دیا، آپ ﷺ نے ٹوکا تو انہوں نے بتایا کہ حضرت مالک کی دوستی، تعلق اور ملنا جلنا منافقوں سے زیادہ ہے، آپ نے پھر ٹوکا، اس طرح تنبیہ فرمادی کہ منافقین سے تعلق کی بنا پر منافق ہونے کی بدگمانی کے بجائے یہ اچھا گمان رکھنا چاہئے تھا کہ وہ اس تعلق اور حسن اخلاق کی مدد سے منافقین کو نفاق سے بچانا اور ایمانی اخلاص کی راہ پر لانا چاہتے ہیں، اور دراصل یہی حقیقت بھی تھی۔

حضرت کعبؓ کے بارے میں بدگمانی

غزوہ تبوک کے سفر میں بغیر کسی عذر کے نہ آنے والے لوگوں کا ذکر مقام تبوک میں ہو رہا تھا، حضرت کعب بن مالکؓ کے بارے میں آپ ﷺ نے دریافت کیا، وہ کیوں نہیں آئے؟ قبیلہ بنوسلمہ کے ایک صاحب نے کہا:

حَبَسَهُ بُرْدَاهُ وَ نَظَرُهُ فِي عِطْفِهِ.

انہیں ان کی چادروں نے اور کپڑوں کے معیار پر نگاہ رکھنے کے عمل نے نہیں آنے دیا۔

یعنی وہ اپنے لباس و آرائش میں لگے رہے، یہی ان کی ترجیح تھی، پھر کیسے آتے؟ ظاہر

ہے کہ یہ سخت تبصرہ تھا، اور بدگمانی پر مبنی تھا، چنانچہ حضرت معاذؓ نے آپ ﷺ کی موجودگی میں پہلے ان صاحب سے کہا:

بِئسَ مَا قُلتَ.

تم نے بہت بری بات کہی ہے۔

پھر آپ ﷺ سے عرض کیا:

وَاللّٰہِ یَا رَسُولَ اللّٰہِ مَا عَلِمنَا عَلَیہِ إِلَّا خَیراً.

اے اللہ کے رسول: بخدا ہم کعب کے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ (بخاری: المغازی: باب حدیث کعب: ۴۴۱۸)

منافقین کا بدگمانی پر مبنی تبصرہ

حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ہے:

لَمَّا نَزَلَتُ آیَةُ الصَّدَقَةِ کُنَّا نُحَامِلُ، فَجَاءَ رَجُلٌ فَتَصَدَّقَ بِشَیءٍ کَثِیرٍ، فَقَالُوا: مُرَاءٍ، وَجَاءَ رَجُلٌ، فَتَصَدَّقَ بِصَاعٍ، فَقَالُوا، إِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنْ صَاعِ ھٰذَا، فَنَزَلَتُ: اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤمِنِیْنَ فِی الصَّدَقَاتِ وَ الَّذِیْنَ لَا یَجِدُونَ إِلَّا جُھْدَھُمْ.

(بخاری: الزکاۃ: باب اتقوا النار: ۱۴۱۵)

جب صدقہ کی آیت اتری اس وقت ہم مزدوری کرتے تھے، ایک آدمی آپ ﷺ کی خدمت میں بہت صدقہ لیکر آیا، منافقین نے اس پر تبصرہ کیا کہ یہ ریاکار ہے اور دکھاوے میں ایسا کر رہا ہے، دوسرے ایک صاحب آئے اور انہوں نے ایک صاع (مختصر سی مقدار) صدقہ کیا اس پر منافقین نے تبصرہ کیا کہ اللہ اس کے اس معمولی صدقہ سے بے نیاز ہے، اس موقع پر یہ آیت اتری:

یہ منافق وہی ہیں جوخوشی سے صدقہ کرنے والے مومنوں کوبھی طعنے دیتے ہیں، اوران لوگوں کوبھی جنہیں اپنی محنت کی آمدنی کے سوا کچھ اور میسرنہیں ہے۔

اس حدیث میں صدقہ دینے والے جملہ صحابہ پر منافقین کے دل آزار تبصروں کا ذکر ہے، یہ تبصرے منافقین کے نفاق کا بھی ثبوت ہیں اور مسلمانوں کے تیئں ان کی بدگمانی کی علامت بھی ہیں۔

ایک منافق کی بدگمانی اور تبصرہ بازی

غزوۂ حنین کے اموال غنیمت کی تقسیم میں آپ ﷺ نے تالیف قلب اور دیگر ضروری مصالح کے پیش نظر مکہ اور قریش کے کچھ معزز افراد کو ترجیح دی تھی، اس پر ایک منافق نے ازراہ بدگمانی بہت رکیک تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

وَاللّٰهِ إِنَّ هَذِهِ لَقِسمَةٌ مَا عُدِلَ فِيهَا وَ مَا أُرِيدَ بِهَا وَجهُ اللّٰهِ.

خدا کی قسم: یہ ایسی تقسیم ہے جس میں نہ تو انصاف ملحوظ ہے اور نہ اللہ کی رضا کا جذبہ۔

آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

فَمَنْ يَعدِلُ إِذَا لَمْ يَعدِلِ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ، رَحِمَ اللّٰهُ مُوسَىٰ، قَدْ أُوذِيَ بِأَكثَرَ مِنْ هَذَا فَصَبَرَ. (بخاری: فرض الخمس: باب ما کان النبي يعطى المؤلفة قلوبهم: ۳۱۵۰)

اگر اللہ اور رسول ہی انصاف نہیں کریں گے تو پھر کون انصاف کرے گا؟ حضرت موسیٰ پر اللہ رحمتیں نازل کرے، انہیں اس سے کہیں زیادہ اذیتیں پہونچائی گئیں، مگر انہوں نے صبر کیا۔

بنی اسرائیل کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بدگمانی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کی حضرت موسیٰ کے بارے میں جسمانی عیب کے تعلق سے بدگمانی اور تبصرہ بازی کا ذکر فرمایا ہے، روایات میں آتا ہے:

كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ يَغْتَسِلُونَ عُرَاةً، يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى سَوْأَةِ بَعْضٍ، وَكَانَ مُوسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَغْتَسِلُ وَحْدَهُ، فَقَالُوا: وَاللّٰهِ مَا يَمْنَعُ مُوسَىٰ أَنْ يَغْتَسِلَ مَعَنَا إِلَّا أَنَّهُ آدَرُ، قَالَ: فَذَهَبَ مَرَّةً يَغْتَسِلُ، فَوَضَعَ ثَوْبَهُ عَلَى حَجَرٍ، فَفَرَّ الْحَجَرُ بِثَوْبِهِ، فَجَمَحَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ بِإِثْرِهِ، يَقُولُ: ثَوْبِي حَجَرُ، ثَوْبِي حَجَرُ، حَتَّى نَظَرَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ إِلَى سَوْأَةِ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَقَالُوا: وَاللّٰهِ مَا بِمُوسَىٰ مِنْ بَأْسٍ، فَقَامَ الْحَجَرُ حَتَّى نُظِرَ إِلَيْهِ، قَالَ فَأَخَذَ ثَوْبَهُ، فَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْباً. (مسلم: الطهارة: باب جواز الاغتسال عرياناً في الخلوة: ۷۷۰)

بنی اسرائیل کا معمول یہ تھا کہ وہ برہنہ غسل کرتے تھے، ہر ایک دوسرے کا ستر دیکھ لیتا تھا، جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تنہا پردے کے ساتھ غسل کرتے تھے، اس پر بنی اسرائیل نے تبصرہ کیا کہ خدا کی قسم: موسیٰ کو ہمارے ساتھ غسل کرنے سے یہی بات روکتی ہے کہ ان کو مخفی مرض ہے، ایک مرتبہ حضرت موسیٰ غسل کرنے گئے اور باہر ایک پتھر پر کپڑے رکھ دیئے، اللہ کے حکم پر وہ پتھر کپڑا لیکر بھاگ گیا، حضرت موسیٰ بغیر کپڑوں کے پتھر کے پیچھے دوڑے اور کہتے رہے کہ اے پتھر: میرا کپڑا واپس کرو، اس وقت آپ پر تبصرہ کرنے والے بنی اسرائیل نے آپ کو اچھی طرح دیکھ لیا اور کہنے لگے کہ ان کو

تو کوئی مخفی بیماری نہیں ہے، اس کے بعد پتھر رک گیا، حضرت موسیٰ نے اپنے کپڑے لے لئے اور پتھر پر مارا۔

قوم کی بدگمانی اور تبصرہ بازی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے اذیت کا باعث بنی، قرآن نے اس کا ذکر کیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَى فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهاً. (الاحزاب:۶۹)

اے ایمان والو: ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ، جنہوں نے حضرت موسیٰ کو عیب لگا کر تکلیف پہونچائی تھی، تو اللہ نے موسیٰ کا ان کے الزام سے پاک ہونا واضح فرما دیا، اور وہ خدا کے نزدیک بڑے مرتبہ والے تھے۔

جریج کے بارے میں قوم کی بدگمانی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھلی امتوں کے واقعات میں معروف عابد وزاہد ''جریج'' کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ ایک بدکار خاتون نے انہیں اپنے دامِ فریب میں پھانسنا چاہا مگر وہ محفوظ رہے، اس خاتون نے ایک چرواہے سے بدکاری کی، بچہ پیدا ہوا تو لوگوں میں شور مچا دیا کہ یہ ''جریج'' کا بچہ ہے، بس اس شور پر عقیدت مند قوم فوراً بدگمان ہوگئی اور ''جریج'' پر حملہ آور ہوگئی، لوگوں نے جریج کو مارا پیٹا اور ان کی عبادت گاہ بھی توڑ ڈالی، بالآخر جریج نے اس خاتون اور نومولود بچے کو بلوایا، اور سب کے سامنے بچے سے پوچھا:

مَنْ اَبُوْکَ؟

تمہارا باپ کون ہے؟

بحکم خداوندی وہ شیر خوار بچہ بولا: میرا باپ فلاں چرواہا ہے، اب حقیقت واضح ہوگئی اور لوگ حضرت جریج سے معافی تلافی کرنے لگے۔ (بخاری: المظالم: باب إذا ہدم حائطا الخ: ۲۴۸۲)

ایک شیر خوار بچے کا واقعہ

آپ ﷺ نے یہ واقعہ بھی سنایا کہ پچھلی امتوں میں ایک خاتون اپنے نومولود بچے کو دودھ پلا رہی تھی، اچانک شور ہوا، دیکھا تو بہت سے لوگ ایک باندی کو مارتے پیٹتے لے جارہے تھے، اوراس پر زنا اور چوری کے الزام عائد کررہے تھے، اور وہ باندی کہتی جارہی تھی:

حَسْبِيَ اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ.

میرے لئے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

یہ دیکھ کراس دودھ پلانے والی خاتون نے اس باندی سے بدگمان ہوکر اور الزام دینے والوں کی بات سچ سمجھ کر دل سے یہ دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ اِبْنِي مِثْلَهَا.

اے اللہ: میرے بیٹے کو اس باندی کی طرح مت بنائیے۔

اللہ کا کرنا، یہ دعا سن کر وہ شیر خوار بچہ دودھ پیتے پیتے رکا اور بولا:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِثْلَهَا.

خدایا: مجھے اسی جیسا بنادیجئے۔

بعد میں اس خاتون کو بتایا گیا کہ وہ باندی اللہ کی نیک بندی اور بالکل بے قصور تھی، اور لوگ اسے ناحق ستارہے تھے۔ (بخاری: احادیث الانبیاء: باب واذکر فی الکتاب مریم: ۳۴۳۶)

حضرت سعدؓ کے بارے میں بدگمانی

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ممتاز اور معروف صحابہ میں ہیں، فرماتے ہیں۔

إِنِّي لَأَوَّلُ الْعَرَبِ رَمَى بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَكُنَّا نَغْزُو مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَا لَنَا طَعَامٌ إِلَّا وَرَقُ الشَّجَرِ، ثُمَّ أَصْبَحَتْ بَنُو أَسَدٍ تُعَزِّرُنِي عَلَى الإِسْلامِ، لَقَدْ خِبْتُ إِذًا وَضَلَّ

عَمَلِي، وَكَانُوا وَشَوُا بِهِ إِلَى عُمَرَ، قَالُوا: لَايُحْسِنُ يُصَلِّي.

(بخاری: المناقب: باب مناقب سعد:۳۷۲۸)

میں پہلا وہ عرب ہوں جس نے راہ خدا میں تیر چلایا، ہم آپ ﷺ کے ساتھ جہاد میں جاتے تھے، ہم کو درختوں کے پتوں کے سوا کچھ کھانے کو نہ ملتا تھا، اب قبیلہ بنوسعد کے لوگ مجھے احکام اسلام سے ناواقف قرار دیتے ہیں، اگر ایسا ہے تب تو بخدا میں نامراد رہا اور میرا عمل اکارت گیا، بنواسد نے حضرت سعد کی چغلی حضرت عمر کے پاس کی تھی کہ سعد نماز اچھی نہیں پڑھاتے۔

اس حدیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ قبیلہ بنواسد کے لوگوں نے حضرت سعد کے بارے میں مختلف بدگمانیوں کی بنیاد پر حضرت عمر کے دربار میں شکایات کیں، تحقیق کے بعد سب غلط ثابت ہوئیں۔

پورا واقعہ تفصیل سے بخاری میں دوسرے مقام پر آیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کوفہ کے گورنر تھے، کوفہ والوں نے حضرت عمرؓ سے ان کی چند شکایتیں کیں، ان میں سے ایک شکایت یہ تھی کہ وہ نماز ٹھیک سے نہیں پڑھاتے، حضرت عمرؓ نے حضرت عمار بن یاسرؓ کو گورنر بنا کر بھیجا اور حضرت سعدؓ کو واپس بلالیا، جب حضرت سعدؓ آئے تو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا: ابو اسحاق! کوفہ والوں نے تمہاری شکایت کی یہاں تک کہ یہ بھی شکایت کی کہ تم نماز ٹھیک سے نہیں پڑھاتے، کوفہ والوں نے شکایت کی تھی کہ شام کی نمازوں میں یعنی ظہر اور عصر میں پہلی دو رکعتوں میں بہت دیر تک کھڑے رہتے ہیں اور آخری دو رکعتیں جلدی جلدی پڑھا دیتے ہیں، حضرت سعدؓ نے جواب دیا: میں نے جس طرح نبی ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح پڑھاتا ہوں اس میں ذرہ بھر کمی نہیں کرتا، پہلی دو رکعتیں طویل پڑھاتا ہوں اور آخری دو رکعتیں ہلکی پڑھاتا ہوں، آخری رکعتوں میں صرف فاتحہ ہے، اس لئے وہ ہلکی ہیں، اور پہلی

رکعتوں میں ظہر میں فجر جتنی قرأت ہے اور عصر میں عشاء جتنی، اس لئے وہ لمبی ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا: آپ کے بارے میں میرا یہی گمان تھا، آپ سنت کے خلاف نماز نہیں پڑھاتے ہوں گے، اس کے بعد حضرت عمر نے ایک شخص کو یا چند شخصوں کو حکم دیا کہ حضرت سعد کو لے کر کوفہ جاؤ، اور ہر مسجد میں نماز کے بعد سعد کو کھڑا کر کے پوچھو کہ ان کے بارے میں کیا شکایتیں ہیں؟ کسی نے کوئی شکایت نہیں کی، صرف بنو عبس کی مسجد میں ایک شخص نے جس کا نام اسامہ بن قتادہ اور کنیت ابو سعدہ تھی تین شکایتیں کیں، پہلی شکایت: سعدؓ جنگ کے لئے سریے بھیجتے ہیں مگر خود شریک نہیں ہوتے، حضرت سعدؓ کو عرق النساء کی بیماری تھی، ان کے پیر میں شدید درد تھا، گھوڑے پر سوار ہونا اور میدان جہاد میں جانا ان کے لئے ممکن نہ تھا، اسی لئے آپؓ نے جنگ قادسیہ بھی بلند جگہ پر بیٹھ کر لڑائی تھی۔

دوسری شکایت: مال کی تقسیم میں برابری نہیں کرتے اور تیسری شکایت یہ کہ اپنے فیصلوں میں انصاف نہیں کرتے، حضرت سعدؓ نے تین دعائیں دیں، اے اللہ! اگر یہ شخص جھوٹا ہے اور شہرت کے لئے کھڑا ہوا ہے تو اس کی زندگی لمبی کر، اس کی غریبی لمبی کر اور اس کو فتنوں سے دوچار کر، تین شکایتوں کے بدلے میں تین بددعائیں دیں، چنانچہ اس بدنصیب کی عمر اتنی لمبی ہوئی کہ بھویں آنکھوں پر گر پڑیں، کوئی چیز دیکھنی ہوتی تو بھوؤں کو اٹھا کر دیکھتا، اور راستوں میں لوگوں سے مانگتا پھرتا اور باندیوں کو راستہ میں چھیڑتا، اس زمانہ میں شرفاء کی عورتیں بے ضرورت گھر سے نہیں نکلتی تھیں اور باندیاں گھر کی ضروریات کے لئے نکلتی تھیں وہ راستہ میں باندیوں کو چھیڑتا، لوگ اسے برا بھلا کہتے وہ جواب دیتا: سعد کی بددعا لگ گئی ہے۔ (تحفۃ القاری: سوم: ۶۷-۶۸، بخاری: الصلوۃ: باب وجوب القرأۃ للامام الخ: ۷۵۵)

حضرت عثمان غنیؓ کے بارے میں بدگمانی

مصر کے باشندوں میں ایک شخص جو حضرت عثمان غنیؓ کے بارے میں سخت بدگمان اور مخالف تھا، حج کے سفر پر آیا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ملاقات کی، اور بولا:

يَا ابْنَ عُمَرَ: إِنِّي سَائِلُكَ عَنْ شَيْءٍ فَحَدِّثْنِي، هَلْ تَعْلَمُ أَنَّ عُثْمَانَ فَرَّ يَوْمَ أُحُدٍ.

اے ابن عمر! میں آپ سے سوال کر رہا ہوں، آپ ضرور جواب دیں، کیا آپ کے علم میں ہے کہ حضرت عثمانؓ غزوہ احد کے دن فرار ہو گئے تھے؟

حضرت ابن عمرؓ بولے: ہاں، وہ بولا:

تَعْلَمُ أَنَّهُ تَغَيَّبَ عَنْ بَدْرٍ وَ لَمْ يَشْهَدْ؟

کیا آپ کے علم میں ہے کہ حضرت عثمانؓ غزوہ بدر سے غیر حاضر تھے اور شریک نہیں تھے؟

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: ہاں، وہ بولا:

تَعْلَمُ أَنَّهُ تَغَيَّبَ عَنْ بَيْعَةِ الرِّضْوَانِ فَلَمْ يَشْهَدْهَا؟

کیا آپ کے علم میں ہے کہ حضرت عثمانؓ بیعۃ الرضوان سے غائب تھے، موجود نہیں تھے؟

حضرت ابن عمرؓ نے کہا: ہاں، اس پر اس نے خوشی سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا، گویا اس نے یہ کہنا چاہا کہ حضرت عثمانؓ کے بارے میں میرا جو گمان تھا وہ درست تھا۔

حضرت ابن عمرؓ نے اس کے بعد فرمایا:

تَعَالَ أُبَيِّنْ لَكَ: أَمَّا فِرَارُهُ يَوْمَ أُحُدٍ فَأَشْهَدُ أَنَّ اللّٰهَ عَفَاعَنْهُ وَغَفَرَ لَهُ، وَأَمَّا تَغَيُّبُهُ عَنْ بَدْرٍ فَإِنَّهُ كَانَتْ تَحْتَهُ بِنْتُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ كَانَتْ مَرِيْضَةً، فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِنَّ لَكَ أَجْرَ رَجُلٍ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا وَ سَهْمَهُ، وَ أَمَّا تَغَيُّبُهُ عَنْ بَيْعَةِ الرِّضْوَانِ، فَلَوْ كَانَ أَحَدٌ أَعَزَّ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ

عُثْمَانَ لَبَعَثَهُ مَكَانَهُ، فَبَعَثَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُثْمَانَ، وَكَانَتْ بَيْعَةُ الرِّضْوَانِ بَعْدَ مَا ذَهَبَ عُثْمَانُ إِلَى مَكَّةَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ الْيُمْنَى: هٰذِهِ يَدُ عُثْمَانَ، فَضَرَبَ بِهَا عَلَىٰ يَدِهِ، فَقَالَ: هٰذِهِ لِعُثْمَانَ، فَقَالَ لَهُ ابْنُ عُمَرَ: اذْهَبْ بِهَا الْآنَ مَعَكَ. (بخاری:المناقب: باب مناقب عثمان: ۳۶۹۸)

سنو میں تمہیں حقیقت حال بتاؤں، جہاں تک غزوۂ احد کے دن ان کے فرار کی بات ہے، تو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ قصور معاف کر دیا ہے اور درگذر فرما دیا ہے، رہا غزوۂ بدر سے غائب ہونے کا معاملہ تو جان لینا چاہئے کہ حضرت عثمانؓ کے نکاح میں جناب رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی تھیں، اور وہ ان دنوں بیمار تھیں، تو آپ ﷺ نے خود حضرت عثمانؓ کو حکم دیا تھا کہ تم اپنی بیوی کی تیمارداری کے لئے رکو، اور بلاشبہ تمہیں غزوۂ بدر میں شریک ہونے والوں کے برابر اجر اور حصہ ملے گا، اور بیعۃ الرضوان سے غائب ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ اگر وادئ مکہ میں آپ ﷺ کی نگاہ میں حضرت عثمانؓ سے زیادہ باعزت کوئی اور ہوتا تو آپ اسے ان کی جگہ بھیجتے، مگر آپ نے حضرت عثمانؓ کو بھیجا، اور ان کے مکہ جانے کے بعد بیعۃ الرضوان ہوئی اور دوران بیعت آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ قرار دیا، حضرت ابن عمرؓ نے یہ بتانے کے بعد اس شخص سے کہا: یہ حقیقت حال ہے جو میں نے تمہیں بتائی، تم اسے لیکر جاؤ۔

ایک خارجی کا واقعہ

روایات میں آتا ہے کہ نافع بن ازرق حروری (خوارج کا ایک فرد) حضرت ابن عمرؓ

کے پاس آیا اور اس نے حضرت عثمانؓ کے بارے میں دریافت کیا، حضرت ابن عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کی خوبیاں ذکر کیں اور اس سے پوچھا:

لَعَلَّ ذَاکَ یَسُوءُ کَ.

شاید یہ خوبیاں تمہیں بری لگی ہوں۔

وہ حضرت عثمانؓ سے بدگمان اور مخالف تھا، بولا: ہاں بری لگی ہیں، حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا:

فَأَرُغَمَ اللّٰهُ بِأَنُفِکَ .

اللہ تیری ناک خاک میں رگڑیں۔

پھر اس نے حضرت علیؓ کے بارے میں پوچھا، تو حضرت ابن عمرؓ نے حضرت علیؓ کے محاسن بیان کیے اور اس سے کہا:

لَعَلَّ ذَاکَ یَسُوءُ کَ.

شاید یہ بات تمہیں بری لگی ہو۔

اس نے کہا: ہاں بری لگی ہے، حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا:

فَأَرُغَمَ اللّٰهُ بِأَنُفِکَ، انُطَلِقُ، فَاجُهَدُ عَلَیَّ جُهُدَکَ.

اللہ تیری ناک خاک میں رگڑیں، جا اور میرے خلاف جو کچھ کر سکتا ہو کر لے۔ (بخاری: المناقب: مناقب علی: ۳۷۰۴)

عبید اللہ بن زیاد کی صحابہ کے بارے میں بدگمانی اور تبصرہ بازی

صحابی رسول حضرت عائذ بن عمروؓ عبید اللہ بن زیاد (بنی امیہ کا ایک حاکم و گورنر) کے پاس آئے اور اسے سمجھاتے ہوئے فرمایا:

أَیُ بُنَیَّ: إِنِّی سَمِعُتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَی اللّٰهُ عَلَیُهِ وَسَلَّمَ یَقُولُ: إِنَّ شَرَّ الرِّعَاءِ الُحُطَمَةُ.

اے میرے بیٹے ! میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: کہ سب سے بدتر حاکم وذمہ دار وہ ہے جو ظالم اور سخت پکڑ کرنے والا ہو۔

یہ سن کر عبید اللہ بن زیاد نے گستاخی کرتے ہوئے کہا:

اِجْلِسْ، فَإِنَّمَا أَنْتَ مِنْ نُخَالَةِ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمِ.

بیٹھ جاؤ، تم تو آپ ﷺ کے ادنیٰ اور معمولی صحابہ میں ہو، تمہاری بات کا کیا اعتبار؟

ظاہر ہے کہ یہ جملہ انتہائی گستاخانہ بھی ہے اور صحابہ کے تعلق سے بدگمانی پر مبنی بھی ہے، اس پر حضرت عائذ نے فرمایا:

وَهَلْ كَانَتْ لَهُمْ نُخَالَةٌ، إِنَّمَا كَانَتِ النُّخَالَةُ بَعْدَهُمْ، وَ فِي غَيْرِهِمْ.

کیا صحابہ میں بھی ادنیٰ لوگ ہوتے ہیں، ادنی لوگ تو صحابہ کے بعد اور صحابہ کے علاوہ والوں میں ہیں۔ (مسلم: الامارۃ: باب فضیلۃ الامیر العادل: ۴۷۳۳)

حضرت عروہؒ کے بارے میں بدگمانی

حضرت عروہ بن الزبیرؒ مشہور تابعی ہیں، مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں، ذاتی علم وفضل اور اعلیٰ کمالات کے ساتھ ہی اللہ نے انہیں عظیم نسبی اور خاندانی شرف سے بھی نوازا تھا، آپ ﷺ کے حواری عشرہ مبشرہ میں سے ایک جلیل القدر صحابی حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ آپ کے والد ماجد، خلیفۂ رسول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کے نانا، حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہا آپ کی والدہ ماجدہ، حضور اکرم ﷺ آپ کے خالو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی خالہ ہیں۔

روایات میں آتا ہے کہ حضرت عروہ بن الزبیرؓ اپنے بیٹے محمد بن عروہ کو لے کر ولید بن عبدالملک کے پاس پہونچے، محمد بن عروہ کسی کام سے اصطبل میں گئے، وہاں ایک جانور نے ان کو مار دیا، ان کا اسی وقت انتقال ہوگیا، خود حضرت عروہ کے پاؤں پر ایک پھوڑا نکلا، اس کی تکلیف بڑھ گئی، اطبا سے مشورہ کیا گیا تو سب نے بالاتفاق رائے دی کہ پاؤں کو قطع کئے بغیر چارہ نہیں، چنانچہ جب اطباء جمع ہوگئے اور کام شروع ہونے لگا تو اطباء نے کہا کہ ہم آپ کو تھوڑی سے شراب پلانا چاہتے ہیں، انہوں نے جواب دیا کہ میں عافیت حاصل کرنے کے لئے حرام چیز استعمال نہیں کروں گا، انہوں نے کہا کہ اچھا! ہم آپ کو خواب آور دوا پلاتے ہیں، تو آپ نے فرمایا:

مَاأُحِبُّ أَنْ أُسْلَبَ عُضْوًا مِنْ أَعْضَائِی وَ أَنَا لَا أَجِدُ أَلَمَ ذَالِکَ فَأَحْتَسِبَهُ.

مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میرا کوئی عضو کاٹا جائے اور مجھے اس کی تکلیف محسوس نہ ہو جس پر میں ثواب کی امید رکھوں۔

اس طرح خواب آور دوا استعمال کرنے سے بھی انکار کردیا، پھر کچھ اجنبی قسم کے لوگوں کو دیکھا تو آپ نے پوچھا کہ یہ کون ہیں، بتایا گیا کہ یہ آپ کو اس عمل کے دوران پکڑ کر رکھنے کے لئے آئے ہیں، کیونکہ ممکن ہے تکلیف نا قابل برداشت ہوجائے، آپ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ ان کی ضرورت نہیں پڑے گی، پھر آپ تسبیح وتہلیل میں مشغول ہوگئے اور اطباء نے اپنا کام شروع کیا، پہلے کچھ حصہ چاقو سے قطع کیا، پھر ہڈی کو آری کے ذریعہ کاٹا، اس دوران وہ تکبیر وتہلیل میں مشغول رہے، کوئی جزع فزع نہیں، حتی کہ اس عمل کے دوران خلیفہ ولید بن عبد الملک وہیں کسی سے بات کررہے تھے، اطباء اپنے عمل سے فارغ ہوگئے اور خلیفہ کو خبر تک نہ ہوئی، پھر تیل گرم کرکے لایا گیا اور خون بند کرنے کے لئے اس میں پاؤں کو ڈالا گیا، اس موقعہ پر ان پر بے ہوشی طاری ہوگئی، ہوش میں آکر چہرے سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہنے لگے:

لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا.

ہم نے اس عمل میں بڑی مشقت کا سامنا کیا ہے۔

جب انہوں نے اپنے کٹے ہوئے قدم کو دیکھا تو اپنے ہاتھوں میں الٹ پلٹ کر فرمایا:

أَمَا وَالَّذِیْ حَمَّلَنِی عَلَیْکَ، إِنَّهُ لَیَعْلَمُ أَنِّی مَا مَشَیْتُ بِکَ إِلَی حَرَامٍ، أَوْ قَالَ مَعْصِيَةٍ.

سنو: قسم ہے اس اللہ کی جس نے میرا بوجھ تم پر رکھا، اسے خوب معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کبھی کسی حرام یا گناہ کی طرف نہیں چلا۔

ایسے موقع پر انہیں اپنے بیٹے کی حادثاتی موت کی اطلاع ملی، لیکن وہ راضی بقضا رہے، جزع فزع کا کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالا، جب مدینہ منورہ پہونچے تو اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ، كَانَ لِیْ بَنُوْنَ سَبْعَةٌ، فَأَخَذْتَ وَاحِداً، وأَبْقَيْتَ لِیَ سِتَّةً، وَ كَانَ لِیْ أَطْرَافٌ أَرْبَعَةٌ، فَأَخَذْتَ طَرَفًا وَ أَبْقَيْتَ ثَلاثَةً، وَلَئِنِ ابْتَلَيْتَ لَقَدْ عَافَيْتَ، وَلَئِنْ أَخَذْتَ لَقَدْ أَبْقَيْتَ. (کشف الباری: ۲/۴۳۹)

خدایا: میرے سات بیٹے تھے، آپ نے ایک بیٹا لے لیا، مگر چھ باقی چھوڑ دیئے، میرے چار اطراف (دو ہاتھ دو پیر) تھے، آپ نے ایک لے لیا اور تین باقی چھوڑ دیئے، اگر آپ نے آزمائش میں ڈالا ہے تو بلا شبہ آپ نے بڑی عافیت بھی بخشی ہے، اگر آپ نے کچھ لے لیا ہے تو بلا شبہ بہت کچھ باقی بھی چھوڑا ہے۔

اس کے بعد مدینہ واپس آئے، ملاقاتیوں کا ہجوم آتا رہا، مگر نہ آپ نے پیر کا ذکر کیا، نہ اپنے فرزند کا، صبر وضبط کا مجسم بنے رہے، کوئی شکوہ نہ کیا، آپ کو اطلاع ملی کہ کچھ تبصرہ باز لوگ

ازراہ بدگمانی یہ کہہ رہے ہیں:

إِنَّما اَصَابَهُ ذَالِکَ بِذَنبٍ عَظِيمٍ أَحْدَثَهُ.

عروہ کے ساتھ یہ حالات ان کے کسی بڑے گناہ کی سزا ہیں۔

یہ سن کر حضرت عروہ نے عربی شاعر ''معن بن اوس'' کے یہ اشعار پڑھے:

لَعَمرُکَ مَا أَهْوَيْتُ کَفِّي لِرِيبَةٍ
وَ لا حَمَلَتْنِي نَحْوَ فَاحِشَةٍ رِجْلِيْ

وَلا قَادَنِيْ سَمْعِي وَ لا بَصَرِي لَهَا
وَلا دَلَّنِي رَأْيِي عَلَيْهَا وَلا عَقْلِيْ

وَلَسْتُ بِمَاشٍ مَا حَيِيتُ لِمُنكَرٍ
مِنَ الأَمْرِ لا يَمْشِي إِلَى مِثْلِهِ مِثْلِي

وَ لا مُؤْثِرٍ نَفْسِي عَلَى ذِيْ قَرَابَةٍ
وَأُوثِرُ ضَيْفِي مَا أَقَامَ عَلَى اَهْلِي

وَ أَعْلَمُ أَنِّي لَمْ تُصِبْنِيْ مُصِيبَةٌ
مَنَ الدَّهْرِ اِلَّا قَدْ أَصَابَتْ فَتىً مِثْلِيْ

(البداية و النهاية:۹/ ۱۸۰)

تیری زندگی کی قسم میں نے کبھی کسی برائی کی طرف اپنا ہاتھ نہیں بڑھایا، اور کسی بے حیائی کے کام کی طرف میرا پیر مجھے لیکر نہیں گیا، اور میرے کان اور آنکھ نے گناہ کی طرف میری رہنمائی نہیں کی، اور میرے دماغ اور عقل نے گناہ کا پتہ مجھے نہیں بتایا، جب تک میں زندہ رہوں گا کسی ایسے گناہ کی طرف نہیں چلوں گا جس کی طرف مجھ جیسے کو نہیں چلنا چاہئے، اور اپنی ذات کو اپنے کسی قرابت دار پر ترجیح نہیں دوں گا، بلکہ میں ہمیشہ مہمان کو ترجیح دوں گا، وہ

چاہے جب تک میرے گھر میں رہے، مجھے معلوم ہے کہ جو مصیبت میرے اوپر آئی ہے وہ مجھ جیسوں پر ہی آتی ہے۔

واقعۂ افک

سیرت نبوی میں اہم واقعات میں واقعۂ افک بھی ہے، جس کی تفصیلات تفسیر وحدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں، یہ واقعہ ۶ ؍ہجری کا ہے۔

رسول اکرم ﷺ غزوۂ بنی المصطلق سے مدینہ واپس آرہے ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ساتھ ہیں، راستے میں کسی منزل پر حضرت عائشہؓ قضاء حاجت کے لئے ہودج سے باہر ویرانے کی طرف جاتی ہیں، واپس آتی ہیں تو قافلہ جاچکا ہوتا ہے، چوں کہ آپ ہلکے بدن کی ہیں، اور ہودج پر پردہ پڑا ہوا ہے، اس لئے کسی کو یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ آپ ہودج میں نہیں ہیں، حضرت عائشہؓ پریشان ہوکر چادر لپیٹ کر اسی مقام پر لیٹ جاتی ہیں تاکہ تلاش کرنے والے کو آنے پر دقت نہ ہو۔

حضرت صفوان رضی اللہ عنہ جو قافلے سے پیچھے چلنے پر اور بھولے بھٹکے لوگوں کی خبر گیری پر مامور ہیں، آتے ہیں، قریب پہنچ کر ام المؤمنین کو پاتے ہیں اور حیرت واستعجاب سے ''إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّـا إِلَيْـهِ رَاجِعُوْنَ'' پڑھتے ہیں، اپنا اونٹ بٹھا دیتے ہیں، ام المؤمنین سوار ہوجاتی ہیں، حضرت صفوانؓ پیدل اونٹ کی نکیل تھامے چلتے ہیں، بالآخر قافلے سے آملتے ہیں، بس کینہ پرور منافقوں کو موقع مل جاتا ہے اور وہ اسے افسانہ بنا ڈالتے ہیں، اور مدینے کی پرسکون فضا میں ناموسِ رسول ﷺ کے خلاف افتراء والزام کا طوفان کھڑا کردیتے ہیں، چند مسلمان بھی ان کے جھانسے میں آکر وہی باتیں دہراتے ہیں، پورا مسلم معاشرہ ناقابل بیان اذیت میں مبتلا ہے، بالآخر قرآنِ کریم کی صریح اور دوٹوک آیات کے ذریعہ ام المؤمنین کی براءت اور ریشہ دوانی میں مصروف دشمنوں کی سازش کا مکمل بیان نازل ہوتا ہے۔

مفسدین کی فتنہ پردازیوں سے جو مسلمان متاثر ہوئے اوران کے دلوں میں حضرت عائشہ کے کردار کے حوالے سے نعوذ باللہ بدگمانی پیدا ہوئی، قرآن نے ان کو براہ راست خطاب کیا ہے، فرمایا گیا:

لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْراً وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ. (النور:۱۲)

جس وقت تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی، تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ مؤمن مرد بھی اور مؤمن عورتیں بھی اپنے بارے میں نیک گمان رکھتے اور کہہ دیتے کہ یہ کھلم کھلا جھوٹ ہے؟

آگے یہ بھی فرمایا گیا ہے:

وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ، يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَن تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَداً إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ. (النور:۱۶-۱۷)

اور جس وقت تم نے یہ بات سنی تھی، اسی وقت تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ: ہمیں کوئی حق نہیں پہونچتا کہ ہم یہ بات منھ سے نکالیں، یا اللہ آپ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے، یہ تو بڑا زبردست بہتان ہے، اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا، اگر واقعی تم مؤمن ہو۔

ان آیات سے واضح ہو رہا ہے کہ اسلامی سماج میں ہر مرد وعورت کا یہ مسلّم حق ہے کہ معاشرے کے دیگر افراد ان کے بارے میں حسن ظن رکھیں، اور حسن ظن کو مجروح کرنے والی کوئی خبر یا بات نہ تو تحقیق کے بغیر قبول کی جائے اور نہ تحقیق سے پہلے غیر جانب داری سے کام لیا جائے؛ بلکہ اپنے بھائیوں اور بہنوں کی مدافعت کی جائے، اور دوسروں کی آبرو کی حفاظت کا جو فرض از روئے شرع سب پر عائد کیا گیا ہے، اس کی بجا آوری کی جائے، یہ اسلامی سماج کا

اخلاقی قانون ہے، جس کی دھجیاں کھلم کھلا ہمارے اس دور میں بکھیری جا رہی ہیں، اور سوءِ ظن، بہتان طرازی اور اتہام وافتراء پردازی کو کمال باور کیا جا رہا ہے۔

حضرت ابوایوبؓ اور حضرت ام ایوبؓ کا کردار

مدینۃ المنورہ میں جب یہ صورت حال تھی اور منافقین نے آپ ﷺ کے حرم محترم کی کردار کشی کی مہم چھیڑ رکھی تھی، حضرت ابوایوب انصاریؓ کی اہلیہ نے ان سے کہا:

أَلا تَسمَعُ مَا يَقُولُ النَّاسُ فِي عَائِشَةَ؟

لوگ حضرت عائشہؓ کے بارے میں جو باتیں بنا رہے ہیں، آپ نے سنیں؟

حضرت ابوایوبؓ نے سنتے ہی کہا:

بَلَىٰ: وَ ذَالِکَ الْكِذْبُ، أَكُنتِ يَا أُمَّ اَيُّوبَ فَاعِلَةً لَوْ كُنتِ مَكَانَهَا؟

ہاں: سنیں، مگر وہ سب جھوٹ ہیں، اے ام ایوب! اگر تم ان کی جگہ ہوتیں تو کیا تم ایسا کرتیں؟

حضرت ام ایوبؓ بولیں:

لَا، وَاللّٰهِ، مَا كُنتُ لِاَ فْعَلَهُ.

نہیں، خدا کی قسم: میں بالکل ایسا نہ کرتی۔

حضرت ابوایوبؓ نے فرمایا:

فَعَائِشَةُ وَاللّٰهِ خَيرٌ مِنکِ.

پھر تو حضرت عائشہؓ خدا کی قسم تم سے بدرجہا بہتر ہیں۔

حضرت ام ایوبؓ نے کہا:

نَعَمْ هِيَ خَيرٌ مِنِّي. (السيرة النبوية لابن هشام:٤/٢٨٦، تاريخ الطبرى:٢/١١٤)

ہاں، بالکل وہ مجھ سے بہتر ہیں۔

غور کیا جائے کہ اس معاملہ میں حضرت ابوایوبؓ اوران کی اہلیہ نے کتنا اعلیٰ ایمانی کردار پیش کیا ہے، قرآن نے اوپر مذکورہ آیات میں ایسے تمام مواقع پر اہل ایمان سے اسی کردار کا مطالبہ کیا ہے۔

حضرت طلحہ بن عبدالرحمٰن بن عوفؒ کا کردار

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے صاحبزادے حضرت طلحہؒ اپنے دور کے معروف فیاض اورسخی انسان تھے، ان سے ان کی بیوی نے ایک دن کہا:

مَا رَأَيْتُ قَوْماً أَلْأَمَ مِنْ إِخْوَانِكَ.

میں نے آپ کے اہل تعلق سے زیادہ مفاد پرست اورطوطاچشم کوئی گروہ نہیں دیکھا۔

حضرت طلحہؒ نے پوچھا: کیوں؟ وہ بولیں:

أَرَاهُمْ إِذَا أَيْسَرْتَ لَزِمُوكَ، وَإِذَا أَعْسَرْتَ تَرَكُوكَ.

میں ان کا یہ انداز دیکھتی آرہی ہوں کہ آپ خوش حال ہوتے ہیں تو سب آپ کو گھیر لیتے ہیں، اور جب آپ تنگی میں ہوتے ہیں سب کنارہ کش ہوجاتے ہیں۔

اس کے جواب میں حضرت طلحہؒ نے اپنے اہل تعلق سے بدگمانی کے بجائے ان کی صفائی دی اورکہا:

هٰذَا وَاللّٰهِ مِنْ كَرَمِهِمْ، يَأْتُونَنَا فِي حَالِ الْقُوَّةِ بِنَا عَلَيْهِمْ، وَيَتْرُكُونَا فِي الضُّعْفِ بِنَا عَنْهُمْ.

بخدا! یہ تو ان کا کرم ہے، کہ جب ہم ان کے مقابلے میں طاقت ور ہوتے ہیں تو وہ ہمارے پاس آتے ہیں، اور جب ہم کمزور ہوتے ہیں تو وہ نہیں آتے۔

اس طرح انہوں نے اپنے اہل تعلق کی بے وفائی اور خود غرضی کے عمل کو اپنی وسعتِ ظرف اور اعلیٰ کردار کی بنا پر وفاداری اور کرم پر محمول کیا۔

علامہ ماوردیؒ نے اس واقعے پر تبصرہ کیا ہے:

وَهٰذَا مَحْضُ الْكَرَمِ وَلُبَابُ الْفَضْلِ، وَ بِمِثْلِ هٰذَا يَلْزَمُ ذَوِى الْفَضْلِ أَنْ يَتَأَوَّلُوا الْهَفَوَاتِ مِنْ اِخْوَانِهِمْ. (صاحب الخلق الراقى: د/خالد عمر الدسوقى:٤٨)

یہ واقعہ شرافت، مروت اور حسن تعلق کا شاہکار ہے، تمام اہل علم پر اس کی روشنی میں لازم ہے کہ وہ اپنے احباب اور اہل قرابت کی لغزشوں اور بے مروتیوں کی ایسی ہی تاویل اور توجیہ کریں۔

حضرت حسن بصریؒ کا واقعہ

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حسن بصریؒ ساحل سمندر پر گئے، ماحول بہت خوشگوار تھا، کشتی داں اپنی کشتیاں چلا رہے تھے، ہر کوئی شخص اپنے کاموں میں مشغول تھا، حسن بصریؒ بھی موسم کا مزہ لے رہے تھے کہ اچانک ان کی نظر دور میدان پر پڑی، جہاں ایک خاتون لیٹی ہوئی تھی اور اس کے بالکل قریب ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا، آدمی کے ہاتھ میں بوتل تھی کبھی خود پیتا اور کبھی اس عورت کو پلاتا، کبھی جھک کر اس کی بانہوں میں ہو جاتا، حسن بصریؒ نے یہ منظر دیکھا تو دل ہی دل میں لاحول پڑھنے لگے، ملامت کرنے لگے، اتنے میں دیکھتے ہی دیکھتے سمندر میں طغیانی آگئی، چار آدمی جو کشتیاں چلا رہے تھے، موت سے لڑ رہے تھے، اچانک وہ شخص اٹھا اور دوڑتے ہوئے پانی میں چھلانگ لگا دی، اور پھر ایک ایک کر کے تینوں آدمیوں کو ساحل پر لے آیا، اب حسن بصریؒ جو ملامت کر رہے تھے حیرت زدہ تماشائی بن کر دیکھ رہے تھے، وہ آدمی تینوں کو نکال کر حسن بصریؒ کے پاس آیا اور کہنے لگا حسن بصریؒ ذرا اس چوتھے آدمی کو تو نکال لاؤ،

حسن بصریؒ نادم ہوئے انہیں تیرنا نہیں آتا تھا، دوسری تعجب کی بات یہ تھی کہ اس شخص کو حسن بصریؒ کا نام کیسے معلوم ہوا، یہ آدمی پھر خود ہی جا کر تیزی سے اس چوتھے شخص کو بچالایا، حسن بصریؒ حیرت کے عالم میں بس دیکھتے ہی رہے، وہ شخص پھر حسن بصریؒ کے پاس آیا اور کہنے لگا حسن بصریؒ بدگمانی نہ کرو میں دیکھ رہا ہوں کہ تم مجھ پر ملامت کر رہے ہو، وہ جو عورت ہے وہ میری ماں ہے، ہم صحراء عبور کر کے آئے ہیں، میں اپنی ماں کو اپنے کاندھے پر بٹھا کر لایا ہوں، تھکنے کی وجہ سے ہم دونوں لیٹ گئے تھے اور جو تم اس بوتل کے بارے میں خیال کر رہے تھے کہ کوئی نشہ آور شئے ہے، نہیں بلکہ پانی ہے، کبھی میں اس کو پانی پلاتا ہوں اور کبھی میں خود پیتا ہوں، اور میری ماں محبت سے مجھے اپنی آغوش میں لے لیتی ہے، حسن بصریؒ نے اپنی اس بدگمانی سے توبہ کرلی۔ (مستفاد از: خطبات اسلم: ۷/ ۱۵۶-۱۵۷)

خواجہ عبید اللہ احرارؒ کی داستان

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ جب ہرات میں تھے تو ان پر سخت افلاس کا عالم تھا، ان کے پاس صرف ایک قبا تھی جو جگہ جگہ سے پھٹ گئی تھی اسی طرح ان کی دستار کی دھجیاں لٹکی رہتی تھیں، مگر حضرت اپنا وقت نہایت صبر وشکر سے گذارتے تھے، کبھی کبھی وہ حضرت قاسم تبریزیؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے جو ہرات میں ہی مقیم تھے اور بڑے خدارسیدہ بزرگ تھے، وہ خواجہ احرارؒ پر بڑی شفقت فرماتے کہ اے عبید اللہ ان شاء اللہ وہ وقت بہت جلد آنے والا ہے جب تیرا افلاس دور ہو جائے گا اور دنیا تیری مطیع وفرمانبردار ہوگی، کچھ عرصہ بعد خواجہ احرارؒ تاشقند تشریف لے گئے اور ایک زمیندار سے شرکت کر کے زراعت کا کام شروع کر دیا، اللہ تعالیٰ نے اس کام میں اتنی برکت دی کہ ان کے مزارعین کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی اور ان کی زمین کی پیداوار کا عشر ہزاروں من غلہ تک پہنچ گیا، اسی زمانہ میں مولانا عبد الرحمٰن جامیؒ (صاحب نفحات الانس) ان کی زیارت کے لئے تاشقند آئے، انہوں نے شہر کے قریب دیکھا کہ ہزاروں من

غلہ باہر جا رہا تھا، لوگوں سے پوچھا کہ اس غلے کا مالک کون ہے؟ انہوں نے کہا: خواجہ عبید اللہ احرارؒ، یہ سن کر ان کے دل میں خواجہ صاحب کے لئے بدظنی سی پیدا ہوگئی کہ میں تو ان کے فقر کا شہرہ سن کر آیا ہوں، لیکن وہ تو دولت میں کھیل رہے ہیں، چنانچہ انہوں نے واپس جانے کا ارادہ کیا مگر پھر خیال آیا کہ اتنی دور آیا ہوں ان سے مل لینے میں کیا حرج ہے، اسی خیال سے خواجہ صاحب کی خانقاہ میں پہنچے، آپ وہاں موجود نہیں تھے، مولانا جامیؒ بہت تھکے ہوئے تھے، خواجہ صاحب کے انتظار میں لیٹ گئے اور بہت جلد نیند کی آغوش میں پہنچ گئے، خواب میں دیکھا کہ حشر کے میدان میں ہیں اور ایک شخص ان سے اپنا قرض طلب کر رہا ہے، لیکن ان کے پاس کچھ نہیں ہے، چنانچہ وہ ان کو دوزخ کی طرف گھسیٹنے لگتا ہے، اسی اثناء میں خواجہ عبید اللہ احرارؒ تشریف لاتے ہیں اور ان کا قرض اپنی گرہ سے ادا کر کے رہائی دلاتے ہیں، اس کے بعد مولانا جامیؒ کی آنکھ کھل گئی، دیکھا تو خواجہ احرارؒ ان کے پاس بیٹھے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ میرا مال اسی لئے ہے کہ تجھ جیسوں کو نجات دلاؤں، مولانا جامیؒ ششدر رہ گئے اور اسی وقت آپ کی بیعت کر لی۔ (اصلاحی واقعات کا مثالی مجموعہ: ۴۸۲-۴۸۳)

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کا واقعہ

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ حج کے سفر سے واپسی پر بذریعہ ٹرین سفر کر رہے تھے، ان کے قریب ایک ہندو جنٹلمین بھی بیٹھا ہوا تھا، اس کو بیت الخلاء جانے کی ضرورت ہوئی، جا کر دیکھا کہ بیت الخلاء بہت ہی گندہ ہو رہا ہے، فوراً واپس چلے آئے کسی نے پوچھا آپ گئے اور آ گئے کیا بات ہے، کہا کہ لوگ گند مچا دیتے ہیں، بیت الخلاء صاف ہی نہیں کرتے، مجھے ضرورت تو تھی، لیکن بیت الخلاء اتنا گندہ کہ طبیعت میں نفرت پیدا ہوگئی، اس لئے چلا آیا ہوں، یہ کہہ کر وہ ہندو جنٹلمین بیٹھ گیا، تھوڑی دیر کے بعد زائر حرم حضرت مدنیؒ اٹھے اور ٹرین کے بیت الخلاء میں تشریف لے گئے، سارے بیت الخلاء کو

اچھی طرح صاف کردیا، آہستہ سے آکر اپنی سیٹ پر بیٹھ گئے، اور کہنے لگے کہ ابھی ابھی میں بیت الخلاء گیا دیکھا کہ بیت الخلاء بالکل صاف ہے، یہ اس لئے کہا کہ تاکہ وہ جنٹلمین ہندو بیت الخلاء میں جاکر اپنی ضرورت پوری کرلے، یہ ہندو گیا جاکر دیکھا کہ واقعتاً بیت الخلاء میں بڑی اچھی صفائی ہے، چنانچہ اس نے اپنی ضرورت پوری کی اور واپس آکر کہنے لگا کہ واقعی کسی نے بہت اچھی صفائی کی ہے، لوگوں کو تجسس ہوا کہ آخر صفائی کس نے کی ہے، وہاں ایک عالم خواجہ نظام الدین کے نام سے بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے غائبانہ طور پر حضرت مدنیؒ کے بارے میں کچھ سن رکھا تھا جس کی وجہ سے آپ کی مخالفت کرتے اور آپ سے بدگمانی رکھتے تھے، انہوں نے کھود کرید کی تو پتہ چلا کہ حضرت مدنیؒ نے بیت الخلاء صاف کیا ہے، خواجہ نظام الدین ہاتھ جوڑ کر حضرت مدنیؒ کے سامنے کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے حضرت آپ مجھے معاف فرمادیں، میں نے عمر بھر آپ کی غیبت کی، آپ سے بدگمان رہا، مجھے آپ کی عظمتوں کا پتہ نہیں تھا، آج پتہ چلا کہ آپ کتنے عظیم الشان بزرگ ہیں، ایک ہندو کی خاطر آپ نے ایسا کام کیا ہے، حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ میں نے تو اپنے نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل کیا ہے۔ (خطبات اسلم: ۷/۱۵۱-۱۵۲)

حضرت مولانا موسیٰ خان روحانیؒ کا واقعہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا موسیٰ خان روحانیؒ ہمارے اس دور کے جلیل القدر علماء اور بزرگ وقد آور شخصیات میں سے تھے، ان کے صاحب زادے نے ان کی زندگی کا ایک عجیب واقعہ لکھا ہے کہ:

’’ایک مرتبہ حضرت شیخ بمع اہل وعیال حج کے لئے حرمین شریفین تشریف لے گئے، حج کے بعد چندروز مدینہ منورہ میں قیام فرمایا، مولانا سعید احمد خان (جو کہ تبلیغی جماعت کے بڑے بزرگوں میں سے تھے) کو جب آپ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو آپ کی بمع اہل خانہ اپنی مدینہ منورہ والی رہائش گاہ میں دعوت کی، دعوت کے دوران والد محترم رحمہ اللہ، مولانا سعید احمد خان

رحمہ اللہ کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص (جو کہ مدینہ منورہ کا ہی رہائشی تھا) آیا، اس نے جب مولانا محمد موسیٰ خان روحانی بازی رحمہ اللہ کو اس مجلس میں تشریف فرما دیکھا تو انہیں سلام کر کے مؤدبانہ انداز میں ان کے قریب بیٹھ گیا اور عرض کیا: حضرت میں آپ سے معافی مانگنے کے لئے حاضر ہوا ہوں، آپ مجھے معاف فرما دیں، والد ماجد نے فرمایا: بھائی کیا ہوا، میں تو آپ کو جانتا ہی نہیں، نہ کبھی آپ سے ملاقات ہوئی، تو کس بات پر معاف کر دوں؟ وہ شخص پھر کہنے لگا: بس حضرت آپ معاف کر دیں، حضرت شیخ نے فرمایا: کوئی وجہ بتلاؤ تو سہی؟ وہ شخص کہنے لگا: جب تک آپ معاف نہیں فرمائیں گے، میں بتلا نہیں سکتا، تو والد صاحب نے اپنے مخصوص لب ولہجہ میں فرمایا: اچھا، بھئی معاف کیا، اب بتلاؤ کیا بات ہے؟ وہ کہنے لگا حضرت میری رہائش مدینہ منورہ میں ہی ہے، میں اپنے رفقاء اور ساتھیوں سے اکثر آپ کا نام اور آپ کے علم وفضل کے واقعات سنتا رہتا تھا، چنانچہ میرے دل میں آپ کی زیارت وملاقات کا شوق پیدا ہوا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ تمنا بڑھتی گئی، مگر کبھی زیارت کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔

اتفاق سے چند دن قبل آپ مسجد نبوی میں نوافل میں مشغول تھے کہ میرے ایک ساتھی نے مجھے اشارے سے بتلایا کہ یہ ہیں مولانا محمد موسیٰ خان صاحب، جن کے بارے میں تم اکثر پوچھتے رہتے ہو، میں نے چوں کہ اس سے پہلے آپ کو دیکھا تک نہیں تھا، اس لئے میرے ذہن میں آپ کے بارے میں ایک تصور قائم تھا کہ پھٹا پرانا لباس ہوگا، دنیا کا کچھ پتہ نہیں ہوگا، لیکن جب میں نے نوافل پڑھتے ہوئے آپ کا حلیہ اور وجاہت دیکھی تو میرے ذہن میں جو پھٹے پرانے لباس کا تصور تھا، وہ ٹوٹ گیا اور دل میں آپ کے بارے میں کچھ بدگمانی پیدا ہو گئی۔

چنانچہ میں آپ سے ملے بغیر ہی واپس لوٹ گیا، اسی رات کو خواب میں مجھے نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی، کیا دیکھتا ہوں نبی کریم ﷺ انتہائی غصے میں ہیں، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے ایسی کیا غلطی ہو گئی کہ آپ ناراض دکھائی دے رہے ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میرے موسیٰ کے بارے میں بدگمانی کرتے ہو، فوراً میرے مدینے سے نکل جاؤ،

میں خوف سے کانپ گیا، فوراً معافی چاہی، فرمایا: جب تک ہمارا موسیٰ معاف نہیں کرے گا میں بھی معاف نہیں کروں گا، یہ خواب دیکھنے کے بعد میں بیدار ہوگیا اور اس دن سے میں مسلسل آپ کو تلاش کررہا ہوں مگر آپ کی جائے قیام کا پتہ نہیں لگا سکا، آج آپ سے اتفاقاً ملاقات ہوگئی تو معافی مانگنے کے لئے حاضر ہوگیا ہوں، حضرت شیخ رحمہ اللہ نے جب یہ واقعہ سنا تو پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے"۔ (تحفۃ الائمہ: ۱۲۱-۱۲۳)

یہ چند مثالیں ذکر کی گئیں، ہماری تاریخ میں ایسے نمونے بے شمار ہیں۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے بیش قیمت ارشادات

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے ملفوظات میں ہے:

"بدگمانی تکبر سے پیدا ہوتی ہے، مذموم بدگمانی وہ ہے جو خود لائی جائے، باقی جو وسوسہ خود آئے وہ مذموم بدگمانی نہیں، جب تک اس پر عمل نہ ہو اور عمل کی صورت یہ ہے کہ یا دل اس پر اعتقاد جازم کرلے (یعنی یقین کرلے، پہلے صرف گمان تھا، پھر اس گمان کو یقین سے تبدیل کردیا) یا زبان سے کسی کے سامنے اس کا تذکرہ کردے، جب کسی سے بدگمانی پیدا ہو جس کا منشا کبر ہے، تو اپنے عیوب کو پیش نظر کرلیا کرو۔ (انفاس عیسیٰ: ۱۵۳-۱۵۶)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم نے اس ملفوظ کی توضیح فرمائی ہے:

ایک شخص کے طرز عمل سے اس کے بارے میں آپ کو کچھ شبہ ہوا، اور دل میں وسوسہ آیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے فلاں کام کیا ہوگا، اگر دل میں یہ وسوسہ خود بخود آیا اور خود بخود دل میں شبہ پیدا ہوا تو اس پر کوئی گناہ نہیں، کیونکہ اس میں آپ کے اختیار کو کوئی دخل نہیں، مثلاً رمضان کے دن میں آپ نے ایک شخص کو ہوٹل سے نکلتے دیکھا، آپ کے دل میں خیال آئے گا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے روزہ توڑا ہے، اب یہ جو خیال دل میں خود بخود پیدا ہوا، یہ کوئی گناہ نہیں، البتہ آدمی کو چاہئے کہ حتی الامکان اس کے اس عمل کو صحیح محمل پر محمول کرے، مثلاً یہ کہ یہ شخص جو ہوٹل سے نکل رہا ہے، شاید

یہ اپنے بیمار کے لئے کھانا خریدنے گیا ہوگا یا کسی آدمی سے بات کرنے کے لئے ہوٹل کے اندر گیا ہوگا، یہ احتمالات بھی موجود ہیں، لہذا دل میں یہ احتمالات پیدا کرے کہ شاید ایسا ہوا ہو، زیادہ تحقیق میں پڑنے کے ہم مکلّف نہیں۔

لہٰذا خود بخود دل میں جو خیال آیا تھا، وہ گناہ نہیں، اس پر مؤاخذہ بھی نہیں، لیکن اگر دل میں جو خیال پیدا ہوا تھا، اس پر آپ نے پہلے اعتقاد اور یقین کرلیا کہ یہ صاحب ہوٹل میں روزہ توڑنے کے لئے داخل ہوئے تھے اور کھانا کھا کر باہر آئے ہیں، اس کا یقین کرلیا اور دوسرے احتمالات کی طرف دھیان نہیں کیا، اور پھر اس سے آگے بڑھ کر یہ کیا کہ دوسروں کے سامنے بیان کرنا شروع کردیا کہ میں نے خود اس کو روزہ میں کھاتے ہوئے دیکھا ہے، حالانکہ اس نے صرف یہ دیکھا تھا کہ وہ شخص ہوٹل سے نکل رہا تھا، کھاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، لیکن دوسروں کے سامنے اس طرح بیان کررہا ہے جیسے خود اس نے کھاتے ہوئے دیکھا تھا، اور سو فیصد یقین کے ساتھ دوسروں سے کہہ رہا ہے کہ یہ شخص روزہ خور ہے، یہ بدگمانی حرام اور ناجائز ہے، اس لئے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمارہے ہیں کہ دل میں خود بخود کسی کے بارے میں کوئی گمان پیدا ہوجانا، یہ کچھ گناہ نہیں، لیکن اس گمان پر سو فیصد یقین کربیٹھنا اور پھر اس یقینی انداز میں اس کا تذکرہ کرنا گناہ ہے۔ (اصلاحی مجالس: ۱/ ۲۲۱-۲۲۳)

بدگمانی کا علاج یہ ہے کہ اپنے عیوب پیش نظر رکھے جائیں، اور یہ سوچا جائے کہ میری اپنی حالت بہت خراب ہے، اور میں عیوب کا مجموعہ ہوں، میں دوسروں کے بارے میں کیا برے گمان رکھوں، اپنے عیوب کے استحضار سے یہ بیماری ختم ہوتی ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے مواعظ وملفوظات میں بدگمانی کے تعلق سے انتہائی بیش قیمت افادات ملتے ہیں جو تمام اہل ایمان بطور خاص اہل علم کے لئے سرمۂ بصیرت ہیں، حضرت تھانویؒ کے ان نفیس اور منتشر افادات کو ایک خاص ترتیب سے جدید اسلوب میں جمع کر کے انتہائی عظیم موسوعاتی خدمت انجام دینے والے صاحب علم وفضل وصلاح مصنف حضرت

مولانا مفتی محمد زید مظاہری ندوی زید مجدہم استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ہیں، موصوف نے ''امت کے باہمی اختلافات اوران کا حل'' نامی مجموعے میں ایک عنوان قائم کیا ہے ''حسن ظن کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں، سوءِ ظن کے لئے شرعی دلیل کی ضرورت ہے'' اس کے ذیل میں حضرت حکیم الامتؒ کے یہ افادات نقل کئے ہیں:

''میں نے خاص یہ صفت یعنی شکایت سے متاثر نہ ہونا دو بزرگوں میں ایک خاص شان کی دیکھی ہے، یوں تو سب ہی بزرگوں میں اچھی صفات ہوتی ہیں مگر پھر بھی تفاوت ضرور ہوتا ہے، ایک حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور ایک حضرت حاجی صاحبؒ میں، سو حضرت مولانا قاسم صاحبؒ تو شکایت سنتے ہی نہ تھے (جب کوئی حکایت یا شکایت کرتا تو) فرمادیتے کہ میں سننا نہیں چاہتا، اور حضرت حاجی صاحبؒ فرمادیتے کہ سب جھوٹ ہے، وہ شخص ایسا نہیں، حضرت حاجی صاحبؒ کی اس عادت کی دلیل قرآن میں ہے، وہ یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ پر منافقین نے تہمت لگائی تھی، حق تعالیٰ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

لَوْلَا جَاؤُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاء فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاء فَأُولَئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ. (النور:۱۳)

یہ لوگ اپنے قول پر چار گواہ کیوں نہیں لائے سو جس صورت میں قاعدہ کے موافق گواہ نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں۔ (بیان القرآن)

اور عند اللّٰہ سے مراد ہے فی دین اللّٰہ فی قانون اللّٰہ (یعنی اللہ کے دین میں اللہ کے قانون میں) اور آگے ارشاد ہے:

وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ. (النور:۱۶)

اور تم نے جب اس بات کو پہلے سنا تھا تو یوں کیوں نہ کہا کہ ہم کو زیبا نہیں کہ ہم ایسی بات منھ سے بھی نکالیں معاذ اللہ یہ تو بڑا بہتان ہے۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ حسن ظن کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں اور سوء ظن کی دلیل نہ ہونا یہی کافی دلیل ہے حسن ظن کی۔(امت کے باہمی اختلافات اوران کا حل: ۹۵-۹۶)

غور کر کے دیکھا جائے تو (باہم اختلاف اور) لڑائیوں کی بنیاد صرف اوہام پرستی ہے کسی کے بارے میں ذرا سا شائبہ ہوا اور اس پر حکم لگا کر لڑائی شروع کر دی، دوسرے نے جب کوئی لڑائی دیکھی تو شبہ کی اور زیادہ گنجائش ہے، ادھر سے سیر بھر لڑائی تھی ادھر سے پانچ سیر بھر ہونا کچھ بات ہی نہیں، اور جب اصل بات کی تحقیق کی جائے تو بات کیا نکلتی ہے کہ فلاں نے کہا تھا کہ وہ تمہاری شکایت کر رہا تھا (اور تمہارے متعلق اس طرح کی بات کر رہا تھا) سننے والا کہتا ہے کہ نقل کرنے والا بہت معتمد ایماندار ہے، بے سنے اس نے کبھی نہ کہا ہوگا۔

عموماً لڑائی ایسی ہی باتوں پر ہوتی ہے، کسی خدا کے بندے کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ جب شکایت سنے تو اس بیچ کے واسطے کو قطع کر کے خود اس شکایت کرنے والے سے پوچھ لے کہ تم نے میری شکایت کی ہے (اور میرے متعلق یہ بات کہی ہے؟)۔

مسنون طریقہ بھی یہی ہے کہ اگر کسی سے شکایت دل میں ہو تو اس شخص سے ظاہر کردے کہ تمہاری طرف سے میرے دل میں یہ شکایت ہے، اس شخص سے اس کا جواب مل جائے گا، اور اگر وہ شکایت غلط تھی تو بالکل دفعیہ ہو جائے گا، اور سنی سنائی باتوں پر اعتبار کر لینا اور اس پر کوئی حکم لگا دینا بالکل نصوص (قرآن وحدیث) کے خلاف اور جہالت ہے، اسی موقع کے لئے قرآن شریف میں موجود ہے:

اِجۡتَنِبُوا كَثِيۡرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ. (الحجرات)

یعنی بدگمانیوں سے بچو بیشک بہت سے بدگمانیاں گناہ ہوتی ہیں۔

اور ارشاد ہے:

إِيَّاكُم وَ الظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكۡذَبُ الۡحَدِيۡث.

بدگمانی سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ بدگمانی بدترین جھوٹ ہے۔

ہم نے تو تجربہ سے تمام عمر دیکھا کہ سنی ہوئی بات شاید کبھی سچ نکلتی ہو، ایک شخص کا قول ہے کہ ایسے واقعات کی روایتیں کہ جن سے راوی (نقل کرنے والے) کا کچھ ذاتی تعلق بھی نہ، اور راوی بھی ایسا ہو کہ جھوٹ کا عادی نہ ہو تب بھی جب کبھی دیکھا گیا اور تحقیق کی گئی تو تمام باتوں میں چوتھائی بات بھی سچ نہیں نکلتی، اور ان باتوں کی روایت کا تو پوچھنا ہی کیا جن میں راوی کی ذاتی غرض بھی شامل ہو، عموماً بدگمانیاں اور لڑائیاں ان ہی روایتوں کی بنا پر ہوتی ہیں کہ اصلیت کچھ بھی نہیں ہوتی، کچھ حاشیے اس پر روایت کرنے والے لگاتے ہیں کہ اس سے یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ فلاں ہمارا مخالف ہے، بس اس خیال و وہم سے لڑائی ٹھن جاتی ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے جنگل میں رات کے وقت آدمی اکیلا ہو اور اس کو شیر کا خوف ہو تو جب وہ ایک طرف کو دھیان جماتا ہے تو کوئی درخت اسے شیر معلوم ہونے لگتا ہے، پھر جب خیال کو ترقی ہوتی ہے تو اسی خیالی صورت میں ہاتھ پیر بھی نظر آنے لگتے ہیں، اور سچ مچ کا شیر معلوم ہونے لگتا ہے حالانکہ واقع میں کچھ بھی نہیں ہوتا صرف وہم کی کارگذاری ہوتی ہے، اسی طرح نفس سنی سنائی باتوں میں اختراع کرتا ہے اور خواہ مخواہ کی شکایت ہو جاتی ہے۔ (غوائل الغضب: حقوق الزوجین: ۲۲۴)

آج کل نااتفاقی (اور باہم اختلاف) اور پریشانی کے منجملہ اسباب میں سے ایک بڑا سبب بدگمانی ہے کہ قرائن ضعیفہ ومحتملہ (یعنی محض معمولی قرائن وانداز اور احتمال کی بنا پر) یا جھوٹی خبروں کی بنا پر دوسرے مسلمان بھائی سے بدگمانی کر بیٹھتے ہیں اس کے بعد معمولی قرائن کی تائید وتقویت کرتے جاتے ہیں حتیٰ کی وہ بدگمانی درجۂ یقین تک پہونچ جاتی ہے۔ (فروع الایمان ملحقہ اصلاحی نصاب: ۳۷۳)

بدگمانی سے یہ آفتیں پیدا ہوتی ہیں، دوسرے کو حقیر سمجھنا، اس سے بغض وعداوت کرنا، اس کے افعال حسنہ (یعنی اچھے افعال) کو کسی نفسانی غرض پر محمول کرنا، اس کی غیبت کرنا، اس کے نقصان اور ذلت پر خوش ہونا، اور طرح طرح کی خرابیاں اس پر مرتب ہوتی ہیں، مسلمانوں کو چاہئے کہ قوی قرائن کے ہوتے ہوئے بھی حتی الامکان بدگمانی نہ کریں بلکہ کچھ

تاویل کر کے اس کو اپنے دل سے رفع کریں، اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ حضرت عیسی علیہ السلام نے ایک شخص کو اپنی آنکھوں سے چوری کرتے دیکھ کر ٹوکا، اس نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ میں چوری نہیں کرتا ہوں، آپ فرماتے ہیں میرے خدا کا نام سچا ہے، میری آنکھ جھوٹی ہے۔

البتہ دفع کرنے پر بھی (وہ بدگمانی کا خیال) دل سے دفع نہ ہو تو اس پر مواخذہ نہیں مگر اس کا ذکر کرنا، اس کے مقتضیٰ کے موافق برتاؤ کرنا یہ ضرور گناہ ہے، خصوصاً چغلخوری کی وجہ سے کسی سے بدگمانی ہو جانا۔ (آداب انسانیت)

ایک طالب علم کے استفسار پر بدگمانی کا یہ علاج تحریر فرمایا کہ جب ایسی بدگمانی قلب میں آئے اول علیحدہ بیٹھ کر یاد کرے کہ اللہ تعالیٰ نے بدگمانی سے منع فرمایا ہے تو یہ گناہ ہوا، اور گناہ پر عذاب کا اندیشہ ہے تو اے نفس! تو حق تعالیٰ کے عذاب کو کیسے برداشت کرے گا، یہ سوچ کر توبہ کرے۔

اور دعا بھی کرے کہ اے اللہ میرے دل کو صاف کر دے، اور جس پر بدگمانی ہوئی ہے اس کے لئے بھی دعا کرے کہ اے اللہ اس کو دونوں جہاں کی نعمتیں عطا فرما، دن رات میں تین بار ایسا کرے۔ اگر پھر بھی اثر رہے دوسرے اور تیسرے دن بھی ایسا ہی کرے، اگر پھر بھی اثر رہے اب اس شخص سے مل کر کہے کہ بلا وجہ مجھ کو تم پر بدگمانی ہو گئی تم معاف کر دو، اور میرے لئے یہ دعا کر دو کہ یہ دور ہو جائے۔ (اشرف السوانح: ۲/۱۳۴) (امت کے باہمی اختلافات اور ان کا حل: ۹۹-۱۰۳)

ایک عام گناہ جس میں بکثرت ابتلاء ہے یہ ہے کہ بے تحقیق کوئی بات سن کر کسی کی طرف منسوب کر دی یا بدگمانی پکالی، تحقیق کا مادہ ہی آج کل نہ رہا، بس کسی سے کچھ سن لیا اور اٹکل پچو گھوڑے دوڑا لئے، قرآن وحدیث میں اس کی سخت ممانعت ہے اور بہت تاکید کے ساتھ تحقیق کا حکم ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ.

یعنی جس بات کی پوری تحقیق نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو۔

ایک آیت میں ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا.

یعنی اگر کوئی فاسق فاجر کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔

حدیث میں ہے:

إِيَّاكُمْ وَ الظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيْثِ.

یعنی بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی بھی بڑا جھوٹ ہے، مگر آج کل بدگمانی کو گناہ نہیں سمجھا جاتا، پھر بدگمانی بھی کسی بڑی وجہ سے نہیں کی جاتی ذرا سا اشارہ سن لیا اور طومار باندھ دیا یاد رکھو یہ بہت سخت گناہ ہے، ان باتوں سے احتیاط کرو ورنہ سارا تقویٰ وطہارت دھرا رہ جائے گا۔ (وعظ رجاء اللقاء ملحقہ موت وحیات: ۵۷)

افسوس یہ ہے کہ اس مرض میں علماء اور مشائخ تک بھی مبتلا ہیں جہاں ان کے مقربین میں سے کسی نے کسی کے متعلق کوئی بات کہہ دی اس پر ایمان لے آئے، ذرا بھی تحقیق نہیں کرتے کہ اس کی اصل بھی کچھ ہے یا نہیں، آج کل مشائخ کو اپنے خاص معتقدین اور مقربین پر بہت ہی اعتماد ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جس کو چاہتے ہیں مشائخ کی نظر سے گرا دیتے ہیں، گویا کسی کو مقبول و مردود کر دینا بالکل ان کے اختیار میں ہوتا ہے، حالانکہ اگر محدثین اور فقہاء کے اصول پر جانچا جائے تو میں سچ کہتا ہوں کہ خود مشائخ میں بھی ایسے کم نکلیں گے جن کو محدثین ثقہ کہہ سکیں، ان کے مقربین اور معتقدین تو کس شمار میں ہیں، جن محدثین نے بڑے بڑے زاہد اور عابد لوگوں کو یہ کہہ دیا کہ حدیث بیان کرنے میں ضعیف ہیں اگر چہ زاہد اور عابد بہت بڑے ہیں، وہ آج کل کے زاہدوں کو کب ثقہ مان سکتے ہیں۔ (وعظ رجاء اللقاء ملحقہ موت وحیات: ۵۷)

علماء اور مشائخ کو چاہئے کہ روایات میں بالکل محدثین کے قواعد برتا کریں جو شخص پوری بات بیان نہ کرتا ہو، یا ہر بات کو سند سے بیان نہ کر سکتا ہو اس کی بات کا کبھی اعتبار نہ کریں۔ جب

کوئی شخص کسی کے متعلق کوئی بات کہے اس سے فوراً پوچھیں کہ تم نے خود اس کا مشاہدہ کیا یا کسی سے سنا؟ اگر وہ اپنا مشاہدہ بیان کرے تو اس پر اس سے گواہوں کا مطالبہ کیا جائے، اگر گواہ نہ لا سکے تو اس کو دھمکا دیں یا اور کوئی سزا دیں اور یہ کہہ دیں کہ آئندہ کوئی بات ثبوت شرعی کے بغیر ہمارے سامنے بیان نہ کرو، اور اگر وہ یہ کہے کہ میں نے کسی سے سنا ہے تو اس کا نام دریافت کیا جائے کہ کس سے سنا ہے، کب سنا ہے، کس طرح سنا ہے اس کے کیا الفاظ تھے پوری بات بیان کرو، اپنی طرف سے کم زیادہ نہ کرو، اس کے بعد اس دوسرے شخص کے حال کی تفتیش کرو کہ وہ نیک ہے یا فاسق اور اس نے خود بھی مشاہدہ کیا ہے یا کسی سے سنا ہے۔

اسی طرح اگر مقربین کی روایات میں تفتیش کی جایا کرے تو اس وقت معلوم ہو کہ یہ مقربین ہیں یا مکربین یعنی مکر کی تاک میں لگے رہنے والے، غرض بے تحقیق بات پر کبھی کان نہ لگانا چاہئے، نہ بلا وجہ کسی سے بدگمان ہونا چاہئے۔

طلبہ اور ذاکرین میں قصداً جھوٹ بولنے کا مرض (عام طور پر) تو نہیں مگر قیاس دوڑانے کا بہت مرض ہے کہ میں نے تو یہ سمجھا تھا، اس لئے کسی بات پر بلا تفتیش و تحقیق کے اعتماد نہ کرنا چاہئے"۔ (وعظ رجاء اللقاء ملحقہ موت وحیات: ۵۸) (امت کے باہمی اختلافات اور ان کا حل: ۹۲-۹۴)

عام انسانی فطرت

بدگمانی کے حوالے سے عام انسانی فطرت کا تجزیہ کرتے ہوئے معروف عرب عالم شیخ عبدالحمید جاسم البلالی نے لکھا ہے:

"میں ایک یورپین مصنف کی علم نفس کی ایک کتاب پڑھ رہا تھا کہ ایک واقعہ میری توجہ کا مرکز بن گیا، گو بظاہر زیادہ اہم نہیں معلوم ہوتا لیکن اس وقت ہمارا موضوع یہی واقعہ ہے، یہ قصہ ایک انسان کا ہے جو بس اسٹیشن کی ایک کرسی پر بیٹھا ہے، بس کے انتظار میں ہے، اس کے چار بچے اس کے سامنے کھیل رہے ہیں اور آس پاس بیٹھے لوگوں کے سامان الٹ پلٹ رہے ہیں،

چھیڑ چھاڑ کررہے ہیں، ان کے باپ کرسی پر جمے بے حس وحرکت بیٹھے ہیں، کچھ لوگ چپکے چپکے برا بھلا کہہ رہے ہیں، کوئی بڑ بڑا رہا ہے، باپ کہاں ہے؟ بچوں کی تربیت میں کس قدر لاپرواہی برتی جارہی ہے، جتنے منہ اتنی بات، لوگ اس انسان نما پتھر میں حرکت پیدا کرنا چاہ رہے ہیں، جب کہ وہ زمین میں نگاہیں گاڑے بیٹھا ہے، جیسے زمین سے کسی چیز کے نکلنے کا انتظار کررہا ہے، یکایک ان میں سے ایک آدمی اس کے قریب آیا اور بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہا ہے: کیا یہ آپ کے بچے ہیں؟ اب اس نے سر اٹھایا، اس کی زبانِ حال غم برسا رہی ہے، جی ہاں! یہ میرے بچے ہیں اور پندرہ منٹ پہلے ہم قبرستان میں ان کی ماں کو دفن کررہے تھے، جن کی موت بچے کی پیدائش میں ہوئی اور یہ ننھے مسکین بچے کھیل رہے ہیں، مستی کررہے ہیں، جیسے کچھ ہوا نہیں، پھر تو پوچھنے والے کی سوچ ہی بدل گئی، اسے احساس ہوگیا کہ یہ بچے حقیقت میں مسکین، بے بس ہیں، اب جذبۂ ملامت، جذبۂ ہمدردی میں ڈھل گیا اور ناپسندیدگی وجلن، محبت واعتراف سے بدل گئی۔

اقوام وقبائل جماعتوں اور تنظیموں کا باہمی تصادم بسا اوقات معاملات پر صرف ایک زاویہ سے نظر ڈالنے کی بنیاد پر ہوتا ہے اور اپنی سوچ، اپنی رائے کو صحیح اور درست ماننے کے اصرار کی وجہ سے ہوتا ہے، جب کہ یہ حقیقت ہے کہ حقیقی حق کا ادراک مالک الملک کو ہوتا ہے، ڈھکی چھپی جاننے والے کو ہوتا ہے، لوگوں کا ظاہر، لوگوں کی شکل وصورت، رنگ وروپ ضروری نہیں کہ ان کے معیار کا عکاس ہوں اور ضروری نہیں کہ لوگوں اور اقوام کا ظاہر ان کے ایمان پرکھنے اور ان کے اندر چھپے ہوئے خیر کی حقیقت جاننے کا واحد ذریعہ ہو، حدیث شریف میں آیا ہے: ''اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور جسموں پر نظر نہیں رکھتا بلکہ دلوں اور اعمال کی خبر رکھتا ہے'' اللہ تعالیٰ ہمیں لوگوں کے متعلق اچھا گمان رکھنے والا بنائے، دیدۂ عبرت نگاہِ بصیرت عطا فرمائے، حقیقت بینی کے لئے صرف سر کی آنکھ کافی نہیں''۔ (ندائے تربیت: ۳۵۹-۳۶۰)

بدگمانی تمام جھگڑوں کی بنیاد ہے

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم نے لکھا ہے:

''بدگمانی تمام جھگڑوں کی بنیاد ہے، شیطان فساد پیدا کرنے کے لئے پہلا کام ہی یہ کرتا ہے کہ لوگوں کو آپس میں بدگمان کرتا ہے، کسی کے دل میں دوسرے کے بارے میں غلط اندازے، غلط خیالات پیدا کر کے ان کو ایک دوسرے سے متنفر کرتا ہے، بات اتنی ہوتی نہیں جتنی اسے نظر آ رہی ہوتی ہے، خواہ مخواہ کے اعتراض پیدا ہو جاتے ہیں جن کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔

قیامت کے دن کئی لوگ ہوں گے جو اپنے آپ کو اچھا سمجھ رہے ہوں گے اور وہ دوسروں کے سامنے پہلے جہنم میں اوندھے منہ ڈالے جائیں گے، اس لئے کہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ بدگمانی کرنے کی ان کو عادت ہوتی ہے، یہ ایک عادت ہے، اس کا تعلق عادت سے ہے، کہ اپنے سوا نگاہ میں کوئی جچتا ہی، لاکھ اچھائیاں کسی کی ہوں نظر ہی نہیں آتیں، تو برائیوں کے اوپر تو دوربین فٹ کی ہوتی ہے، بلکہ میں تو کہوں کہ خوردبین فٹ کئے بیٹھے ہوتے ہیں کہ کچھ نظر آئے، جی ہاں، جو معاملہ آپ اس کے ساتھ کر رہے ہیں وہی معاملہ اللہ آپ کے ساتھ کریں گے، ذرا ذرا سی باتوں پر بدگمانیاں ہونے لگ جائیں گی، ہم آپس میں ایک دوسرے کے قریب رہتے ہوئے چھوٹی چھوٹی باتوں پر بدگمانیاں شروع کر دیں تو پھر آپس میں جھگڑے اور نفرتیں ہی پیدا ہوں گی، اس لئے اللہ تعالیٰ سے رو رو کر معافی مانگنی چاہئے اور اس بیماری سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے''۔ (گھریلو جھگڑوں سے نجات: ۵۵-۵۶)

بدگمانی کے مواقع سے بچنا بے حد ضروری ہے

شریعت اسلام کا حسن و توازن یہ ہے کہ ایک طرف اہل ایمان کو دوسروں کے بارے میں بدگمانی سے پوری صراحت سے منع کر دیا، لیکن دوسری طرف یہ حکم بھی دیا کہ تمام اہل ایمان بدگمانی کے مواقع سے مکمل اجتناب کریں، ایسا موقع آنے ہی نہ دیں کہ کسی کو بدگمانی کا موقع

ملے، اتنی محتاط زندگی گذاریں کہ کسی کے دل میں بدگمانی نہ آسکے۔

حضور اکرم ﷺ نے اپنے عمل سے امت کو اس طرف متوجہ کیا ہے، صحیح بخاری کی روایت ہے:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ، وَ عِنْدَهُ أَزْوَاجُهُ، فَرُحْنَ، فَقَالَ لِصَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيٍّ: لَا تَعْجَلِي حَتَّى أَنْصَرِفَ مَعَكِ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَهَا، فَلَقِيَهُ رَجُلَانِ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَنَظَرَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ أَجَازَا، فَقَالَ لَهُمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَعَالَيَا: إِنَّهَا صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ، قَالَا: سُبْحَانَ اللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ، وَإِنِّي خَشِيتُ أَنْ يُلْقِيَ فِي أَنْفُسِكُمَا شَيْئاً. (بخاری: الصوم: باب زيارة المرأة زوجها فی اعتكافه: ۲۰۳۸)

حضور اکرم ﷺ مسجد نبوی میں معتکف تھے، آپ کی ازواج ملنے آئیں، کچھ دیر کے بعد وہ چلی گئیں، حضرت صفیہ جانے لگیں تو آپ نے فرمایا: جلدی مت کرو، میں تمہارے ساتھ دروازے تک چلوں گا، چنانچہ آپ ان کے ساتھ دروازے تک آئے، باہر دو انصاری صحابہ گزر رہے تھے، انہوں نے آپ کو حضرت صفیہ کے ہمراہ دیکھا تو تیزی سے آگے بڑھ گئے، آپ نے ان کو زور سے آواز دی اور فرمایا: رکو، یہ میرے ہمراہ میری بیوی صفیہ ہیں، کسی بدگمانی میں مبتلا مت ہونا، وہ دونوں عرض کرنے لگے: سبحان اللہ، اے اللہ کے رسول: کیا ہم آپ کے بارے میں برا گمان رکھیں گے؟ آپ نے فرمایا: شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے، مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ تمہارے دلوں میں کوئی برا گمان نہ ڈال دے۔

اس طرح آپ ﷺ نے امت کو تعلیم دی کہ بدگمانی کے ہر موقع سے اجتناب کیا جائے۔

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

''ایسی جگہوں پر نہ جاؤ جہاں سے تمہارے اوپر تہمت لگے، جہاں سے لوگ تمہارے بارے میں بدگمانی میں مبتلا ہوں ایسی جگہوں پر مت جاؤ، چاہے تم کسی مقصد کے لئے گئے ہو، لیکن وہاں پر کھڑے کھڑے لوگوں نے تمہیں دیکھ لیا، معاذ اللہ! فرض کرو کوئی رقص گاہ ہے، جہاں عریانی فحاشی کا بازار گرم ہے، چاہے آپ وہاں کسی اور مقصد سے گئے ہوں، لیکن جو شخص بھی آپ کو وہاں کھڑا ہوا دیکھے گا تو اس کے دل میں شبہ پیدا ہوگا، لہٰذا ایسے مواقع پر مت جاؤ جہاں تہمت لگنے کا احتمال ہو۔

اسی لئے فرمایا کہ جہاں آپس میں روپے پیسے کے لین دین کا معاملہ ہو وہاں حسابات صاف رکھو، چاہے معاملہ کرنے والے بھائی بھائی کیوں نہ ہوں، اور لکھت پڑھت کے ساتھ رکھو، اور اس بات کا موقع نہ آنے دو کہ کل کو آپس میں بدگمانی ہو جائے، اور جھگڑا ہو جائے، بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ جب معاملہ کرنے والے بھائی بھائی ہیں اور آپس میں محبت سے رہ رہے ہیں، اس وقت تو خیال نہیں آتا، لیکن جب بڑے ہو جاتے ہیں شادیاں ہو جاتی ہیں، اولادیں آجاتی ہیں، اس وقت پھر یہ خیال آتا کہ ہم نے حساب کتاب تو کیا نہیں تھا، پتہ نہیں ہمارا بھائی کتنا کھا گیا؟ بعد میں بدگمانیاں پیدا ہو جاتی ہیں، اس لئے فرمایا کہ ایسے مواقع سے بچو''۔ (اصلاحی خطبات: ۱۷/۵۲-۵۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

مَنْ عَرَّضَ نَفْسَهُ لِلتُّهْمَةِ فَلا يَلُوْمَنَّ مَنْ اَسَاءَ الظَّنَّ بِهٖ.

(صاحب الخلق الراقی: د/دسوقي: ۵۱، بحواله كشف الخفاء)

جو شخص اپنے کو تہمت کی جگہ پر پیش کرے تو وہ اپنے بارے میں بدگمانی کرنے والے کو ہرگز ملامت نہ کرے۔

فقہاء کا فیصلہ ہے:

اَلتَّحَرُّزُ عَنْ مَوَاضِعِ التُّهَمِ وَاجِبٌ. (عنايه شرح هدايه:۲/۳۷۳)

تہمت کے مقامات سے اپنے آپ کو بچانا واجب ہے۔

علامہ ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں کہ:

یہ حکم علماء اور خواص کے لئے زیادہ اولیت کے ساتھ ہے، وہ چونکہ مقتدیٰ ہوتے ہیں، انہیں مواقع تہمت سے بے انتہا دور ہونا چاہئے، ورنہ عوام ان سے بدگمان ہوں گے، اور افادے کا دائرہ محدود ہو جائے گا۔ (فتح الباری:۴/۲۸۰)

حاصل

اس پوری تفصیل سے بدگمانی کی قباحت وشناعت ظاہر ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ دلوں سے محبت واخوت کے جذبات ختم کرنے اور عداوت وبغض کے جراثیم پھیلانے میں بدگمانی اولین بنیاد کا کردار ادا کرتی ہے۔

باہمی اختلافات اور نفرتوں میں سب سے پہلا مرحلہ بدگمانی کا ہوتا ہے، پھر بدگمانی انسان کو ''تجسس'' (دوسروں کی ٹوہ اور معائب کی جستجو) کی راہ پر لے جاتی ہے، پھر تجسس کے بعد انسان غیبت تک پہونچتا ہے، پھر غیبت کے بعد دوطرفہ نزاع کے حالات آتے ہیں، جس کے نتیجے میں قطع رحمی کی نوبت آتی ہے، اسی لئے قرآن نے پہلے بدگمانی، پھر تجسس، پھر غیبت کا ذکر خاص ترتیب سے کیا ہے، حضرت سہل بن عبداللہ کا فرمان ہے:

فَمَنْ سَلِمَ مِنَ الظَّنِّ سَلِمَ مِنَ التَّجَسُّسِ، وَمَنْ سَلِمَ مِنَ التَّجَسُّسِ سَلِمَ مِنَ الْغِيْبَةِ. (شعب الايمان:۵/۳۱۶، باب فی تحريم اعراض الناس: ۶۷۸۳)

جو بدگمانی سے محفوظ رہا وہ تجسس سے بھی محفوظ رہے گا، اور جو تجسس سے محفوظ رہا وہ غیبت سے بھی محفوظ رہے گا۔

موجودہ حالات میں بدگمانی ایسی عام بیماری ہے جس میں عوام وخواص سب مبتلا ہیں،

اور مقام افسوس ہے کہ بہت سے افراد کو یہ شعور بھی نہیں ہوتا ہے کہ وہ گناہ میں مبتلا ہیں، حضرت حسن بصریؒ کا ارشاد حقیقت کا ترجمان ہے:

كُنَّا فِي زَمَنٍ: اَلظَّنُّ بِالنَّاسِ فِيْهِ حَرَامٌ، وَأَنْتَ الْيَومَ فِي زَمَنٍ "اِعْمَلْ وَ اسْكُتْ وَ ظُنَّ فِي النَّاسِ مَا شِئْتَ". (صاحب الخلق الراقي: د/ دسوقي: ٤٦)

ہم پہلے ایسے دور میں تھے جس میں لوگوں سے بدگمان ہونا حرام سمجھا جاتا تھا، مگر اب آج تمہارے سامنے وہ دور آچکا ہے کہ اپنا کام کرو، خاموش رہو اور لوگوں کے بارے میں جیسا چاہو برا گمان رکھو، یعنی بدگمانی عام ہوچکی ہے۔

خاص حالات میں بدگمانی کی گنجائش

البتہ ملحوظ رہے کہ بعض مقامات و احوال میں بدگمانی کی گنجائش ہوتی ہے، اور ایسی بدگمانی کو بدگمانی کے بجائے احتیاط کہا جانا زیادہ بہتر ہے، حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

"حدیث میں ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: " **مِنَ الْحَزْمِ سُوْءُ الظَّنِّ**" چوکنا پن بدگمانی ہے، پس بعض بدگمانی کو جائز رکھا ہے جیسے آپ نے نماز کے وقت جوتے اٹھا کر الماری میں رکھے اس بدگمانی سے کہ ہوسکتا ہے کہ کوئی جوتے اٹھا کر لے جائے، اگر چہ آپ کے جوتے کبھی نہیں اٹھے، مگر اٹھتے دیر ہی کیا لگتی ہے، پس آپ کا اس بدگمانی سے اپنے جوتے اٹھا کر رکھنا بھی چوکنا پن ہے، یہی احتیاط ہے، یہ بدگمانی جائز ہے، کیونکہ یہ کسی معین آدمی کے بارے میں بدگمانی نہیں، اور ایسی بدگمانی جائز ہے، پس حدیث سے بدگمانی کے جواز کی ایک شکل نکلی۔

میں اس کی ایک مثال اور دوں، آپ کوئی قیمتی سامان ڈاک سے بھیجنا چاہیں تو رجسٹری بھیجیں، کیوں؟ ہوسکتا ہے ڈاک ضائع ہوجائے، اور سامان قیمتی ہو تو حکومت

ذمہ دار ہوگی، سادہ ڈاک میں حکومت کی ذمہ داری نہیں ہوتی، کوئی کہے میری ڈاک تو کبھی ضائع نہیں ہوئی، ٹھیک ہے، لیکن اگر ہوگئی تو؟ اس لئے احتیاط کی بات یہ ہے کہ قیمتی سامان رجسٹری ڈاک سے بھیجا جائے، بہرحال بعض گمانوں کا شریعت نے استثنا کیا ہے۔

حدیث: نبی پاک ﷺ کو ایک قبیلہ میں تقسیم کے لئے مال بھیجنا تھا، حضور ﷺ نے اسی قبیلہ کے ایک صحابی کو بلایا اور ان سے کہا کہ یہ مال لے جاؤ اور اپنے قبیلہ میں تقسیم کردو، وہ تیار ہوگئے، ایک دوسرے صاحب کو پتہ چلا وہ ان کے پاس آئے اور ساتھ چلنے کی پیش کش کی، پہلے صحابی نے سوچا اتنا سارا مال ہے، راستہ میں لوٹ کھسوٹ ہوتی رہتی ہے، یہ ساتھ رہیں گے تو ان کا تعاون ملے گا اور بوریت بھی کم ہوگی، وہ یہ سوچ کر حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا: یارسول اللہ! مجھے ایک ساتھی مل گیا ہے، آپ ﷺ نے پوچھا کون ہے؟ کہا: فلاں شخص ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”أَخَاکَ الْبِکْرِیَّ فَلاَ تَأْمَنْهُ“ یہ عربی کا ایک محاورہ ہے، جس کے معنی ہیں، بکری قبیلہ کا کوئی بھی آدمی ہو اس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے، خیر وہ دونوں چلے، یہ جو دوسرے صاحب تھے ان کے گاؤں سے پہلے کوئی گاؤں آیا تو انہوں نے کہا: بھائی ذرا تھوڑی دیر رک جاؤ، میری اس گاؤں میں کچھ رشتہ داری ہے، میں ابھی مل کر آیا، وہ رک گئے اور یہ اکیلے گاؤں میں چلے گئے، ان کے جانے کے بعد ان کو حضور ﷺ کا ارشاد یاد آیا کہ ”أَخَاکَ الْبِکْرِیَّ فَلاَ تَأْمَنْهُ“ وہ فوراً وہاں سے آگے بڑھ گئے، بہت دور گئے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کا ساتھی کچھ آدمی لے کر ان کے پیچھے آرہا ہے اور سب کے ہاتھ میں ہتھیار ہیں، چونکہ یہ کافی دور نکل گئے تھے اس لئے بچ گئے، پس حضور ﷺ نے جو جملہ ارشاد فرمایا تھا اس میں آپ ﷺ نے بدگمان رہنے کی تعلیم دی تھی، معلوم ہوا کہ بعض گمان جائز ہیں“۔ (علمی خطبات: ۲/۲۲۴-۲۲۵)

❍❖❍

(۵) تجسس

تجسس کی حقیقت

تجسس کی حقیقت ''دوسروں کے عیوب کی تلاش کے لئے ان کی ٹوہ میں لگنا'' ہے، علامہ سیوطی کے بقول دوسروں کی کمیوں کی جستجو اور ان کے رازوں کو معلوم کرنے کی فکر میں رہنا ''تجسس'' ہے، یہ بدترین حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

علماء نے یہ تصریحات کی ہیں کہ تحسس اور تجسس اگر کمزوریوں اور عیوب کا ہے تب تو اس کا گناہ ہونا بالکل ظاہر ہے، اور اگر اچھی خبر کی تلاش اور اچھے احوال و معاملات کی ٹوہ اور جاسوسی کی جائے تب بھی یہ ممنوع ہے اور ممانعت کی علت یہ ہوگی کہ ممکن ہے کہ کسی کے بارے میں کوئی اچھی خبر پانے کے بعد حسد یا طمع و حرص پیدا ہو جائے، اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ کسی اچھی خبر کی ٹوہ میں بھی نہ رہا جائے۔

بہر حال لوگوں کے راز ٹٹولنا، عیوب کی تلاش کرنا، حالات و معاملات کی ٹوہ کرنا خواہ بدگمانی کی بناء پر ہو یا بد نیتی سے نقصان پہنچانے کی خاطر ہو یا اپنی معلومات کے لئے ہر حال میں شرعاً ممنوع ہے، ایک مؤمن کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ دوسروں کی ان حالتوں کی جن پر پردہ پڑا ہوا ہے کھوج کرید کرے اور معائب اور کمزوریوں کا پتہ لگائے، لوگوں کے ذاتی خطوط پڑھنا، دو آدمیوں کی باتیں کان لگا کر سننا، پڑوسیوں کے گھروں میں جھانکنا اور دسروں کی خانگی زندگی یا ذاتی معاملات کو ٹٹولنا بڑا اخلاقی جرم ہے، جو فساد بھڑکاتا ہے۔

تجسس: قرآن مجید کی روشنی میں

قرآن نے صراحت کے ساتھ تجسس سے منع فرما دیا ہے:

وَلَا تَجَسَّسُوا. (الحجرات:۱۲)

دوسروں کے عیوب کی ٹوہ مت کرو۔

علامہ ابن جریر طبریؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی کے راز اور مخفی امور کے پیچھے نہ پڑے، دوسروں کے بھید معلوم کرنے کی کوشش نہ کرے، دوسروں کے عیوب جاننے اور ان کی تشہیر کو حرام سمجھے، دیگر لوگوں کے ظاہری معاملات اور کھلی ہوئی چیزوں کے علم پر قناعت کی جائے، اور خفیہ چیزوں کے پیچھے ہرگز نہ پڑا جائے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا فرمان ہے کہ اللہ نے ہر مؤمن کو دوسرے مؤمن کی مخفی چیزوں کے پیچھے پڑنے سے سختی سے منع فرما دیا ہے“۔ (جامع البیان:۲۲/۳۰۴)

امام بغویؒ فرماتے ہیں:

”اللہ نے لوگوں کے مخفی معاملات کی کرید اور تلاش سے منع فرمایا ہے، تاکہ آدمی کے اپنے عیوب بھی چھپے رہیں اور وہ رسوا نہ ہو، اس لئے کہ ضابطہ یہ ہے کہ جو دوسروں کے عیوب کھولتا ہے، اللہ اس کے عیوب کھول دیتا ہے اور وہ رسوا ہو جاتا ہے“۔ (تفسیر البغوی:۷/۳۴۵)

علامہ ابن عثیمینؒ فرماتے ہیں:

”تجسس خطرناک اذیت ہے، جس کے راز ٹٹولے جاتے ہیں اسے سخت تکلیف ہوتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آپس میں عداوت اور بغض پیدا ہو جاتا ہے، اور سماج اختلاف و

انتشار کی نحوست کا شکار ہو جاتا ہے، دوسری طرف تجسس کرنے والا شخص بے مقصد اپنے کو تھکاتا بھی ہے اور گنہ گار بھی بناتا ہے‘‘۔ (شرح ریاض الصالحین:۶/۲۵۱)

قرآن مجید میں منافقین کے اوصاف کے تذکرہ میں ارشاد فرمایا گیا:

لَوْ خَرَجُواْ فِيكُم مَّا زَادُوكُمْ إِلاَّ خَبَالاً ولأَوْضَعُواْ خِلاَلَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيكُمْ سَمَّاعُونَ لَهُمْ وَاللّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ. (التوبہ:۴۷)

اگر یہ (منافق) لوگ تمہارے ساتھ (جہاد میں) نکل کھڑے ہوتے تو سوائے فساد پھیلانے کے تمہارے درمیان کوئی اور اضافہ نہ کرتے، اور تمہارے لئے فتنہ پیدا کرنے کی کوشش میں تمہاری صفوں کے درمیان دوڑے دوڑے پھرتے، اور خود تمہارے درمیان ایسے لوگ موجود ہیں جو دشمنوں کو بتانے کے لئے ان کے مطلب کی باتیں خوب سنتے ہیں، اور اللہ ان ظالموں کو اچھی طرح جانتا ہے۔

اس آیت میں بتایا جارہا ہے کہ تجسس (عیوب، کمزوریوں اور مخفی امور کی ٹوہ میں لگنا اور مخالفین تک ان چیزوں کو پہونچانا) منافقین کی خصوصیت ہے، اب جس مدعی ایمان میں یہ مزاج پایا جائے اسے خود اپنے بارے میں غور اور فیصلہ کرنا چاہئے کہ وہ اپنے اس طرز عمل کی وجہ سے مخلص اہل ایمان کے بجائے منافقین کے قریب ہوتا جارہا ہے۔

تجسس: احادیث نبویہ کے آئینہ میں

تجسس کی ممانعت، قباحت اور خطرناکی کے بیان کے لئے ذخیرۂ احادیث میں صراحتوں میں بھی اور اشارات میں بھی بہت رہنمائی موجود ہے۔

(۱) حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَحَسَّسُوا وَ لَا تَجَسَّسُوا. (بخاری: الأدب: باب ما ينهى عن التحاسد و التدابر: ٦٠٦٤)

کسی کی کمیوں کی ٹوہ میں مت رہو، اور جاسوسوں کی طرح رازدارانہ طریقے سے کسی کے عیب معلوم کرنے کی کوشش مت کرو۔

(۲) ایک حدیث میں فرمایا گیا:

يَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهِ وَ لَمْ يَدْخُلِ الإِيْمَانُ قَلْبَهُ لا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِينَ وَ لَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ فَإِنَّهُ مَنِ اتَّبَعَ عَوْرَاتِهِمْ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ وَ مَنْ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحُهُ فِي بَيْتِهِ. (ابو داؤد: الأدب: باب في الغيبة: ٤٨٨٠)

اے لوگوں جو زبان سے ایمان لائے ہو مگر ابھی تمہارے دلوں میں ایمان نہیں اترا ہے: مسلمانوں کی غیبت مت کرو اور ان کے پوشیدہ حالات کی کھوج نہ لگایا کرو کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے عیب ڈھونڈنے کے درپے ہوگا اللہ اس کے عیوب کے درپے ہو جائے گا اور اللہ جس کے عیوب کے

درپے ہو جائے اسے اس کے گھر میں رسوا کر کے چھوڑتا ہے۔

(۳) بلکہ ایک حدیث میں یہ مذکور ہے کہ:

مَنْ رَأَى عَوْرَةً فَسَتَرَهَا كَانَ كَمَنْ أَحْيَا مَوْءُوْدَةً. (ابو داؤد: الأدب: باب فی الستر علی المسلم: ٤٨٩١)

جس نے کسی کا کوئی مخفی عیب دیکھ لیا اور اس کی پردہ پوشی کی تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی نے ایک زندہ درگور لڑکی کو موت سے بچالیا۔

(۴) حضرت معاویہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے:

إِنَّكَ إِنْ اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ أَفْسَدْتَهُمْ أَوْ كِدْتَ أَنْ تُفْسِدَهُمْ. (ابو داؤد: الأدب: باب فی النهی عن التجسس:٤٨٨٨)

تم اگر لوگوں کے مخفی حالات معلوم کرنے کے درپے ہو گے تو ان کو بگاڑ دو گے یا کم از کم بگاڑ کے قریب پہنچا دو گے۔

(۵) ارشاد نبوی ہے:

أَعْرِضُوْا عَنِ النَّاسِ، أَلَمْ تَرَ أَنَّكَ إِنِ ابْتَغَيْتَ الرِّيْبَةَ فِيْ النَّاسِ أَفْسَدتَّهُمْ، أَوْ كِدْتَّ تُفْسِدُهُمْ. (الادب المفرد للبخاری:٢٤٨)

لوگوں کے مخفی معاملات سے اپنے کو الگ تھلگ رکھو، کیا تمہیں نہیں معلوم اگر تم لوگوں کے مخفی معاملات کی ٹوہ میں لگو گے تو ان میں بگاڑ پیدا کر دو گے یا انہیں بگاڑ کے نزدیک پہنچا دو گے۔

تجسس: سلف کے اقوال کی روشنی میں

سلف امت کے آثار واقوال میں تجسس کی قباحت اور مضرات پر خوب روشنی ڈالی گئی ہے، ذیل میں ان میں سے چند اقوال نقل کیے جاتے ہیں:

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال میں منقول ہے:

وَلا تَنظُرُوا فِی عُیُوبِ النَّاسِ کَأَنَّکُمْ أَرْبَابٌ، وَانظُرُوا فِی ذُنُوبِکُمْ کَأَنَّکُمْ عَبِیدٌ.

تم لوگوں کے عیوب پر ایسے نظر نہ رکھو جیسے تم آقا ہو، بلکہ اپنے گناہوں کی فکر ایسے کرو جیسے تم غلام ہو۔ (کشکول: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ:۱۸۶)

(۲) حضرت زید بن ثابتؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ کے نام ایک تحریر میں لکھا:

إِنَّ الَّذِی یُبْصِرُ عُیُوبَ النَّاسِ وَیُهَوِّنُ عَلَیْهِ عَیْبَهُ کَمَنْ یَتَکَلَّفُ مَالا یُؤْمَرُ بِهِ.

جو آدمی دوسروں کے عیوب پر نگاہ رکھتا ہے اور اپنا عیب ہلکا سمجھتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو اس کام میں لگا رہے جس کا اسے پابند نہیں بنایا گیا۔

(مواعظ الصحابۃ: صالح احمد الشامی:۳۲۴)

(۳) حضرت حسنؒ کا فرمان ہے:

لاتَسْأَلْ عَنْ عَمَلِ أَخِیکَ الْحَسَنِ وَالسَّیِّئِ، فَإِنَّهُ مِنَ التَّجَسُّسِ.

اپنے بھائی کے اچھے یا برے عمل کا پتہ لگانے کے لئے دوسروں سے کچھ دریافت نہ کرو، یہ تجسس میں داخل ہے۔ (روضۃ العقلاء لابن حبان البستی: ۱/ ۱۲۵)

(۴) امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں:

''ہر صاحب عقل کی ذمہ داری ہے کہ اس کی عملی اور اخلاقی سطح عوام سے بلند رہے، وہ تجسس اور ٹوہ کی برائی سے مکمل کنارہ کش رہے، دوسروں کے راز ٹٹولنا دراصل اپنے عیوب کی پردہ دری ہے، بہت مرتبہ انسان خود کسی عیب میں مبتلا ہوتا ہے، پھر وہ دوسرے کے اسی عیب کی ٹوہ میں لگ جاتا ہے جو خود اس میں موجود ہوتا ہے، بالآخر اللہ اسے رسوا کر دیتا ہے''۔ (ایضاً: ۱/ ۱۲۸)

(۵) مزید فرماتے ہیں:

اَلتَّجَسُّسُ مِنْ شُعَبِ النِّفَاقِ، كَمَا أَنَّ حُسْنَ الظَّنِّ مِنْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

تجسس نفاق کا حصہ ہے جیسے اچھا گمان رکھنا ایمان کا حصہ ہے۔ (ایضاً: ۱/ ۱۲۶)

(۶) یہ بھی فرماتے ہیں کہ:

عقل مند آدمی کے لئے سلامتی کی راہ یہی ہے کہ وہ دوسروں کے عیوب کی ٹوہ میں لگنے کے بجائے اپنے عیوب کا جائزہ لے کر ان کی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جائے۔ (ایضاً: ۱/ ۱۲۵)

(۷) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے بارے میں آتا ہے کہ ان سے کسی نے کسی کے بارے میں یہ بتایا کہ فلاں کی ڈاڑھی سے شراب کے قطرے ٹپک رہے ہیں، اس کے جواب میں غایت احتیاط کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا:

إِنَّا قَدْ نُهِيْنَا عَنِ التَّجَسُّسِ، وَلٰكِنْ إِنْ يَظْهَرْ لَنَا شَيْئٌ نَأْخُذْ بِهِ.

ہمیں تجسس سے منع کیا گیا ہے، البتہ اگر کوئی ایسی چیز ہمارے سامنے ظاہر ہو کر آئے گی تو ہم اس کی بنیاد پر مواخذہ کریں گے۔ (المصنف لابن ابی شیبہ: ۸۶/۹)

(۸) حضرت مجاہد آیت کریمہ "وَلَا تَجَسَّسُوْا" کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

خُذُوْا مَا ظَهَرَ لَكُمْ، وَدَعُوْا مَا سَتَرَ اللّٰهُ. (جامع البیان: ۲۲/۳۰۴)

جو چیزیں تمہارے سامنے ظاہر ہوں انہیں لے لو، اور جنہیں اللہ نے چھپا رکھا ہوا ن کو چھوڑ دو۔

(۹) حضرت ذوالنون مصریؒ کا قول ہے:

"تم دوسروں کے عیوب کی چھان بین میں مت لگے رہو، بلکہ اپنے عیوب پر نظر رکھا کرو"۔ (کلمات اکابر: مولانا محمد اسحاق بنارسیؒ: ۱۱۸)

❍❖❍

تجسس کے باب میں حکام کے لئے ہدایات

تجسس جس طرح افراد کے لئے منع ہے ایسے ہی مسلم حکومتوں کے لئے بھی ممنوع ہے، نھی عن المنکر کی جو ذمہ داری حکومت اسلامی کے حوالہ کی گئی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ جاسوس مقرر کر کے یا دوسرے طریقوں سے لوگوں کے مخفی عیوب اور برائیاں تلاش کر کے سامنے لائی جائیں، بلکہ حکومت کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے سامنے ظاہر برائیوں کے خلاف اپنی قوت کا استعمال کرے، مخفی برائیوں کے خاتمہ کا حل تجسس نہیں بلکہ وعظ ونصیحت، تبلیغ و تعلیم، دعوت اور فہمائش اور پاکیزہ اسلامی معاشرہ قائم کرنے کی جدوجہد ہے۔

حضرت عمرؓ کا یہ واقعہ بہت عبرت آموز ہے کہ ایک بار انہوں نے رات میں گشت لگاتے وقت ایک شخص کی آواز سنی جو اپنے گھر میں گا رہا تھا، آپ کو شک ہوا اور آپ اس کے گھر کی دیوار پر چڑھ گئے، جھانک کر دیکھا تو وہاں شراب بھی تھی اور ایک عورت بھی، آپ نے اس شخص کو آواز دی اور فرمایا: کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم اللہ کی معصیت کا ارتکاب کرو گے اور اللہ تمہارا راز فاش نہ کرے گا؟ اس نے جواب دیا: امیر المؤمنین: جلدی نہ کریں، اگر میں نے ایک گناہ کیا ہے تو آپ نے تین گناہ کئے ہیں، اللہ نے تجسس سے منع کیا ہے اور آپ نے تجسس کیا، اللہ نے حکم دیا کہ گھروں میں ان کے دروازے سے آؤ آپ دیوار پھاند کر آئے، اللہ نے حکم دیا ہے کہ دوسروں کے گھروں میں بلا اجازت نہ جاؤ، آپ بلا اجازت آئے ہیں، یہ سن کر حضرت عمرؓ اپنی غلطی مان گئے اور اس شخص کے خلاف کوئی کاروائی نہ کی، البتہ اس سے آئندہ بھلائی کا راستہ اختیار کرنے کا وعدہ لے لیا۔ (الدر المنثور: ۷/ ۵۶۸)

اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ خود اسلامی حکومت کے لئے بھی لوگوں کے بھید ٹٹول کر ان کی برائیوں اور معائب کا پتہ لگانا جائز نہیں ہے، ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ:

إِنَّ الْأَمِيرَ إِذَا ابْتَغَى الرِّيبَةَ فِي النَّاسِ أَفْسَدَهُمْ. (ابو داؤد: الأدب: باب في النهى عن التجسس: ٤٨٨٩)

حکمراں جب لوگوں کے اندر شبہات کے اسباب ڈھونڈنے لگے تو وہ ان کو بگاڑ کر رکھ دیتا ہے۔

علامہ مناویؒ لکھتے ہیں:

''اس حدیث میں مسلمانوں کے حکام اور امراء کو یہ ہدایت دی جارہی ہے کہ وہ لوگوں کے معائب کی تلاش اور چھان بین کے پیچھے نہ پڑیں، حتی المقدور اعراض واغماض کی پالیسی اختیار کریں، نظم اسی طرح قائم رہ سکتا ہے، انسان عیوب سے محفوظ نہیں ہوتا، اب اگر ہر عیب کی تلاش ہوگی اور کارروائی ہوگی تو لوگوں کے لئے زندگی اجیرن ہوجائے گی، اس لئے عام حالات میں پردہ پوشی، درگذر، سیر چشمی اور اعراض کی پالیسی اختیار کی جائے اور تجسس سے گریز کیا جائے''۔ (فیض القدیر للمناوی: ۲/ ۴۰۹)

ہر مسلمان کے تعلق سے اچھا گمان ہونا چاہئے، اور یہ سمجھنا چاہئے کہ مسلمان گناہوں اور عیوب سے محفوظ رہتا ہے، اور اگر کبھی کسی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہوجاتا ہے تو فوراً نادم ہوکر توبہ واصلاح کی فکر بھی کرتا ہے، اسلام نے اصلاً عام حالات میں ہر طرح کے تجسس پر روک لگادی ہے خواہ عوام ہوں یا اہل حکومت، سب تجسس سے باز رہنے کے پابند ہیں، اس لئے کہ تجسس سے سماج میں عداوت، حسد، بغض اور انتشار کے دروازے کھلتے ہیں۔

خاص حالات میں تجسس کی اجازت

ہاں بعض حالات میں تجسس کی اجازت دی گئی ہے مثلاً کسی فرد یا جماعت کے طرز عمل میں فساد کی واضح نشانیاں موجود ہوں اور یہ خدشہ قوی ہوجائے کہ وہ جرم کرنے ہی والا ہے تو

حکومت اس کی تحقیق کے لئے ان کے حالات کی ٹوہ میں لگ سکتی ہے، شادی کے پیغامات میں اور کاروباری معاملات وغیرہ میں اطمینان قلبی کے لئے بھی اس کی گنجائش ہے، والدین کے لئے تربیتی نقطہ نظر سے اولاد کے بارے میں نگرانی کے مقصد سے گنجائش ہے۔

اسلام دشمنوں کی خفیہ سازشوں اور منصوبوں کا پتہ لگانے کے لئے بھی تجسس کی گنجائش ہے، غزوۂ خندق اور سفر حدیبیہ کے واقعات میں بطور خاص اس کے نمونے ملتے ہیں۔

مسلمانوں کے حکام اور ذمہ دار حضرات رعایا کی خبر گیری کے لئے، ضرورتمندوں کا پتہ لگانے کے لئے اور ستم زدگان کے بارے میں واقفیت حاصل کرنے کے لئے اگر تجسس (خفیہ انداز اختیار کرنے) کا طریقہ اختیار کریں تو اس کی گنجائش ہے، اور سیدنا حضرت عمرؓ کی حیات و سیرت خصوصیت سے اس باب میں اسوہ کا مقام رکھتی ہے، یہاں اس کے دو نمونے ذکر کئے جاتے ہیں:

سیدنا عمرؓ کے غلام اسلم بیان فرماتے ہیں: سیدنا عمرؓ حرۂ واقم کی طرف نکلے، میں ان کے ساتھ تھا، جب ہم مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر واقع ''صرار'' نامی جگہ پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ آگ روشن ہے، سیدنا عمرؓ نے فرمایا: اے اسلم! میرا خیال ہے یہاں رات کی تاریکی اور سردی کے سبب کوئی قافلہ رکا ہوا ہے، میرے ساتھ چل، پھر ہم تقریباً بھاگتے ہوئے گئے، ان کے قریب پہنچے، اچانک ہم نے ایک عورت دیکھی، اس کے ساتھ اس کے بچے بھی تھے، آگ جل رہی تھی، اس پر ہنڈیا چڑھی ہوئی تھی اور بچے بھوک سے چلا رہے تھے، یہ منظر دیکھ کر سیدنا عمرؓ آگے بڑھے، فرمایا: اے روشنی والو! تم پر سلامتی ہو، سیدنا عمرؓ نے انہیں آگ والا کہنے سے پرہیز کیا، اس عورت نے جواب دیا: وعلیکم السلام! سیدنا عمرؓ نے اجازت مانگی اور فرمایا: کیا میں قریب آ سکتا ہوں؟ اس عورت نے جواب دیا: اچھی نیت سے آگے بڑھو ورنہ دور رہو، سیدنا عمرؓ قریب ہوئے اور دریافت فرمایا: تمہارا کیا حال ہے؟ عورت نے جواب دیا؟ ہم اندھیری رات اور سردی کی وجہ سے یہاں ٹھہرے ہیں، سیدنا عمرؓ نے پوچھا: یہ بچے کیوں رو رہے ہیں؟ عورت بولی: بھوک کی وجہ سے، سیدنا عمرؓ نے فرمایا: اس ہنڈیا میں کیا ہے؟ اس نے کہا: صرف پانی ہے،

میں دکھاوے سے ان بچوں کو دلاسہ دے رہی ہوں تاکہ یہ خاموش ہو جائیں اور سو جائیں، ہمارے اور سیدنا عمرؓ کے درمیان اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ کرے گا؟ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھ پر رحمت فرمائے، بھلا عمر کو تمہاری کیا خبر؟ عورت نے کہا: ہمارے خلیفہ ہو کر انہیں ہماری خبر کیوں نہیں؟ یہ سن کر سیدنا عمرؓ میری طرف پلٹے اور فرمایا: میرے ساتھ چل! ہم دوڑتے ہوئے آئے، آٹے کے گودام میں گئے، انہوں نے آٹے کا ایک بورا نکالا اور ایک ٹین گھی کا پکڑا، پھر مجھ سے فرمایا: اسے میری پشت پر لاد دو، میں نے عرض کیا: آپ مجھے اٹھانے دیں، یہ سن کر سیدنا عمرؓ نے فرمایا: تیری ماں نہ رہے، کیا قیامت کے دن بھی تو میرا بوجھ اٹھائے گا؟ میں نے دونوں چیزیں ان کی کمر پر لاد دیں، پھر ہم دونوں تقریباً بھاگتے ہوئے دوبارہ وہیں پہنچے، آٹا اور گھی دونوں چیزیں اس عورت کے سامنے رکھ دیں، پھر کچھ آٹا نکالا اور فرمایا: اے خاتون! تو آٹا صاف کر، میں تیرے لئے گھی اور آٹے کے آمیزے سے حریرہ بناتا ہوں، پھر سیدنا عمر ہنڈیا کے نیچے پھونکیں مارنے لگے، میں نے دیکھا کہ دھوئیں کے مرغولے سیدنا عمرؓ کی ڈاڑھی سے باہر آرہے تھے، انہوں نے ان کے لئے سب کچھ پکایا، پھر ہنڈیا چولہے سے اتار لی اور خاتون سے فرمایا: تمہارے پاس کوئی برتن ہے تو لاؤ، وہ برتن لائی، سیدنا عمر نے کھانا برتن میں ڈالا اور فرمایا: میں یہ کھانا ٹھنڈا کرنے کے لئے اسے پھیلاتا ہوں، تم بچوں کو کھلانا شروع کردو۔

سیدعمرؓ مسلسل کھانا پھیلاتے اور ٹھنڈا کرتے رہے اور بچے کھاتے رہے حتی کہ وہ سب خوب سیر ہو گئے، سیدنا عمرؓ نے باقی کھانا خاتون کے پاس وہیں چھوڑ دیا، پھر وہ اور میں وہاں سے واپس آ گئے، واپس آتے وقت اس خاتون نے کہا: اے اللہ کے بندے! اللہ تجھے جزا دے، موجودہ امیر المومنین کے بجائے تو خلیفہ ہوتا تو اچھا تھا، امیر المومنین سیدنا عمرؓ نے فرمایا: اللہ کی بندی! زبان سے اچھی بات نکال، جب تو امیر المومنین کے پاس جائے گی تو ان شاء اللہ مجھے بھی وہیں پائے گی، پھر سیدنا عمرؓ کچھ دور ہٹے، دوبارہ ان کی طرف پلٹے اور اوٹ میں بیٹھ گئے، میں نے عرض کیا: کیا اب آپ کو اور کوئی مصروفیت نہیں؟ انہوں نے مجھے کوئی جواب نہ دیا،

میں نے دیکھا کہ بچے آپس میں کھیل کود رہے ہیں اور کشتی میں مصروف ہو گئے ہیں، پھر وہ سکون سے سو گئے، اب سیدنا عمرؓ وہاں سے اٹھے اور میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے اسلم! بھوک نے ان کی نیند اڑا دی تھی اور رونے پر مجبور کر دیا تھا، میرا جی چاہا کہ میں اس وقت تک واپس نہ جاؤں جب تک ان کے اس اطمینان کا مشاہدہ نہ کرلوں جو تو نے ابھی دیکھا ہے۔

(سیرت عمر فاروقؓ: ڈاکٹر علی محمد الصلابی: ترجمہ: مولانا ندیم شہباز: ۱/۴۰۰-۴۰۲ مطبوعہ دارالسلام)

سیدنا عمرؓ کے غلام اسلم بیان فرماتے ہیں: ایک دفعہ مدینہ منورہ میں کچھ تاجر آئے، انہوں نے عیدگاہ میں پڑاؤ ڈالا، سیدنا عمرؓ نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے فرمایا: کیوں نہ آج ہم ان لوگوں کی چوکیداری کریں؟ عبدالرحمٰنؓ نے موافقت فرمائی، دونوں رات کے وقت ان کی نگہبانی میں مصروف رہے اور نماز پڑھتے رہے، سیدنا عمرؓ نے ایک بچے کے رونے کی آواز سنی تو اس کی ماں سے کہا: اللہ سے ڈر اور اپنے بچے کا خیال کر، پھر واپس اپنی جگہ آ گئے، رات کے آخری حصہ میں بچے کی دوبارہ آواز سنی تو دوبارہ فرمایا: تجھ پر افسوس! تو کیسی ماں ہے؟ میں دیکھ رہا ہوں رات بھر تیرا بچہ سکون سے نہیں سویا، تو اس خاتون نے کہا: اے اللہ کے بندے! میں اسے کھانا کھلانا چاہتی ہوں لیکن یہ کھاتا ہی نہیں، سیدنا عمرؓ نے دریافت فرمایا: کیوں نہیں کھاتا؟ اس نے کہا: سیدنا عمرؓ کا ضابطہ ہے کہ وہ دودھ چھڑائے گئے بچے کا وظیفہ مقرر فرماتے ہیں، انہوں نے ہر دودھ چھڑائے ہوئے بچے کا وظیفہ مقرر کر رکھا ہے، سیدنا عمرؓ نے پوچھا تیرے بیٹے کی عمر کتنی ہے؟ اس نے بتایا کہ وہ چند مہینوں کا ہے، سیدنا عمرؓ نے فرمایا: اس کے دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کر، پھر صبح کی نماز پڑھی تو دوران نماز میں ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی، شدت گریہ سے ان کی قرأت کی آواز بھی لوگوں تک نہ پہنچی۔ بعدازاں فرمایا: اے عمر! تیرا برا ہو تو نے کتنے مسلمانوں کے بچے قتل کر ڈالے، (ان سے فیاضی کا سلوک نہیں کیا) پھر ایک منادی کو حکم دیا کہ وہ اعلان کرے: اے لوگو! اپنے بچوں کا دودھ چھڑانے میں جلد بازی سے کام نہ لو ہم ہر مسلمان بچے کا وظیفہ مقرر کیے دیتے ہیں، پھر انہوں نے یہ حکم نامہ پوری اسلامی ریاست میں ارسال فرمایا۔ (ایضاً: ۳۹۳)

تجسس کے نقصانات، تباہ کاریاں اور خطرناک صورتیں

کسی سماج میں اگر دوسروں کے معائب کی تلاش کی بیماری عام ہوجاتی ہے تو پورے سماج میں فساد پھیل جاتا ہے، اور محبت کی جگہ نفرت پیدا ہوجاتی ہے، حضرت تھانویؒ کے ملفوظات میں ہے:

”آڑ میں بیٹھ کر کسی کی باتیں سننا بھی تجسس میں داخل ہے، جس کو آڑ میں بیٹھنا ہے تو زبان سے کہہ دینا چاہیے کہ میں بیٹھا ہوں یا اس کے سامنے بیٹھنا چاہیے، غرض کسی طرح اپنے بیٹھنے کی اطلاع کردے۔

اسی طرح ایک آدمی سونے کو لیٹ گیا، اور دوسروں کو یہ خیال ہوا کہ یہ سو گیا ہے اور وہ آپس میں باتیں کرنے لگیں، مگر یہ جاگ رہا تھا تو اس کو چاہیے کہ ان کو اطلاع کردے کہ میں جاگ رہا ہوں، البتہ اگر وہ لوگ اسی کے متعلق باتیں کررہے ہوں اور اس کو ضرر پہنچانا چاہتے ہوں تو تجسس کے ساتھ ان کی گفتگو سننا جائز ہے۔

نیز اگر دو شخص انگریزی یا عربی میں گفتگو کررہے ہوں، اور تیسرا شخص بھی ان زبانوں کو سمجھتا ہو، مگر ان دونوں کو خبر نہ ہو تو اس کو چاہیے کہ ان دونوں کو مطلع کردے کہ میں عربی یا انگریزی سمجھتا ہوں“۔ (انفاس عیسیٰ: ۱۵۴)

آج معاشرے میں سب کام الٹے ہورہے ہیں، دو آدمی آپس میں بات کررہے ہوں تو دیگر لوگ ایسے موقع پر یہ چاہتے ہیں کہ اپنے کو مخفی رکھیں، اور بات کرنے والوں پر اپنی موجودگی ظاہر نہ ہونے دیں، آرام سے ان کی باتیں سنیں، جب کہ یہ حرام تجسس ہے۔

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم فرماتے ہیں:

''ہماری شریعت نے ہمیں ایسی ایسی باتیں بتائی ہیں کہ اگر واقعۃً ہم لوگ اس پر عمل کرلیں تو آپس میں کوئی جھگڑا پیدا ہی نہ ہو اور معاشرے میں کوئی فساد رونما ہی نہ ہو، جہاں کہیں فتنہ وفساد اور جھگڑا ہوتا ہے وہ شریعت کی کسی نہ کسی تعلیم کو چھوڑنے کے نتیجے میں ہوتا ہے، شریعت نے فتنہ اور فساد اور جھگڑے کے راستے پر ایسے پہرے بٹھائے ہیں کہ اگر ہم ان پر عمل کرلیں تو پھر کوئی جھگڑا ہی نہ ہو، چنانچہ ایک طرف تو نبی کریم ﷺ نے حدیث شریف میں یہ حکم دیا کہ:

لَا يَتَنَاجَىٰ اثْنَانِ دُوْنَ ثَالِثٍ.

یعنی اگر محفل میں تین آدمی ہیں، تو ان میں سے دو آدمیوں کو یہ نہیں کرنا چاہئے کہ آپس میں علیحدہ ہو کر اس طرح باتیں کرنے لگیں کہ تیسرا آدمی اکیلا رہ جائے، ایسا کرنا جائز نہیں، کیوں؟ اس لئے کہ تیسرے کو یہ احساس اور خیال ہوگا کہ انہوں نے مجھے اکیلا کردیا اور میرے بارے میں کوئی بات کررہے ہیں اور مجھ سے وہ بات چھپانا چاہتے ہیں، اس سے اس کی دل شکنی ہوگی، اس لئے دو آدمی علیحدہ ہو کر سرگوشی نہ کریں۔

اور دوسری طرف یہ حکم دیا کہ اگر پہلے سے دو آدمی سرگوشی کررہے ہیں تو تیسرے کو یہ چاہئے کہ وہ وہاں نہ جائے، تاکہ ان کی باتوں میں خلل واقع نہ ہو، ان کو اپنی باتیں کرنے دو، تم بیچ میں جاکر کیوں گھستے ہو؟ یہ ساری باتیں حضور اقدس ﷺ نے ہمیں بتادیں، لیکن ہم نے بس چند چیزوں کا نام دین رکھ لیا، نماز پڑھ لی، روزہ رکھ لیا، بس قصہ ختم، دین کو اسی میں منحصر سمجھ لیا، زندگی گزارنے کے جو آداب حضور اقدس ﷺ نے ہمیں بتائے ہیں، ان کو قطعی طور پر دین سے خارج ہی کردیا، حالانکہ یہ بھی حضور اقدس ﷺ کا حکم ہے''۔ (اصلاحی مجالس: ۱/ ۲۳۸-۲۳۹)

مزید فرماتے ہیں:

''بہت سے آدمی کسی آدمی سے ایسے سوالات کرتے ہیں جن کا وہ جواب نہیں دینا

چاہتا، یا جس کو وہ چھپانا چاہتا ہے، مثلاً کوئی شخص اپنی آمدنی آپ کو بتانا نہیں چاہتا ہے، کہ میری آمدنی کتنی ہے، اب اس سے سوال کریں کہ آپ کی آمدنی کتنی ہے؟ آپ کو کتنی تنخواہ ملتی ہے؟ اگر وہ بتانا نہیں چاہتا تو آپ کے لئے ایسا سوال کرنا بھی جائز نہیں؟ چوں کہ آپ کو پتہ نہیں کہ اس کو یہ سوال پسند آئے گا یا نہیں؟ اس لئے ایسا سوال دوسرے سے کرنا ہی نہیں چاہئے، اسی طرح ایسا سوال کرنا کہ اس کے جواب کے نتیجے میں اس کا پوشیدہ عیب ظاہر کروانا مقصود ہو، یہ بھی جائز نہیں، اس لئے کہ آپ کو دوسرے کے عمل کے بارے میں کیا پڑی ہے کہ دوسرا شخص کیا عمل کر رہا ہے، قبر میں میدان حشر میں آپ سے نہیں پوچھا جائے گا کہ دوسرے کے اعمال کیا تھے؟ تمہیں تو اپنے اعمال کا جواب دینا ہے، لہٰذا تم دوسرے کی کھوج میں دوسرے کی فکر میں مت پڑو۔

ہمارے بزرگوں نے تو اس میں یہاں تک احتیاط کی ہے اگر فرض کرو کہ دو آدمی آپس میں باتیں کر رہے ہیں، اور ایسی زبان میں باتیں کر رہے ہیں کہ جس کے بارے میں ان کا خیال یہ ہے کہ تیسرا آدمی یہ زبان نہیں جانتا، جب کہ وہ زبان جانتے ہیں تو ایسی صورت میں ان کو بتا دینا چاہئے کہ میں یہ زبان جانتا ہوں، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے خلیفہ تھے حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ یہ اس زمانے میں ڈپٹی کلکٹر تھے اور اس زمانے میں ''ڈپٹی کلکٹر'' بڑا اونچا عہدہ ہوا کرتا تھا، انگریزی پڑھے ہوئے تھے، لیکن حضرت تھانوی کی صحبت میں آکر ان کا ایسا رنگ بدلا تھا کہ سر سے لے کر پاؤں تک دیکھنے میں مسجد کے ملا نظر آتے تھے، یا دینی مدرسہ کے کوئی طالب علم، حلیہ، سراپا، داڑھی، ٹوپی، کرتا، ٹخنوں سے اونچا پائجامہ تھا، ایک مرتبہ ریل گاڑی میں سفر کر رہے تھے گاڑی میں پہلے سے دو آدمی سوٹ پہنے بیٹھے ہوئے تھے ان دونوں نے انگریزی زبان میں کوئی خفیہ بات کرنی شروع کر دی تا کہ یہ نہ سمجھیں، حضرت مجذوب صاحبؒ کو اندازہ ہو گیا کہ یہ لوگ انگریزی میں اس لئے باتیں کر رہے ہیں تا کہ میں نہ سمجھ سکوں، اور بات بھی مجھ سے چھپانا چاہتے تھے، حضرت مجذوب

صاحب نے ان سے فرمایا کہ میں آپ سے ایک گزارش کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ آپ کو بتادوں کہ مجھے انگریزی زبان آتی ہے، لہٰذا اگر آپ مجھ سے چھپا کر کوئی بات کرنا چاہتے ہیں تو میں یہاں سے چلا جاتا ہوں، کیونکہ اگر آپ یہ سمجھ کر انگریزی میں بات کریں گے کہ میں نہیں سمجھوں گا تو میں آپ کو بتارہا ہوں کہ میں انگریزی سمجھتا ہوں لہٰذا کہیں آپ دھوکہ میں نہ رہیں، اور کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی خفیہ بات میں سن لوں، یہ بات ان پر واضح کردی، اس لئے کہ قرآن کریم کا یہ حکم ہے کہ دوسرے کی بات سننے کی کوشش نہ کرو، جب کہ وہ تمہیں سنانا نہیں چاہتا وہ تمہیں بتانا نہیں چاہتا تو اس سے بالکل الگ ہو جاؤ اور اس کو بتادو تاکہ وہ اگر اپنی بات خفیہ رکھنا چاہتا ہے تو خفیہ رکھ سکے۔

اسی طرح ایک واقعہ غالباً حضرت گنگوہیؒ کے ساتھ پیش آیا کہ وہ کہیں سفر میں جارہے تھے، آنکھیں بند کر کے لیٹے ہوئے تھے، ایسا معلوم ہورہا تھا کہ جیسے وہ سورہے ہیں دو آدمی برابر میں بیٹھے ہوئے تھے، وہ آپس میں کچھ باتیں کرنے لگے، حضرت کو اندازہ ہوا یہ لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں سوگیا ہوں، اس وجہ سے مجھ سے چھپانے والی باتیں آپس میں کررہے ہیں، حضرت نے سوچا ان کو بتادینا چاہئے کہ میں جاگ رہا ہوں، ورنہ یہ خیانت ہو جائے گی، چنانچہ ان کو بتادیا کہ معاف کرنا میں ابھی سویا نہیں ہوں، آپ کی باتیں میں سن رہا ہوں لہٰذا یہ سمجھ کر آپ باتیں نہ کریں کہ میں سورہا ہوں، ہمارے بزرگوں نے قرآن کریم کے اس حکم پر عمل کرنے میں اتنی احتیاط کی ہے۔

اگر کوئی شخص آپ کو کوئی بات بتانا نہیں چاہتا بلکہ چھپانا چاہتا ہے تو آپ کا کام یہ ہے کہ اس کے پاس سے ہٹ جاؤ اور اس کی تحقیق اور جستجو میں مت پڑو، آج کل یہ حکم بڑا پامال ہورہا ہے ہمارے معاشرے میں یہ وبا پھیلی ہوئی ہے کہ دوسرے کے راز معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور یہ درحقیقت غیبت کا پہلا قدم ہوتا ہے، کیونکہ اگر آپ کو دوسرے کا کوئی راز معلوم ہوگیا، یا کوئی برائی معلوم ہوگئی تو کل کو وہ برائی دوسروں کے سامنے بیان کرتے پھروگے اور غیبت کروگے، اور اگر پوری بات معلوم نہ

ہوسکی تو بدگمانی کروگے، اور پھر اس کے نتیجے میں دوسرے پر بہتان لگاؤ گے، لہذا یہ تجسس بہت سے گناہوں کا مقدمہ بن جاتا ہے، یہ تجسس بدگمانی کا ذریعہ بنتا ہے، غیبت کا ذریعہ بنتا ہے، بہتان کا ذریعہ بنتا ہے اور اس کے نتیجے میں لوگوں کے درمیان دشمنیاں عداوتیں لڑائی اور جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔

کیوں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ فرض کرو آپ نے چھپ کر کسی کی بات سن لی، اب پوری تو سنی نہیں، کوئی ادھوری بات سن لی، اب اس ادھوری بات کو سن کر آپ نے قیاسات کا محل تعمیر کرنا شروع کر دیا کہ اس نے یوں کہا ہوگا، فلاں بات کہی ہوگی، فلاں بات کہی ہوگی، اور اس کی بنیاد پر بات آگے چلتی کر دی، تو اس میں غیبت الگ، بہتان الگ، تجسس الگ، بدگمانی الگ، اس طرح آپ کا یہ عمل چار گناہوں کا مجموعہ ہوگیا اور اس کے نتیجے میں فساد پھیل گیا، جب وہ بات آگے پھیلے گی اور پھر حقیقت کھلے گی تو پتہ چلے گا کہ بات اتنی سی تھی اور اس کو بڑھا کر اتنا کر دیا گیا۔

چوں کہ اللہ جل شانہ سے زیادہ انسان کے نفس کی چوریوں کو کون جان سکتا ہے لہذا وہ ہماری نفسیاتی بیماریوں کو اور نفس کی چوریوں کو پکڑ کر بتا رہے ہیں کہ خدا کے لئے یہ کام نہ کرو، ہر انسان کو اپنی قبر میں سونا ہے، ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے اعمال کا جواب دینا ہے، دوسروں کے اعمال کی فکر آپ کے ذمے نہیں ہے''۔ (اصلاحی خطبات: ۱۷/ ۶۱-۶۳)

امام احمد بن حنبلؒ کے چچا بغداد کے گورنر کے معتمد کارندوں میں تھے، ان کا ایک کام یہ تھا کہ گورنر شہر سے باہر ہو تو تمام ضروری خبریں فراہم کریں اور گورنر کے واپس آنے پر خبریں اسے بھیجیں، ایسے ہی ایک موقع پر انہوں نے اپنے بھتیجے امام احمد بن حنبلؒ (جو اس وقت کم سن اور نوعمر تھے) کے ہاتھوں خبروں پر مشتمل وہ رپورٹ گورنر کے دفتر بھیج دی، مگر امام احمدؒ نے وہ رپورٹ دریائے دجلہ میں ڈال دی، چچا کے پوچھنے پر گورنر کے سامنے انہوں نے جواب دیا: میں رپورٹ لے کر جا رہا تھا تو خیال آیا کہ یہ تو تجسس ہے اور اللہ نے تجسس سے منع کیا ہے، اور

ہم نے تجسس کو اپنی زندگی کا وطیرہ بنالیا ہے، اس لئے میں نے وہ پلندہ دریائے دجلہ میں ڈال دیا، اس جواب نے سب کے سر جھکا دیئے اور احساس ندامت پیدا کر دیا۔ (دعوت وعزیمت کے روشن ستارے: آبادشاہ پوری:۹۹)

دوسرے کی بات چھپ کر سننا حرام تجسس کے دائرے میں آتا ہے، اوپر اس کا ذکر آچکا ہے، احادیث میں صراحت ہے:

مَنِ اسْتَمَعَ إِلَى حَدِيْثِ قَوْمٍ وَهُمْ لَهُ كَارِهُوْنَ أَوْ يَفِرُّوْنَ مِنْهُ صُبَّ فِيْ أُذُنَيْهِ الآنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (بخاری:التعبیر: باب من کذب فی حلمه: ٧٠٤٢)

جس نے کان لگا کر ان لوگوں کی بات سنی جو اسے ناپسند کرتے ہیں یا اس سے بھاگتے ہیں، قیامت کے دن اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔

تجسس کی بے انتہا بری اور سنگین صورت یہ ہے کہ اسلام دشمنوں کا ایجنٹ اور جاسوس بن کر اہل ایمان کی صفوں میں ان کے عیوب اور کمزوریوں کی ٹوہ لگائی جائے اور مسلمانوں کے راز دشمن کے حوالے کئے جائیں، یہ انتہائی خطرناک نفاق اور خیانت ہے، اور ایسے مجرموں سے چوکنا اور باخبر رکھنے کے لئے قرآن میں اہل ایمان کو بتایا گیا ہے کہ تمہاری صفوں میں اپنوں یا بیگانوں کی شکل میں تمہارے بدخواہوں کے ایجنٹ تجسس اور ٹوہ میں رہتے ہیں:

وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ. (التوبۃ:٤٧)

تمہارے درمیان ایسے لوگ ہیں جو دشمنوں کو بتانے کے لئے تمہاری باتیں خوب سنتے ہیں۔

چنانچہ وہ تمہاری کمیوں کا پتہ لگاتے اور پروپیگنڈہ کرتے ہیں، اس لئے بہت محتاط اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔

عربی شاعر کا شعر ہے:

يُـخْـرِجُ اَسْـرَارَ الْـفَتـىٰ جَـلِيْـسُـهُ
رُبَّ امْـرِئٍ جَـاسُـوْسُـهُ أَنِيْـسُـهُ

انسان کا ہم نشین اس کے راز فاش کر دیتا ہے، بہت مرتبہ انسان کا دوست ہی اس کا جاسوس ہوتا ہے، اور اس کے عیوب کی تشہیر کر دیتا ہے۔

اور ایسے منافقوں کی بابت یہ بھی کہا گیا ہے:

لَـوْ سَـكَـنَّـا بَـاطِـنَ الْأَرْ
ضِ لَـكَـانُـوْا حَيْـثُ كُـنَّـا
إِنَّـمَـا هَـمُّـهُـمْ أَنْ
يَـنْـشُـرُوْا مَـا قَـدْ دَفَـنَّـا

اگر ہم زمین کے اندر بھی رہائش اختیار کر لیں تو یہ آستین کے سانپ دشمن وہیں پہنچ جائیں گے، ان کا اصل ہدف یہ ہے کہ ہمارے مخفی امور اور عیوب کو باہر نکال کر پھیلا دیں۔

بہر حال تجسس کے نمایاں نقصانات یہ ہیں:

(۱) تجسس بدگمانی کے گناہ میں مبتلا کرتا ہے۔

(۲) اس کی وجہ سے سماج میں نفرت وبغض کے جراثیم داخل ہوتے ہیں، سماج اتحاد واجتماعیت کے بجائے انتشار ونفرت کا شکار ہو جاتا ہے۔

(۳) ایک دوسرے پر اعتماد مجروح ہو جاتا ہے، شک اور شبہے کا تناسب بڑھ جاتا ہے۔

(۴) تجسس میں مبتلا افراد اپنی ایمانی واخلاقی سطح اپنے ہاتھوں پست کر ڈالتے ہیں، ان کی زندگیاں بے مقصد اور غلط کاموں میں مشغول ہو جاتی ہیں۔

(۵) جن لوگوں کے ساتھ تجسس کا یہ عمل ہوتا ہے ان میں ردعمل اور انتقام کی نفسیات پروان چڑھتی ہیں، جس سے سماج میں فساد اور انار کی بڑھتی جاتی ہے۔

(۶) اس کی وجہ سے سماج میں معائب اور برائیوں کی تشہیر بڑھ جاتی ہے۔

(۷) جس کے ساتھ تجسس کا عمل ہوا ہے اگر وہ سماج کا باحیثیت فرد ہے اور اسے مقتدا کی حیثیت حاصل ہے، اب لوگوں کے سامنے اس کی کمزوریاں آتی ہیں تو اس کی وقعت کم ہو جاتی ہے، اس کی حیثیت عرفی مجروح ہوتی ہے، اور آئندہ اس کی بات میں وزن باقی نہیں رہتا، اس طرح لوگ ایک بڑے خیر سے محروم ہو جاتے ہیں اور بدگمانی اور افترا پردازی کے بہت سے گناہوں پر جری ہو جاتے ہیں۔

(۸) اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تجسس کے عمل سے انسان اللہ کے غضب کا نشانہ بنتا ہے اور رحمت سے محروم ہو جاتا ہے۔

❍❖❍

تجسس سے باز رہنے کی تدبیریں

جو لوگ تجسس کے گناہ میں مبتلا اور اس کے عادی ہوں انہیں پہلی فرصت میں اس گناہ سے باز آنے اور توبہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے، اگر وہ مذکورہ چند امور پیش نظر رکھیں تو امید ہے کہ اس گناہ سے بچنا ان کے لئے آسان ہو جائے گا۔

(۱) تجسس کے سنگین جرم ہونے اور اس کے نتیجے میں نازل ہونے والے اللہ کے غضب وعذاب کا سچے دل سے مراقبہ اور استحضار۔

(۲) اپنی اصلاح کی فکر، اپنے عیوب کی طرف توجہ اور دوسروں سے مکمل اعراض۔

(۳) امت کی وحدت اور باہمی خوشگوار تعلقات کی اہمیت کا سچے دل سے شعور اور فکر۔

(۴) تجسس کی حرمت اور نقصانات کے تذکرے پر مشتمل آیات قرآنیہ، احادیث اور سلف کے فرمودات میں اچھی طرح غور۔

(۵) دوسروں کو ایذا پہونچانے کے گناہ کی سنگینی کا احساس اور اس سے بچنے کی فکر۔

(۶) دوسروں کے عیوب ڈھونڈنے کی پاداش میں من جانب اللہ اپنی پردہ دری اور اپنے عیوب کی تشہیر اور رسوائی کا یقین۔

(۶) غیبت

قرآن مجید نے بدگمانی اور تجسس کے بعد واضح الفاظ میں غیبت سے منع فرمایا ہے:

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُم بَعْضاً. (الحجرات: ۱۲)

ایک دوسرے کی غیبت مت کرو۔

غیبت کی حقیقت

حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کو خطاب کر کے فرمایا:

أَتَدْرُوْنَ مَاالْغِيْبَةُ؟

کیا تمہیں معلوم ہے کہ غیبت کیا ہے؟

صحابہ نے عرض کیا:

اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهُ أَعْلَمُ.

اللہ اور رسول زیادہ جانتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ.

اپنے بھائی کا برا تذکرہ غیبت ہے۔

عرض کیا گیا:

أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا أَقُوْلُ؟

یہ بتائیے کہ اگر میرے بھائی میں وہ عیب حقیقت میں موجود ہوتو؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ، وَ إِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ فَقَدْ بَهَتَّهُ. (مسلم:الادب: باب تحریم الغيبة: ٦٥٩٣)

جو بات تم اپنے بھائی کے بارے میں کہہ رہے ہو اگر وہ اس میں درحقیقت موجود ہوتو تم نے اس کی غیبت کی، اور اگر وہ اس میں موجود ہی نہ ہو تو تم نے اس پر بہتان لگایا۔

علامہ مناویؒ غیبت کی تعریف میں فرماتے ہیں:

ذِكْرُ الْعَيْبِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ. (نضرة النعيم:١١/٥١٦٣)

کسی کی عدم موجودگی میں اس کے عیوب کا تذکرہ

شیخ ابوالاعلی تھانویؒ لکھتے ہیں:

''غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کا اس طرح ذکر کرو کہ اسے علم ہوتو برا لگے، خواہ تم اس کی کسی جسمانی کمی کا ذکر کرو یا اس کے لباس، اخلاق و عادات، افعال واقوال، دینی یا دنیوی حالات، اولاد، مکان و جائداد یا جانور اور سواری کسی بھی تعلق سے کچھ ذکر کرو، غیبت صرف اقوال پر منحصر نہیں ہوتی، بلکہ حرکات و سکنات و اشارات و کنایات سے بھی ہوتی ہے''۔

(کشاف اصطلاحات الفنون:۳/۱۰۹۱)

❍❖❍

غیبت کی انواع

غیبت کی تفصیلات کا ذکر کرتے ہوئے علماء نے غیبت کی متعدد اقسام وانواع کی صراحت کی ہے، جن کو مختصراً ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) بدن کی غیبت

کسی شخص کو ذلیل کرنے کے ارادے سے اس کے کسی جسمانی عیب کا تذکرہ کرنا، مثلاً اس کی پست قامتی یا موٹاپے یا سیاہ رنگت وغیرہ کا تحقیر کی نیت سے ذکر۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ازواج مطہرات میں حضرت صفیہؓ قدرے پست قامت تھیں، میں نے ایک مرتبہ آپ ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ کیا آپ کو صفیہ کا پستہ قد ہونا پسند ہے؟ اس پر آپ ﷺ نے ناگواری کا اظہار فرمایا اور ارشاد ہوا:

لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَتْ بِمَاءِ الْبَحْرِ لَمَزَجَتْهُ.

(ابو داؤد: الادب: باب فی الغيبة: ٤٨٧٥)

تم نے ایسی کڑوی بات کہہ دی ہے کہ اگر اسے سمندر میں گھولا جائے تو سارا پانی کڑوا ہو جائے۔

روایات میں آتا ہے کہ حضرت صفیہؓ کو اونٹ کی ضرورت تھی، حضرت زینبؓ کے پاس زائد اونٹ تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: صفیہؓ کو ایک اونٹ دے دو، اس پر حضرت زینبؓ نے کہا: کیا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دوں گی؟ اس نامناسب جملے سے آپ ﷺ کو اس قدر

ناگواری ہوئی کہ آپ ﷺ نے تقریباً تین مہینوں تک حضرت زینب ؓ سے ملنا ترک کئے رکھا۔

(الترغیب والترھیب للمنذری: الترھیب من الغیبۃ :۳/ ۵۰۵)

ایک خاتون آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ان کے جانے کے بعد حضرت عائشہ ؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا:

مَا أَجۡمَلَهَا وَ أَحۡسَنَهَا لَوۡ لَا أَنَّ بِهَا قِصَراً.

اگر یہ عورت پستہ قد نہ ہوتی تو نہایت حسین وجمیل تھی۔

یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

إِغۡتَبۡتِيهَا يَا عَائِشَةُ.

اے عائشہ: تم نے اس کی غیبت کی۔

حضرت عائشہ ؓ بولیں:

إِنَّمَا قُلۡتُ شَيۡئاً هُوَ بِهَا.

میں نے تو اس کا واقعی عیب ذکر کیا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا قُلۡتِ شَيۡئاً بِهَا فَهِيَ غِيۡبَةٌ، وَإِذَا قُلۡتِ مَا لَيۡسَ بِهَا فَقَدۡ بَهَتِّهِ.

جب تم نے اس کا واقعی عیب بیان کیا تو یہ غیبت ہوئی، ورنہ اگر تم جھوٹی باتیں بیان کرتیں تو بہتان ہوتا۔ (الدر المنثور للسیوطی: ۷/ ۵۷۱)

حضرت معاویہ بن قرہ ؒ فرماتے ہیں:

لَوۡ مَرَّ بِكَ الاقۡطَعُ فَقُلۡتَ هَذَا اقۡطَعُ كَانَتۡ غِيۡبَةً.

اگر تمہارے پاس سے کسی ایسے شخص کا گزر ہو جس کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں، اور تم اس کا یہ عیب بیان کر دو تو یہ بھی غیبت ہوگی۔ (ایضاً)

امام محمد بن سیرین ؒ کی مجلس میں ایک صاحب کا ذکر نکل آیا، باتوں باتوں میں ان کی

زبان سے یہ نکلا کہ وہ سیاہ فام آدمی ہے، فوراً تنبہ ہوا، اور فرمایا: میں نے اس کی غیبت کر دی، اللہ مجھے معاف فرمائے۔ (ایضاً)

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ کسی صاحب کے ہاں دعوت میں تشریف لے گئے، دستر خوان پر لوگوں نے ایک شخص کا نام لے کر کہا کہ وہ ابھی تک نہیں آیا، اس پر کسی نے تبصرہ کیا کہ وہ بہت بھاری بدن کا ہے، اتنی جلدی کہاں آپائے گا، یہ غیبت سن کر حضرت ابراہیمؒ فوراً وہاں سے چلے آئے، اور اپنے نفس کو خطاب کر کے کہا: تیری وجہ سے یہ غیبت سنی پڑی، تجھے بھوک نہ ہوتی تو وہاں جانے اور غیبت سننے کی نوبت نہ آتی، پھر اس کے بعد تین دن تک کھانا نہیں کھایا۔ (غیبت کیا ہے؟: از حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ: ۲۲، بحوالہ تنبیہ الغافلین لابی اللیث)

اس سے معلوم ہوا کہ جس مجلس یا دعوت یا دستر خوان پر غیبت ہوتی ہو، وہاں جانے سے احتیاط کرنا چاہئے۔

(۲) لباس کی غیبت

کسی پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کے لباس و پوشاک کا تذکرہ کرنا اور عیب لگانا بھی غیبت میں شامل ہے، علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی کی تحقیر کے ارادے سے اس کے لباس کے چھوٹے یا لمبے ہونے کا تذکرہ کیا جائے تو یہ غیبت ہوگی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دن میں نے آپ ﷺ کے سامنے ایک خاتون کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس کا دامن بہت لمبا ہے، یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

اِلْفِظِی، اِلْفِظِی.

تم تھوکو، تم تھوکو۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: میں نے تھوکا تو میرے منہ سے گوشت کا ایک ٹکڑا نکلا، یہ غیبت کا اثر تھا۔ (الترغیب والترہیب للمنذری: الترہیب من الغیبۃ: ۵۰۶/۳)

(۳) نسب کی غیبت

کسی کے حسب ونسب اور خاندان کا تحقیر کے مقصد سے تذکرہ کرنا بھی غیبت ہی کی صورت ہے، مثلاً کسی کے آباء واجداد کے بارے میں یہ تبصرہ کیا جائے کہ وہ رذیل تھے، یا کم ترین تھے، اسی طرح کسی کو بے اصل قرار دیا جائے، احادیث میں آتا ہے کہ انسان کے کمال و فضل کا معیار کردار اور تقویٰ ہوتا ہے، حسب ونسب نہیں، اور یہ بھی فرمایا گیا ہے:

مَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ. (مشكوة المصابيح: كتاب العلم)

جس کو اس کا عمل پیچھے کردے، اسے اس کا نسب آگے نہیں کرسکتا۔

بلکہ احادیث میں یہ صراحت آئی ہے کہ کسی کے نسب وخاندان کے حوالے سے اسے طعنہ دینا، انسان کو کفر تک پہونچا دینے والا عمل ہے، ارشاد نبوی ہے:

اِثْنَتَانِ فِي النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ: الطَّعْنُ فِي النَّسَبِ وَ النِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ. (مسلم: الايمان: باب إطلاق اسم الكفر على الطعن فى النسب الخ: ٢٢٧)

انسان کی دو خصلتیں اسے کفر تک پہونچا دیتی ہیں: (۱) کسی کے نسب پر طعنہ زنی، (۲) مرنے والے پر نوحہ خوانی۔

(۴) عادت واوصاف کی غیبت

کسی کے اوصاف، اخلاق اور عادات پر تبصرہ کرتے ہوئے تحقیر و تذلیل کے ارادے سے ان کا تذکرہ کرنا بھی غیبت ہی کے ذیل میں آتا ہے، مثلاً کسی کو متکبر، یا بخیل، یا ریا کار، یا بزدل، یا بے وقوف، یا بے سلیقہ، یا بیوی کا غلام، یا بسیار خور، یا بہت سونے والا جیسے الفاظ سے یاد کیا جائے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، لوگوں نے کسی شخص کا نام لے کر تبصرہ کیا:

مَا أَعْجَزَ فُلَاناً أَوْ مَا أَضْعَفَ فُلَاناً.

فلاں شخص انتہائی درجہ عاجز و بے بس یا کمزور ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

اِغْتَبْتُمْ صَاحِبَكُمْ وَ أَكَلْتُمْ لَحْمَهُ.

تم نے لوگوں سے اس کی غیبت کی اور اس کا گوشت کھایا۔ (الترغیب والترہیب للمنذری: الترہیب من الغیبۃ: ۳/۵۰۶)

بعض روایات میں آتا ہے کہ کچھ افراد نے خدمت نبوی میں کسی آدمی کا تذکرہ اس طرح کیا:

لَا يَأْكُلُ حَتَّى يُطْعَمَ، وَلَا يَرْحَلُ حَتَّى يُرْحَلَ لَهُ.

وہ اتنا کمزور ہے کہ خود نہیں کھا پاتا، کوئی کھلائے تبھی کھاتا ہے، خود سوار بھی نہیں ہو پاتا کوئی سوار کردے تبھی سوار ہوتا ہے۔

یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

اِغْتَبْتُمُوهُ.

تم نے اس کی غیبت کی۔

صحابہ نے عرض کیا: کیا عیب بیان کرنا غیبت ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

حَسْبُكَ إِذَا ذَكَرْتَ أَخَاكَ بِمَا فِيهِ.

غیبت میں یہی کافی ہے کہ تم اپنے بھائی کا عیب واقعی بیان کرو۔ (ایضاً)

ایک سفر کے دوران حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے آپ ﷺ سے گوشت طلب کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے اپنے فلاں مسلمان بھائی کا گوشت سیر ہو کر نہیں کھالیا؟ ان

دونوں نے عرض کیا: ہم نے تو اس شخص کے بارے میں صرف اتنا ہی کہا تھا کہ وہ اتنا کمزور ہے کہ ہماری کوئی خدمت و مدد نہیں کرسکتا، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بھی مت کہو اور کسی کا ادنیٰ وصف بد بھی ذکر نہ کیا کرو۔ (الدر المنثور للسیوطی: ۷/۵۷۲)

روایات میں آتا ہے کہ غیبت کی ممانعت کی مذکورہ آیت حضرت سلمان فارسیؓ کے اس واقعے پر اتری ہے کہ وہ ایک بار کھانا کھا کر سو گئے، اور خراٹے لینے لگے، دو آدمیوں نے ان کی غیبت شروع کردی اور ان کے کھانے، سونے اور خراٹے پر تبصرہ کرنے لگے۔ (ایضاً: ۷/۵۷۰)

(۵) عبادات کی غیبت

کسی کی عبادات پر تبصرہ کرنا بھی غیبت میں شامل ہے، مثلاً کسی کی نماز پر خشوع سے خالی ہونے کا عیب لگانا یا کسی کے تہجد ادا نہ کرنے پر تبصرہ کرنا یا وضو اور غسل کی کیفیات پر تنقید کرنا وغیرہ۔

شیخ سعدیؒ کے واقعات میں مذکور ہے کہ ایک دن انہوں نے تہجد کے وقت سو رہے افراد کے متعلق یہ کہا کہ کیا خوب ہوتا اگر یہ لوگ سونے کے بجائے نماز ادا کرتے، یہ سن کر ان کے والد نے تنبیہ کی اور فرمایا: کیا خوب ہوتا اگر تم بھی اس وقت سوئے رہتے اور ان کی غیبت سے اپنے کو محفوظ رکھتے۔ (غیبت کیا ہے؟: از مولانا عبدالحی لکھنویؒ: ۲۷)

حضرت عامر بن واثلہؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے کسی کی غیبت کرتے ہوئے کہا:

إِنِّی لَأُبْغِضُ هَذَا فِی اللّٰهِ تَعَالیٰ.

میں اس شخص سے خدا کے واسطے بغض رکھتا ہوں۔

جب اسے یہ خبر ملی تو اس نے آپ ﷺ کی خدمت میں شکایت کی کہ فلاں شخص میری غیبت کرتا ہے اور مجھ سے بغض رکھتا ہے، آپ ﷺ نے اسے بلایا اور بغض کا سبب دریافت فرمایا، اس نے کہا:

أَنَا جَارُهُ، وَأَنَا بِهِ خَابِرٌ وَاللّٰهِ مَا رَأَيْتُهُ يُصَلِّى صَلَاةً قَطُّ إِلَّا هَذِهِ الْمَكْتُوبَةَ، وَمَا رَأَيْتُهُ يَصُومُ شَهْرًا قَطُّ إِلا هَذَا الشَّهْرَ الَّذِى يَصُومُهُ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ، وَ مَا رَأَيْتُهُ يُنفِقُ شَيْئاً مِنْ مَالِهِ فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ إِلَّا هَذِهِ الزَّكوةَ الَّتِى يُؤَدِّيهَا الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ.

میں اس کا ہمسایہ ہوں، اوراس کے بارے میں پوری خبر رکھتا ہوں، خدا کی قسم میں نے اسے فرض نمازوں کے سوا کوئی اور نماز پڑھتے نہیں دیکھا، رمضان کے فرض روزے جسے نیک و بدسب رکھتے ہیں اس کے سوا کوئی روزہ رکھتے نہیں دیکھا، زکوۃ جسے نیک و بدسب ادا کرتے ہیں کے سوا اپنے مال میں کچھ بھی راہ خدا میں خرچ کرتے ہوئے اسے نہیں دیکھا۔

یہ سن کراس شخص نے آپ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ اس سے پوچھئے کہ کیا میں فرائض کی انجام دہی میں کوئی کمی کوتاہی کرتا ہوں؟ آپ ﷺ نے پوچھا تو اس نے کہا: نہیں، فرائض میں تو کمی نہیں کرتا، مگر چونکہ نوافل ادا نہیں کرتا اس لئے مجھے اس سے بیر ہے، یہ سن کر آپ ﷺ نے اُس بغض رکھنے والے اور غیبت کرنے والے سے فرمایا:

قُمْ فَلَعَلَّهُ خَيْرٌ مِنكَ.

جاؤ چلے جاؤ، ممکن ہے کہ یہ شخص عاقبت میں تم سے بہتر ہو (اس لئے اس کی غیبت اور بغض سے بچو)۔ (احیاء العلوم للغزالی: ۳/ ۲۹۷، بحوالہ مسند احمد)

یہی واقعہ الفاظ کی کچھ تبدیلی کے ساتھ حضرت انسؓ کی سند سے بھی منقول ہے۔ (ملاحظہ ہو: کنز العمال: ۳/ ۳۳۰: ۸۸۵۷)

(۶) معاصی کی غیبت

کسی کے گناہوں اور معاصی کا تذکرہ مجلس آرائی کے طور پر، اس کے عیوب کی تشہیر اور

اس کی تذلیل کی نیت سے کیا جائے اور اس میں انتظامی اور اصلاحی مصالح و مقاصد کارفرما نہ ہوں، یہ بھی غیبت میں شامل ہے، مثلاً کسی کے زنا یا چوری یا شراب نوشی کے عمل کا اس کی تحقیر کے ارادے سے ذکر کیا جائے۔

شریعت کی ہدایت یہ ہے کہ کسی کو اس کی کسی بری عادت اور گناہ سے باز رکھنا ہو تو بھی حکمت کی رعایت رکھتے ہوئے تنہائی میں نرمی اور پورے جذبۂ نصح کے ساتھ اسے سمجھایا جائے، خود ایسا نہ کر سکے تو کسی ایسے عالم یا ناصح و معتبر شخص کو درمیان میں ڈالا جائے جس کی بات مخاطب کے دل میں اہمیت رکھتی ہو، امام شافعیؒ کا شعر ہے:

تَعَمَّدْنِی بِنُصْحِکَ فِی انْفِرَادِي
وَجَنِّبْنِی النَّصِيْحَةَ فِی الْجَمَاعَه
فَإِنَّ النُّصْحَ بَيْنَ النَّاسِ نَوْعٌ
مِنَ التَّوْبِيْخِ لا أَرْضَى اسْتِمَاعَه

(فاكهة المجالس: وحيد عبد السلام بالی: ٢٤)

تم میرے خیر خواہ ہو تو مجھے تنہائی میں نصیحت کرو، سب کے سامنے ایسا کرنے سے بچو، سب کے سامنے نصیحت کرنا ایک قسم کی ملامت اور جھڑکی ہے، مجھے ایسی نصیحت سننا پسند نہیں ہے۔

شیخ سعدیؒ نے ایک بار اپنے استاذ سے اپنے کسی ہم عمر ساتھی کے بارے میں کہا کہ وہ مجھ سے حسد رکھتا ہے، استاذ نے فوراً تنبیہ کی اور کہا: تم حسد کو برا سمجھتے ہو مگر غیبت میں مبتلا ہو، اس طرح استاذ نے انہیں غیبت کے شائبہ تک سے بچنے کی تلقین کی۔ (غیبت کیا ہے: ۲۸)

منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے سامنے حجاج بن یوسف کی برائی شروع کر دی اور غیبت بھی کر دی، حضرت عبد اللہ بن عمر نے فوراً ٹوکا اور فرمایا: یہ مت سمجھنا کہ اگر حجاج ظالم ہے تو اب اس کی غیبت حلال ہو گئی، یاد رکھو! جب اللہ

قیامت کے دن حجاج سے اس کے ناحق قتل اور مظالم کا بدلہ لیں گے تو تم سے اس غیبت کا بھی بدلہ لیں گے۔ (اسلام اور ہماری زندگی:۴/۱۹۶)

(۷) قولی اور زبانی غیبت

اپنی زبان اور قول سے کسی کی برائی کرنا اور اس کے عیوب کا تذکرہ کرنا قولی غیبت ہے، حضرت عمر فاروقؓ کے اقوال میں ملتا ہے:

لا تَشْغَلُوا أَنْفُسَكُمْ بِذِكْرِ النَّاسِ فَإِنَّهُ بَلاءٌ، وَ عَلَيْكُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ فَإِنَّهُ رَحْمَةٌ.

اپنے آپ کو لوگوں کو تذکرے میں مشغول مت کرو، یہ غیبت اور مصیبت ہے، اللہ کے ذکر کو لازم پکڑو، یہ رحمت و نعمت ہے۔ (رسائل ابن ابی الدنیا:۱/۲۵۳)

(۸) عملی غیبت

اپنے کسی عمل سے کسی کی برائی کا بیان واظہار عملی غیبت ہے، احادیث میں آتا ہے کہ ایک بار ایک پستہ قد خاتون آپ ﷺ کی خدمت میں آئیں، حضرت عائشہؓ نے ان کی آمد کی خبر آپ ﷺ کو دیتے ہوئے ہاتھ سے ان کے پستہ قد ہونے کا اشارہ کردیا، چونکہ یہ انداز نقل اتارنے کا تھا، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے ان کی غیبت کی ہے۔ (الدرالمنثور:۷/۵۷۵)

معلوم ہوا کہ جسمانی حرکت یا اشارے سے یا نقل اتارنے کے عمل سے کسی کی کوئی کمی یا عیب بیان کرنا بھی غیبت میں داخل ہے، مختلف احادیث میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ مجھے چاہے جو ملنے والا ہو، کسی کی نقل اتارنا مجھے بالکل پسند نہیں ہے۔ (احیاء العلوم:۳/۲۹۳)

(۹) کان کی غیبت

کسی کی غیبت ہورہی ہو، اسے اپنے کان سے سننا اور اس کا دفاع نہ کرنا کان کی غیبت ہے اور بدترین گناہ ہے، شریعت کی ہدایت تو یہ ہے کہ کسی مجلس میں کسی کی غیبت ہو تو صاحب

ایمان کو اس کا دفعیہ کرنا چاہیے، غیبت کرنے والوں کو تنبیہ کرنی چاہیے اور ایسی مجلس سے علاحدہ ہوجانا چاہئے، حدیث نبوی ہے:

إِذَا وُقِعَ فِی الرَّجُلِ وَ أَنْتَ فِي مَلأٍ، فَكُنْ لِلرَّجُلِ نَاصِراً وَ لِلْقَوْمِ زَاجِراً وَقُمْ عَنْهُمْ. (الدر المنثور:۷/۵۷٤)

تم کسی مجلس میں ہو اور کسی شخص کی غیبت ہونے لگے تو تم اس شخص کے مددگار اور مدافع بن جاؤ، اور غیبت کرنے والوں کو روکو، اور ایسی مجلسوں سے اٹھ جاؤ۔

امام نوویؒ نے اپنی مقبول کتاب 'ریاض الصالحین' میں یہ باب ذکر کیا ہے:

بَابُ تَحْرِيمِ سَمَاعِ الْغِيْبَةِ وَأَمْرِ مَنْ سَمِعَ غِيْبَةً مُحَرَّمَةً بِرَدِّهَا وَالإِنْكَارِ عَلَى قَائِلِهَا فَإِنْ عَجِزَ أَوْ لَمْ يُقْبَلْ مِنْهُ فَارَقَ ذٰلِكَ الْمَجْلِسَ إِنْ أَمْكَنَهُ.

کسی کی غیبت سننے کے حرام ہونے کا بیان اور اس حکم کا بیان کہ جو شخص حرام غیبت سنے تو اس کی تردید کرے اور غیبت کرنے والے پر نکیر کرے، پھر اگر وہ ایسا کرنے سے عاجز ہو یا اس کی بات نہ مانی جائے تو اس مجلس سے حتی الامکان اپنے کو الگ رکھے۔

مزید لکھتے ہیں:

اِعْلَمْ اَنَّهُ يَنْبَغِي لِمَنْ سَمِعَ غِيْبَةَ مُسْلِمٍ أَنْ يَرُدَّهَا وَ يَزْجُرَ قَائِلَهَا، فَإِنْ لَمْ يَنْزَجِرْ بِالْكَلَامِ زَجَرَهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ بِالْيَدِ وَلَا بِاللِّسَانِ، فَارَقَ ذٰلِكَ الْمَجْلِسَ، فَإِنْ سَمِعَ غِيْبَةَ شَيْخِهِ اَوْ غَيْرِهِ مِمَّنْ لَهُ عَلَيْهِ حَقٌّ أَوْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْفَضْلِ وَالصَّلَاحِ، كَانَ الاِعْتِنَاءُ بِمَا ذَكَرْنَاهُ أَكْثَرَ. (الاذكار للنووي: ٣٠٤)

جان لو کہ جو شخص کسی مسلمان کی غیبت سنے اس کی ذمہ داری ہے کہ اس کا دفاع کرے اور غیبت کرنے والے کو ڈانٹ دے، اگر زبانی فہمائش سے غیبت کرنے والا باز نہ آئے تو اسے زور بازو سے غیبت سے روک دے، اگر زبان اور ہاتھ دونوں سے فہمائش اور روکنے پر قادر نہ ہو تو اس مجلس سے الگ ہو جائے، اگر اپنے شیخ واستاذ یا کسی صاحب علم وتقویٰ شخص کی یا کسی ایسے شخص کی جس کا اپنے اوپر حق ہو، غیبت سنے تو دفاع کرنے، غیبت کرنے والے کو روکنے اور اس مجلس سے الگ ہو جانے کی ذمہ داری اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

اگر کوئی شخص کسی مجلس میں شریک ہو اور وہاں کسی کی غیبت ہونے لگے تو شرعی ہدایت یہ ہے کہ شریک شخص اُس سے بالکل بدگمان نہ ہو جس کی غیبت ہو رہی ہے بلکہ بدگمانی سے بچے اور جن معائب کا تذکرہ ہو رہا ہو ان کو سچ نہ سمجھے اور انہیں دوسروں کے سامنے نقل بھی نہ کرے اور یہ سمجھے کہ غیبت کرنے والے گناہ میں مبتلا ہو رہے ہیں اور ان کی باتیں عداوت پر مبنی اور ناقابل اعتبار ہیں۔

اسی طرح غیبت کرنے والوں کے ساتھ غیبت میں شریک ہو کر اپنے کو مجرم نہ بنائے، بلکہ جس کی غیبت ہو رہی ہو اس کا دفاع کرے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں منقول ہے کہ ایک دن انہوں نے اپنے اصحاب سے پوچھا: اگر کوئی شخص سو رہا ہو اور اس کا ستر تھوڑا سا کھل گیا ہو تو تم اسے چھپاؤ گے یا باقی ستر بھی کھول دو گے؟ اصحاب بولے: ہم فوراً کھلا ہوا ستر چھپا دیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: جب کوئی شخص تمہارے سامنے کسی کے عیب کھولتا اور بیان کرتا ہے تو تم اس کے ساتھ شریک کیوں ہوتے ہو اور جس کا تذکرہ ہوتا ہے اس کے مزید عیوب کیوں کھولتے ہو، تمہیں تو یہ کرنا چاہئے کہ تم عیوب کو ڈھانپو اور دفاع کرو۔ (غیبت کیا ہے: ۲۲۲ بحوالہ فقیہ ابواللیث)

شریعت پابند کرتی ہے کہ مجلس میں غیبت ہورہی ہوتو سننے والا اس مسلمان کا دفاع کرے جس کی غیبت ہورہی ہے، اس کی تعریف کرے، اس کی خوبیوں کا ذکر کرے، یہ عمل ایک طرف اس مظلوم کی مدد اور حفاظت بھی ہے، دوسری طرف غیبت کرنے والے کے لئے تنبیہ اور سبق بھی ہے، اور تیسری طرف اپنے لئے آخرت کے محاسبہ سے بچاؤ کا سامان بھی ہے۔

احادیث میں صراحت ہے:

مَنْ ذَبَّ عَنْ عِرْضِ اَخِيهِ بِالْغَيْبِ، كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُعْتِقَهُ مِنَ النَّارِ. (الترغيب والترهيب للمنذرى: ذم الغيبة: ۳/ ۵۱۷)

جو پیٹھ پیچھے کسی مسلمان بھائی کی آبرو کا دفاع کرے گا، اللہ پر حق ہے کہ اسے جہنم سے آزاد فرمادے۔

مَنِ اغْتِيبَ عِنْدَهُ أَخُوهُ الْمُسْلِمُ فَلَمْ يَنْصُرْهُ وَ هُوَ يَسْتَطِيعُ نَصْرَهُ أَدْرَكَهُ إِثْمُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ. (ايضاً: ۳/ ۵۱۸)

جس کے سامنے مسلمان بھائی کی غیبت ہوئی اور وہ اس کی مدد (دفاع) کی استطاعت کے باوجود مدد نہ کرے، اسے دنیا وآخرت میں اس کا گناہ بھگتنا پڑے گا۔

مَنِ اغْتِيبَ عِنْدَهُ أَخُوهُ فَاسْتَطَاعَ نُصْرَتَهُ، فَنَصَرَهُ، نَصَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، وَإِنْ لَمْ يَنْصُرْهُ أَدْرَكَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ. (ايضاً)

جس کی موجودگی میں اس کے بھائی کی غیبت ہو، اور وہ مدد کرسکتا ہو، پھر مدد کرے، تو اللہ دنیا وآخرت میں اس کی مدد فرمائے گا، اور اگر مدد نہ کرے تو اللہ دنیا وآخرت میں اسے سزا دے گا۔

حضرت عبداللہ بن المبارکؒ کی مجلس میں کسی نے امام ابوحنیفہؒ کی غیبت شروع کردی،

امام ابن المبارکؒ نے اس شخص سے کہا: تم اتنے عظیم امام کے عیوب بیان کرتے ہو، ان کی شان تو یہ تھی کہ ایک وضو سے پانچوں نمازیں ادا کرتے رہے، اور مسلسل ۴۵ رسال تک یہی معمول رہا۔ (غیبت کیا ہے: ۲۱۲، بحوالہ ردالمحتار)

مجلس میں کسی شخص کی برائیاں ہورہی ہوں تو اس سلسلے کو ختم کرنے کی تدبیر یہی ہے کہ اس شخص کی بھلائیاں بیان کی جائیں، اور جہاں تک ممکن ہو اس کی برائیوں کا دفاع کیا جائے، مثلاً اگر کوئی کسی کے بارے میں یہ کہیکہ فلاں فرض تو پڑھتا ہے لیکن سنت نہیں پڑھتا تو اس کے جواب میں یہ کہا جائے کہ مسجد میں سنت پڑھنا ضروری نہیں ہے، ممکن ہے وہ گھر میں سنت ادا کرتا ہو، اسی طرح کوئی شخص کسی نماز میں مسجد میں نظر نہ آئے پھر کوئی غیبت کرتے ہوئے اس کو بے نمازی ثابت کرے تو اس کا دفاع اس طرح کیا جائے کہ ہوسکتا ہے وہ سفر میں ہو یا وہ بیمار ہو، جس کی وجہ سے نہ آیا ہو، حاصل یہ ہے کہ غیبت کا دفعیہ کیا جائے، اور جس کی غیبت ہورہی ہو اس کی خوبیاں ذکر کی جائیں اور اس کے طرزِ عمل کی مناسب توجیہ کی جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے:

نُهِينَا عَنِ الْغِيبَةِ وَالإِسْتِمَاعِ إِلَيْهَا. (رسالة المسترشدين للمحاسبی: ۱۲۱)

ہمیں غیبت کرنے اور غیبت سننے دونوں سے منع کیا گیا ہے۔

مجلس میں غیبت ہورہی ہو تو صاحب ایمان کی ذمہ داری ہے کہ سننے کے بجائے غیبت کرنے والے کو صاف صاف منع کردے، خاموش رہنا اپنے کو جرم میں شریک کرنا ہے، ایک حدیث میں وارد ہوا ہے:

اَلْمُسْتَمِعُ أَحَدُ الْمُغْتَابِيْنَ. (احیاء العلوم: ۳/ ۲۹۴)

غیبت سننے والا بھی غیبت کرنے والوں میں شامل ہے۔

اور کہا جاتا ہے:

اَلسَّاکِتُ شَرِیْکُ الْمُغْتَابِ. (ایضاً)

مجلس غیبت میں خاموش رہنے والا غیبت کرنے والے کے ساتھ شریک ہے۔

عربی شاعر کا شعر ہے:

وَسَمْعَکَ صُنْ عَنْ سَمَاعِ الْقَبِیْحِ
کَصَوْنِ اللِّسَانِ عَنِ الْقَوْلِ بِهٖ
فَاِنَّکَ عِنْدَ اسْتِمَاعِ الْقَبِیْحِ
شَرِیْکٌ لِقَائِلِهٖ فَانْتَبِهٗ

جیسے اپنی زبان کو بدگوئی سے بچاتے ہو، اسی طرح اپنے کان کو بری بات سننے سے بچاؤ، اس لئے کہ برائی سنتے وقت تم بدگوئی کرنے والے کے ساتھ شریک ہوجاتے ہو، لہذا محتاط رہو۔ (روضۃ العقلاء لابن حبان البستی: ۱/۱۷۰)

نیز:

فَالسَّامِعُ الذَّمَّ شَرِیْکٌ لَهٗ
وَمُطْعِمُ الْمَأْکُوْلِ کَالْآکِلِ

برائی کو سننے والا برائی کرنے والے کے ساتھ شریک ہوتا ہے، کھلانے والا کھانے والے کی مانند ہوتا ہے۔ (الحیوان للجاحظ: ۱/۱۶)

سلف کی سیرت میں اس کا انتہائی التزام ملتا ہے کہ وہ غیبت کی مجالس میں شرکت گوارا نہیں کرتے تھے، اور اگر ایسا اتفاق ہوا تو غیبت کرنے والوں کو سختی سے فہمائش کرتے تھے یا ایسی مجلس سے فوراً کنارہ کش ہوجاتے تھے۔

حجاج بن یوسف کی مجلس میں بصرہ اور کوفہ کے فقہاء موجود تھے، حضرت حسن بصریؒ بھی تھے، حجاج نے حضرت علیؓ کی غیبت شروع کردی، کچھ لوگوں نے تائید بھی کی، مگر حضرت حسنؒ سے رہا نہ گیا اور اورانہوں نے حضرت علیؓ کی مدح وتوصیف شروع کردی، یہ دیکھ کر حجاج غصے سے وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ (غیبت کیا ہے: ۲۱۵)

حضرت معاویہؓ کی مجلس میں نواسۂ رسول حضرت حسنؓ کی وفات کی خبر آئی، حضرت مقدامؓ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کلماتِ خیر فرمائے، قبیلہ بنی اسد کے ایک شخص نے وہیں حضرت حسنؓ کی غیبت شروع کردی، حضرت معاویہؓ اسے منع کرنے ہی جارہے تھے کہ حضرت مقدامؓ نے اسے بہت سختی سے ٹوکا اور حضرت حسنؓ کے فضائل بیان کئے۔ (ایضاً)

منقول ہے کہ حضرت میمونؒ کے پاس کسی بادشاہ کی کچھ لوگ بدگوئی کررہے تھے اور یہ خاموشی سے سن رہے تھے، رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص ان سے کہہ رہا ہے کہ تو نے ایک حبشی کا سڑا ہوا بدبودار گوشت کھایا؟ پوچھا: کیسے؟ کہا: غیبت کی وجہ سے، فرمایا کہ غیبت تو دوسروں نے کی تھی، میں نے تو اچھا یا برا کچھ بھی نہیں کہا تھا، اس شخص نے جواب دیا:

وَكَذٰلِكَ اسْتَمَعْتَ وَرَضِيْتَ.

یعنی تم نے اس کی بدگوئی کو سنا اور راضی رہے۔ (ایمان وعمل: مولانا عبدالرؤف جھنڈانگریؒ: ۸۲)

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا ملفوظ نقل کرتے ہوئے اس کی شرح میں فرمایا:

''حضرت تھانویؒ نے فرمایا: سالک کے سامنے کوئی غیبت یا لایعنی کلام کرے اور اس کو منع کرنے پر قدرت نہ ہو تو خود اٹھ جانا چاہئے اور اس کی دل شکنی کا خیال نہ کرے، کیونکہ دوسرے کی دل شکنی سے اپنی دین شکنی زیادہ قابل احتراز ہے، یوں اگر نہ اٹھ سکے تو کسی بہانہ سے اٹھ جائے یا قصداً فی الفور کوئی مباح تذکرہ شروع کردیا جائے

تاکہ وہ قطع ہوجائے۔

جیسا کہ ابھی بتایا کہ غیبت جس طرح کرنا ناجائز ہے، اسی طرح سننا بھی ناجائز ہے، لہٰذا اگر مجلس میں غیبت شروع ہوگئی تو اب کیا کیا جائے؟ حضرت فرماتے ہیں کہ اگر منع کرنے پر قدرت ہے تو روک دے، روکنے کے دو طریقے ہیں: ایک طریقہ تو یہ ہے کہ صاف صاف کہہ دے کہ دیکھو اس طرح تذکرہ کرنے سے غیبت ہوجائے گی، چھوڑو اس تذکرے کو، اور اگر اس طرح نہیں کہہ سکتے تو دوسرا طریقہ یہ ہے کہ خود موضوع کلام بدل دے اور کوئی بات چھیڑ دے تاکہ وہ قصہ ختم ہوجائے، اور اگر ان دونوں طریقوں پر قدرت نہ ہو تو پھر وہاں سے اٹھ جائے، اس مجلس میں نہ بیٹھے۔

آگے ایک اصول بیان فرمادیا کہ اس کی دل شکنی کا خیال نہ کرے، کیونکہ دوسرے کی دل شکنی سے اپنی دین شکنی زیادہ قابل احتراز ہے"۔ (اصلاحی مجالس: ۱/۱۳۰-۱۳۱)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تفصیل کے باوجود حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ کے ایک مؤثر خطاب کا وہ حصہ بھی ذیل میں نقل کردیا جائے جس کا عنوان ہے "غیبت سے بچنے کے نسخے" حضرت فرماتے ہیں:

"بعض لوگ کہتے ہیں: ہم غیبت کرنے سے تو بچ جاتے ہیں لیکن کوئی دوسرا کسی کی غیبت شروع کردیتا ہے تو نہ اسے خاموش کرسکتے ہیں اور نہ وہاں سے اٹھ سکتے ہیں، مروت غالب آجاتی ہے، اس بارے میں یہ سوچیں: "جو شخص کوئی بری بات آپ کے کان میں لاکر ڈالتا ہے گویا کہ وہ اپنے برتن کی نجاست آپ کے برتن میں ڈالنا چاہتا ہے۔"

یہ غیبت سننے سے بچنے کے لئے بہت عجیب اور بہت قیمتی نسخہ ہے، بہت ہی نافع ہے، ذرا غور سے سوچیں کہ اگر آپ کا کوئی بڑا حاکم یا افسر یا آپ کے والدین، بھائی، بہن، بیوی یا شوہر یا دوسرے رشتہ داروں یا دوستوں میں سے کوئی یوں کہے:

"میں آپ کے سر پر پیشاب کرنا چاہتا ہوں، اگر آپ میری بات نہیں مانیں گے تو میں ناراض ہوجاؤں گا۔"

تو کیا کوئی ایسی ہمت کر سکتا ہے کہ اس کی ناراضی سے بچنے کے لئے اسے اپنے اوپر پیشاب کرنے کی اجازت دے دے، حالانکہ اس کی اجازت دینے میں آپ کا کوئی زیادہ نقصان نہیں ہوگا، صرف آپ کے کپڑے اور بدن ناپاک ہو جائیں گے، جنہیں دھو کر بآسانی پاک کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر کسی کو اپنے سامنے غیبت کرنے کی اجازت دے دی تو اس میں آپ کا دین برباد ہوا، آخرت برباد ہوئی، دنیا کا معمولی سا نقصان برداشت کرنے کی ہمت تو کسی کے دل میں پیدا نہ ہو تو مگر دین اور آخرت کو برباد کرنے کی ہمت پیدا ہو جائے، یہ بڑے ہی خسارے اور کم عقلی کی بات ہے۔

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا:

ایک بار ایک مولوی صاحب نے میرے سامنے کسی کی غیبت شروع کر دی، میں نے ان سے کہا کہ آپ جس کی غیبت کر رہے ہیں اگر واقعتاً اس سے یہ غلطی ہوئی ہے تو وہ گذشتہ زمانہ کی بات ہے اور مجھ سے غائب ہے، اور آپ اس وقت میرے سامنے غیبت کا گناہ کر رہے ہیں۔"

میں حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالی کے مختصر سے جواب کی تشریح کرتا ہوں اور نمبر لگا کر بیان کرتا ہوں تا کہ یاد رکھنا آسان ہو۔

(۱) اس نے گناہ گذشتہ زمانے میں کیا ہے اور آپ گناہ اس وقت کر رہے ہیں۔

(۲) اس نے چھپ کر گناہ کیا ہوگا یا کم از کم مجھ سے تو پوشیدہ ہے اور آپ میرے سامنے علانیہ گناہ کر رہے ہیں، علانیہ گناہ زیادہ برا ہے۔

(۳) اس نے چھوٹا گناہ کیا ہوگا اور آپ اتنا بڑا گناہ کر رہے ہیں جو زنا سے بھی بدتر ہے۔

(۴) وہ گناہ کر کے خود کو حقیر سمجھ رہا ہوگا اور آپ اپنے آپ کو بڑا سمجھ رہے ہیں جبھی تو اس کی برائی بیان کر رہے ہیں۔

(۵) شاید اس نے گناہ سے توبہ کر لی ہو اور آپ ابھی گناہ میں مبتلا ہو رہے ہیں۔

(٦) میرے سامنے اس کے گناہ کے شاہد آپ خود ہیں اور غیبت کے گناہ کی وجہ سے فاسق ٹھہرے، لہٰذا آپ کی گواہی قابل قبول نہیں، اور آپ کے گناہ کو میں خود اپنے کانوں سے سن رہا ہوں تو آپ ہی بتائیں کہ وہ زیادہ برا ہوا یا آپ؟

غیبت سننے سے بچنے کے لے اس قصہ سے سبق حاصل کریں، جو شخص کسی کی غیبت شروع کرے اس کے سامنے یہ چھ نمبر بیان کر دیا کریں اور اس سے یوں کہیں:

''آپ تو غیبت کی وجہ سے فاسق ٹھہرے اور فاسق کی شہادت قبول نہیں۔''

اللہ تعالی فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا. (الحجرات:٦)

اے ایمان والو! جب کوئی فاسق تمہیں کوئی خبر دے تو اس کی تحقیق کیا کرو، بلا تحقیق اس کی بات کو صحیح نہ سمجھ لیا کرو۔

غیبت سننے سے بچنے کی جو تدابیر بتائی گئی ہیں اگر ان میں سے کسی پر بھی عمل کرنے کی ہمت نہیں تو ایک آسان تدبیر یہ ہے کہ غیبت کرنے والے سے یوں کہہ دیں:

''آپ جن کی غیبت کر رہے ہیں شاید وہ اللہ تعالی کے ہاں ہم سے بہتر ہوں۔''

اگر ہم کہنے کی بھی ہمت نہ ہو تو یوں کہہ سکتے ہیں: ''وہ مجھ سے بہتر ہیں۔''

قوی امید ہے کہ یوں کہنے سے وہ غیبت سے رک جائے گا، اگر نہیں بھی رکا تو آپ نے ناپسندیدگی کا اظہار تو کر ہی دیا، آئندہ وہ آپ کے سامنے غیبت نہ کرے گا۔

اگر مجلس میں غیبت یا کوئی بھی ایسی بات شروع ہو جائے جس میں نہ دین کا فائدہ ہو نہ دنیا کا تو آپ کوئی کام کی بات شروع کر دیں، اس طرح بہت آسانی سے بات کا رخ پلٹا جا سکتا ہے۔

غیبت کرنے اور سننے سے بچنے کے جو نسخے بتائے گئے ہیں انہیں استعمال کرنے میں ہمت سے کام لیں، جب تک انسان ہمت سے کام نہیں لے گا کوئی بھی تدبیر اسے فائدہ نہیں پہنچائے گی''۔ (غیبت پر عذاب: ۲۹-۳۲)

(۱۰) دل کی غیبت

دل کی غیبت سے مراد یہ ہے کہ دل میں کسی کے بارے میں برا گمان رکھا جائے، بدگمانی مستقل گناہ ہے، اور قرآن وحدیث میں متعدد مقامات پر اس کی قباحت اور نقصانات کا وضاحت کے ساتھ ذکر آیا ہے، دلوں کے راز صرف اللہ کے علم میں ہیں، دوسرے کے بارے میں محض اندازوں، تخمینوں اور گمانوں کی بنیاد پر بری رائے قائم کرنا شرعی لحاظ سے ممنوع ہے۔

(۱۱) دیگر اعضاء کی غیبت

اپنے جسم کے کسی بھی عضو سے، اشارے کنائے سے، نقل وحرکت سے، آنکھ، ہاتھ، پیر کسی بھی انداز سے دوسروں کے عیوب اور کمیوں کا اظہار اعضاء کی غیبت اور حرام ہے۔

گذشتہ صفحات میں ذکر آچکا ہے کہ کسی پست قامت خاتون کے جانے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہاتھ کے اشارے سے ان کی پست قامتی کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے تنبیہ فرمائی اور اس کو غیبت قرار دیا۔

اسی طرح آنکھ کا اشارہ بھی غیبت میں داخل ہے، ایک حدیث میں آپ ﷺ نے واضح فرمایا ہے:

لا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُشِيرَ إِلَى أَخِيهِ بِنَظْرَةٍ تُؤْذِيهِ.

کسی مسلمان کے لئے اپنے مسلمان بھائی کی طرف آنکھ سے ایسا اشارہ حلال نہیں ہے جو اس کے لئے باعث اذیت ہو۔ (احیاء علوم الدین: ۲/۲۸۸، حقوق المسلم)

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ. (الھمزۃ: ۱)

بڑی تباہی ہے ہر اس شخص کے لئے جو عیب نکالتا ہو، طعنے دیتا ہو، غیبت کرتا ہو۔

'ھمز ہ اور لمز ہ' کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، مگر سب کا خلاصہ یہی ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو دوسروں کو رو در رو یا پیٹھ پیچھے زبان، آنکھ اور ہاتھ سے اذیت پہونچائے، ظاہر ہے کہ یہ اعضاء کی غیبت ہے۔

سفر معراج میں آپ ﷺ کا گزر ایسے مردوں اور عورتوں کے پاس سے بھی ہوا جو لٹکا دیئے گئے تھے اور ان پر عذاب ہو رہا تھا، آپ ﷺ کے دریافت کرنے پر حضرت جبریلؑ نے جواب دیا:

هٰؤُلاَءِ الهَمَّازُوْنَ اللَّمَّازُوْنَ.

یہ وہ ہیں جو دوسروں کو زبان، ہاتھ اور آنکھ کے اشاروں سے تکلیف پہونچاتے تھے۔ (الترغیب والترہیب: الترہیب من الغیبۃ: ۳/۵۱۱، حدیث ۲۲)

(۱۲) قلم کی غیبت

قلم اللہ کی عظیم نعمت ہے، اور افراد واقوام کی تعمیر واصلاح وانقلاب یا تخریب وفساد میں اس کا بہت نمایاں کردار ہوتا ہے، پہلی وحی میں اللہ نے قلم کا تذکرہ کیا ہے:

الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. (العلق: ٤)

اللہ وہ ہے جو قلم کے ذریعہ علم عطا کرتا ہے۔

قرآن میں 'القلم' کے نام سے مستقل سورت ہے، اس کے آغاز میں اللہ نے قلم وتحریر کی قسم کھائی ہے:

وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ. (القلم: ١)

قسم ہے قلم کی، اور اس چیز کی جو وہ لکھ رہے ہیں۔

اس قسم میں قلم وتحریر کی عظمت، اہمیت، تاثیر اور سحر آفرینی کی طرف اشارہ ملتا ہے، احادیث میں جگہ جگہ یہ صراحت ملتی ہے کہ کائنات میں سب سے پہلے اللہ نے قلم کو پیدا کیا اور اسے تقدیر لکھنے پر مامور کیا۔ (التفسیر المنیر: ۱۵/۴۹)

قلم کی اسی اہمیت کو عربی مقولے میں اس طرح آشکارا کیا گیا ہے:

اَلقَلَمُ أَحَدُ اللِّسَانَیْنِ.

قلم ایک زبان ہے۔

قلم وتحریر کے ذریعہ دوسروں کے معائب کی تشہیر اور پروپیگنڈہ قلم کی غیبت ہے، شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ اس غیبت اور برائی سے اجتناب کیا جائے اور یہ جذبہ رکھا جائے کہ ؎

مری زبان و قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی کو شکوہ نہ ہو زیر آسماں مجھ سے

حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے کچھ لوگوں کی لکھ کر غیبت کی، ان کے عیوب خط میں لکھ کر لوگوں کے پاس بھیجا، اللہ کو یہ عمل ناپسند ہوا، اور سزا یہ ملی کہ اس کے ایک شاگرد نے اسے خوب رسوا کیا اور اسے نادم ہونا پڑا۔ (غیبت کیا ہے:۱۰۴)

(۱۳) علماء حق اور خدام دین کی غیبت

غیبت کسی کی بھی ہو حرام وممنوع ہے، مگر علماء دین، خدام دین اور قراء قرآن کی غیبت انتہائی سنگین جرم ہے، حافظ ابن عساکرؒ فرماتے ہیں:

أَنَّ لُحُومَ الْعُلَمَاءِ مَسْمُومَةٌ، وَعَادَةُاللّٰهِ فِیْ هَتْکِ أَسْتَارِ مُنْتَقِصِیهِمْ مَعْلُومَةٌ، وَأَنَّ مَنْ أَطْلَقَ لِسَانَهُ فِیْ الْعُلَمَاءِ بِالثَّلْبِ أَیْ بِالْعَیْبِ وَالانْتِقَاصِ إِبْتَلاهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ قَبْلَ مَوْتِهِ بِمَوْتِ الْقَلْبِ.

(تبيين كذب المفتري لابن عساكر: ٣٠٧)

علماء کا گوشت بہت زہر آلود ہوتا ہے، علماء کی تحقیر وتنقیص کرنے والوں کی پردہ دری اور رسوائی منجانب اللہ ہوا کرتی ہے، جو اپنی زبان علماء کی عیب جوئی اور تنقیص میں استعمال کرتا ہے، اللہ اس کی موت سے پہلے اس کے دل

وضمیر کو مردہ کردیتا ہے۔

اس سے ان عوام کو بطور خاص عبرت حاصل کرنی چاہیے جن کی زبان وقلم کا ہدف علماء اور خدام دین ہوتے ہیں، اور جو ہمیشہ تاک میں رہتے ہیں کہ علماء کی کمیوں کو بہت بڑھا چڑھا کر اچھالا جائے اور انہیں رسوا اور بدنام کیا جائے، تجربات ومشاہدات شاہد ہیں کہ ایسے لوگ دنیا میں بھی ذلیل ہوتے ہیں، ان کی اولاد سے دین کا کام نہیں لیا جاتا، اور آخرت میں تو ان کو سخت عذاب کا سامنا ہوگا ہی، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ:

''علم اور علماء کی اہانت کفر ہے۔''

حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

''جو علمائے ربانیین کی حقارت کرتا ہے، اس کی قبر کھود کر دیکھو، اس کا منہ قبلہ سے پھیر دیا جاتا ہے۔''

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ نے فرمایا:

''بزرگان دین اور علمائے کرام کی عظمت ہماری نجات کا سرمایہ ہے، لہٰذا اس طرح کا کوئی طرز اختیار مت کرو کہ گویا علماء کو گرفت میں لانا چاہتے ہو، علماء کی جوتیوں کی خاک کو اپنے سے افضل سمجھو، حضور ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے:

مَنْ لَمْ يُبَجِّلْ عَالِمِيْنَا فَلَيْسَ مِنَّا.

جو ہمارے علماء کا اکرام نہیں کرے گا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے، علماء کے اکرام کے لئے یہی حدیث کافی ہے''۔ (علم اور علماء کی عظمت: حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ: ۳۸،۸۴)

مشہور عالم امام سفیان بن حسینؒ کہتے ہیں:

''میں ایاس بن معاویہ کے پاس تھا، ان کے پاس ایک شخص بیٹھے ہوئے تھے، اب میں اٹھنا چاہ رہا تھا، مگر ڈر لگتا تھا میں چلا جاؤں تو یہ شخص میرے خلاف ایاس کے کان نہ بھرے،

جب وہ اٹھ گیا تو میں نے اس کے خلاف کچھ باتیں ایاس سے کہیں، ایاس نے مجھے کہا: خاموش ہو جاؤ، اور پھر مجھ سے پوچھا:

أَغَزَوْتَ الدُّيْلَمَ قُلْتُ: لَا، قَالَ: فَغَزَوْتَ الرُّوْمَ؟ قُلْتُ: لَا، قَالَ: فَغَزَوْتَ الْهِنْدَ؟ قُلْتُ: لَا، قَالَ: فَسَلِمَ مِنْکَ الدُّيْلَمُ، وَالسِّنْدُ، وَالْهِنْدُ، وَالرُّوْمُ، وَلَيْسَ يَسْلَمُ مِنْکَ أَخُوْکَ هٰذَا، قَالَ: فَمَا عُدْتُ إِلٰى ذٰلِکَ بَعْدُ. (شعب الایمان: باب تحریم اعراض الناس: ٥/٣١٤: ٦٧٧٣)

آپ نے رومیوں کے ساتھ جہاد کیا؟ کہا: نہیں، پوچھا: سندھ اور ہند کے جہاد میں شریک ہوئے؟ کہا: نہیں، فرمانے لگے: روم، سندھ اور ہند کے کفار تو آپ سے محفوظ رہے لیکن بے چارہ اپنا ایک مسلمان بھائی آپ سے نہ بچ سکا، اور زبان کی تلوار اس پر چلا دی، سفیان کہتے ہیں: مجھ پر اس جملے کا اس قدر اثر ہوا کہ زندگی بھر پھر کسی کی غیبت نہیں کی''۔

معلوم ہوا کہ علماء کی غیبت اور تحقیر انتہائی ہولناک جرم ہے۔

(۱۴) علماء وقراء کی زبانوں سے دوسروں کی غیبت

جیسے عوام کی طرف سے علماء کی غیبت بدترین گناہ ہے، اسی طرح علماء کی زبانی دوسروں کی غیبت بے انتہا خطرناک گناہ ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

اَلْغِيْبَةُ إِذَا کَانَتْ فِيْ أَهْلِ الْعِلْمِ وَحَمَلَةِ الْقُرْآنِ الْکَرِيْمِ فَهِيَ کَبِيْرَةٌ. (تحفة الائمة: ١١٨، بحواله مغنى المحتاج)

غیبت کا عمل اگر اہل علم اور حاملین قرآن کی طرف سے ہو تو یہ بہت بدترین گناہ ہے۔

امام غزالیؒ نے اسے غیبت کی سب سے بدترین قسم قرار دیا ہے، لکھتے ہیں:

وَأَخْبَثُ أَنْوَاعِ الْغِيْبَةِ غِيْبَةُ الْقُرَّاءِ الْمُرَائِيْنَ: فَإِنَّهُمْ يُفْهِمُوْنَ الْمَقْصُوْدَ عَلَى صِيْغَةِ أَهْلِ الصَّلاحِ لِيُظْهِرُوا مِنْ أَنْفُسِهِمْ التَّعَفُّفَ عَنِ الْغِيْبَةِ، وَيُفْهِمُوْنَ الْمَقْصُوْدَ، وَلا يَدْرُوْنَ بِجَهْلِهِمْ أَنَّهُمْ جَمَعُوا بَيْنَ فَاحِشَتَيْنِ: اَلْغِيْبَةِ وَالرِّيَاءِ. وَذٰلِكَ مِثْلُ أَنْ يُذْكَرَ عِنْدَهُ إِنْسَانٌ، فَيَقُوْلَ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِى لَمْ يَبْتَلِنَا بِالدُّخُوْلِ عَلَى السُّلْطَانِ، وَالتَّبَذُّلِ فِي طَلَبِ الْحُطَامِ، أَوْ يَقُوْلَ، نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ قِلَّةِ الْحَيَاءِ، نَسْأَلُ اللّٰهَ أَنْ يَعْصِمَنَا مِنْهَا، وَإِنَّمَا قَصْدُهُ أَنْ يُفْهِمَ عَيْبَ الْغَيْرِ، فَيَذْكُرُهُ بِصِيْغَةِ الدُّعَاءِ .وَكَذٰلِكَ قَدْ يُقَدِّمُ مَدْحَ مَنْ يُرِيْدُ غِيْبَتَهُ فَيَقُوْلُ: مَا أَحْسَنَ أَحْوَالَ فُلانٍ، مَا كَانَ يُقَصِّرُ فِيْ الْعِبَادَاتِ وَلَكِنْ قَدِ اعْتَرَاهُ فُتُوْرٌ، وَابْتُلِيَ بِمَا يَبْتَلِي بِهِ كُلُّنَا، وَهُوَ قِلَّةُ الصَّبْرِ. فَيَذْكُرُ نَفْسَهُ، وَمَقْصُوْدُهُ أَنْ يَذُمَّ غَيْرَهُ فِيْ ضِمْنِ ذٰلِكَ، وَيَمْدَحُ نَفْسَهُ بِالتَّشَبُّهِ بِالصَّالِحِيْنَ، بِأَنْ يَذُمَّ نَفْسَهُ. فَيَكُوْنُ مُغْتَاباً وَمُرَائِياً، وَمُزَكِّياً نَفْسَهُ. فَيَجْمَعُ بَيْنَ ثَلاثِ فَوَاحِشَ، وَهُوَ يَجْهَلُهُ، يَظُنُّ أَنَّهُ مِنَ الصَّالِحِيْنَ الْمُتَعَفِّفِيْنَ عَنِ الْغِيْبَةِ. وَلِذٰلِكَ يَلْعَبُ الشَّيْطَانُ بِأَهْلِ الْجَهْلِ، إِذَا اشْتَغَلُوا بِالْعِبَادَةِ مِنْ غَيْرِ عِلْمٍ فَإِنَّهُ يَتْبَعُهُمْ، وَيُحْبِطُ بِمَكَايِدِهِ عَمَلَهُمْ، وَيَضْحَكُ عَلَيْهِمْ، وَيَسْخَرُ مِنْهُمْ.

وَمِنْ ذٰلِكَ أَنْ يَذْكُرَ عَيْبَ إِنْسَانٍ، فَلا يَتَنَبَّهُ لَهُ بَعْضُ الْحَاضِرِيْنَ، فَيَقُوْلُ: سُبْحَانَ اللّٰهِ مَا أَعْجَبَ هٰذَا، حَتَّى يُصْغِي

إِلَيْهِ، وَيَعْلَمَ مَا يَقُولُ، فَيَذْكُرُ اللّٰهَ تَعَالَى، وَيَسْتَعْمِلُ إِسْمَهُ آلَةً لَهُ فِي تَحْقِيقِ خُبْثِهِ، هُوَ يَمْتَنُّ عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ بِذِكْرِهِ، جَهْلاً مِنْهُ وَغُرُوراً. وَكَذٰلِكَ يَقُولُ: سَاءَنِي مَا جَرىٰ عَلَى صَدِيقِنَا مِنَ الْاِسْتِخْفَافِ بِهِ، نَسْأَلُ اللّٰهَ أَنْ يُرَوِّحَ نَفْسَهُ، فَيَكُونُ كَاذِباً فِي دَعْوَىٰ الاغْتِمَامِ، وَفِي إِظْهَارِ الدُّعَاءِ لَهُ، بَلْ لَوْ قَصَدَ الدُّعَاءَ، وَاللّٰهُ مُطَّلِعٌ عَلَى خُبْثِ ضَمِيرِهِ، وَخَفِيَ قَصْدَهُ، وَهُوَ لِجَهْلِهِ لا يَدْرِي أَنَّهُ قَدْ تَعَرَّضَ لِمَقْتٍ أَعْظَمَ مِمَّا تَعَرَّضَ لَهُ الْجُهَّالُ إِذَا جَاهَرُوا.

وَمِنْ ذٰلِكَ الإِصْغَاءُ إِلَى الْغِيبَةِ عَلَى سَبِيلِ التَّعَجُّبِ. فَإِنَّهُ إِنَّمَا يُظْهِرُ التَّعَجُّبَ لِيَزِيدَ نَشَاطَ الْمُغْتَابِ فِي الْغِيبَةِ؛ فَيَنْدَفِعُ فِيهَا، وَكَأَنَّهُ يَسْتَخْرِجُ الْغِيبَةَ مِنْهُ بِهٰذَا الطَّرِيقِ، فَيَقُولُ، عَجَبٌ، مَا عَلِمْتُ أَنَّهُ كَذٰلِكَ، مَا عَرَفْتُهُ إِلَى الآنَ إِلَّا بِالْخَيْرِ، وَكُنْتُ أَحْسَبُ فِيهِ غَيْرَ هٰذَا، عَافَانَا اللّٰهُ مِنْ بَلائِهِ. فَإِنَّ كُلَّ ذٰلِكَ تَصْدِيقٌ لِلْمُغْتَابِ، وَالتَّصْدِيقُ بِالْغِيبَةِ غِيبَةٌ، بَلِ السَّاكِتُ شَرِيكُ الْمُغْتَابِ. (احیاء العلوم : ۲۹٤/۳)

بدترین غیبت ریاکار علماء کی غیبت ہے، کیوں کہ وہ اچھے بن کر اپنا مقصود ظاہر کر دیتے ہیں، اور لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ غیبت نہیں کرتے، حالانکہ وہ جہالت میں مبتلا ہیں، انھیں معلوم نہیں کہ وہ بیک وقت دو دو گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں، ایک غیبت، دوسرا ریا، چنانچہ جب ان کے سامنے کسی شخص کا ذکر ہوتا ہے تو وہ یہ کہتے ہیں: اللہ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے ہمیں بادشاہوں کے درباروں میں آنے جانے کی آزمائش میں مبتلا نہیں کیا، یا یہ کہ

دنیا کی طلب کے لئے ذلت سے بچایا، یا بطور دعا یہ کہتے ہیں خدا ہمیں اس بے شرمی اور رسوائی سے بچائے، ان کا مقصد دوسرے کا عیب ظاہر کرنا ہے لیکن اس کے لئے بھی شکر کا صیغہ اختیار کرتے ہیں، اور کبھی دعا کا اسلوب اپناتے ہیں، لیکن نہ دعا مقصود ہے، اور نہ شکر، بعض اوقات غیبت سے پہلے کسی شخص کی تعریف کرتے ہیں، مثلاً یہ کہ فلاں شخص کتنا اچھا ہے، کس قدر عبادت کرتا ہے، لیکن ایک بد خصلت میں مبتلا ہے، اور وہی کیا ہم سب ہی اس خصلت میں مبتلا ہیں اور وہ یہ کہ اس میں صبر اور قناعت کا عنصر بہت کم ہے، دیکھئے بظاہر اس میں اپنی مذمت موجود ہے، لیکن مقصد ہرگز اپنے نفس کی مذمت نہیں ہے، بلکہ دوسرے کا عیب ظاہر کرنا ہے، البتہ اس کے لئے ایسا پیرایہ یہاں اختیار کیا ہے کہ مخاطب کہنے والے کی کسرِ نفسی اور خلوص قائل ہو جائے، اور اسے بھی صلحاء میں شمار کرے، یہ شخص تین گناہوں کو جامع ہے: غیبت، ریا، اور تزکیۂ نفس، یعنی وہ خود کو نیک لوگوں میں شمار کرتا ہے اور نادانی کی بنا پر یہ سمجھتا ہے کہ میں غیبت کے عیب سے پاک ہوں، شیطان ایسے ہی لوگوں کو آسانی سے شکار کرتا ہے، یہ لوگ صحیح علم سے محروم ہوتے ہیں، اور نفس انہیں مسلسل فریب دیتا رہتا ہے، بعض اوقات جب اہل مجلس کسی شخص کا عیب سننے کے لئے متوجہ نہیں ہوتے تو کہتے ہیں سبحان اللہ! کس قدر عجیب بات ہے، یہاں اللہ کا نام عظمت و تقدیس کے اظہار واعتراف کے لئے نہیں لیا جاتا، بلکہ اپنے باطنی خبث کے اظہار کے لئے لیا جاتا ہے، کبھی غیبت کے لئے یہ پیرایہ اختیار کرتے ہیں کہ ہم اپنے دوست کی فلاں حالت کی بنا پر سخت رنجیدہ اور غمگین ہیں، اللہ تعالیٰ اسے راحت دے، یہ غم خواری اور دعا ترحم کے

جذبے سے نہیں ہوتی، بلکہ محض اپنی برتری کا اظہار مقصود ہوتا ہے، اگر واقعتاً دعا مقصود ہوتی تو نماز کے بعد تنہائی میں کرتے نہ کہ مجلس میں، اسی طرح اگر واقعتاً انہیں رنج ہوا ہوتا تو وہ اس واقعہ کا اظہار ان لوگوں کے سامنے کیوں کرتے جو اس سے ناواقف تھے، کبھی اس طرح کہتے ہیں کہ فلاں شخص بے چارا بڑی مصیبت میں گرفتار ہے، اللہ ہمیں اور اسے توبہ کرنے کی توفیق بخشے، بظاہر یہ دعا ہے، لیکن اللہ باطنی خبث پر مطلع ہے، وہ جانتا ہے کہ ان کے دلوں میں کیا بھرا ہوا ہے، لیکن وہ اپنی جہالت کے باعث یہ نہیں سمجھتے کہ وہ اس دعا سے ثواب کے بجائے عذاب کے مستحق ہو گئے ہیں، غیبت سننا اور اس پر تعجب کا اظہار کرنا بھی غیبت ہے، کیونکہ سننے سے اور اس پر تعجب ظاہر کرنے سے غیبت کرنے والے کو غیبت پر نشہ ملتی ہے، مثال کے طور پر کسی کی برائی سن کر کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ بھائی تم نے آج عجیب بات بتلائی ہے، ہم تو ایسا نہیں سمجھتے تھے، ہم اسے آج تک اچھا ہی سمجھتے رہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس عیب سے محفوظ رکھے، یہ تبصرہ گویا غیبت کرنے والے کی تصدیق ہے، اور غیبت کی تصدیق بھی غیبت ہی ہے، بلکہ غیبت سن کر چپ رہنے والا بھی غیبت کرنے والے کا شریک سمجھا جاتا ہے۔ (ماخوذ از: ترجمہ اردو احیاء العلوم: بقلم مولانا ندیم الواجدی: ۳/۳۶۱-۳۶۲)

غور کیا جائے تو یہ غیبت کی وہ صورتیں ہیں جن میں بالعموم اہل علم مبتلا ہو جاتے ہیں، حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ لکھتے ہیں:

''علماء کا یہ دستور ہے کہ جاہلوں کو وعظ میں ہر طرح کی نصیحت کرتے ہیں، احکام نماز و حج کی تعلیم کرتے ہیں، زنا اور شراب اور سود کی فضیحت کو بیان کرتے ہیں، جناب رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان کرتے ہیں، لیکن غیبت کے مسائل لوگوں کو نہیں

بتلاتے ،غیبت کی حرمت کا بیان نہیں کرتے ، دوسبب سے؛ایک تو یہ کہ غیبت ان کی نظر میں چنداں گناہ نہیں کیونکہ وہ خود ہمیشہ غیبت کیا کرتے ہیں، اوردوسرے یہ کہ وہ جانتے ہیں کہ اگرلوگوں کوغیبت نہ کرنے کی نصیحت کریں گےاور غیبت کرنے والوں کوفضیحت کریں گےتو سننے والےہمیں بدنام کریں گےاور کہیں گے کہ فلاں عالم لوگوں کوغیبت نہ کرنے کی نصیحت کرتا ہےاورخود ہمیشہ مسجد میں بیٹھ کرلوگوں کوذلیل کرتا ہے، لہٰذااس امر میں ہمارارعب چلا جائے گا۔

حکایت: ایک روز خالدربعی جامع مسجد میں بیٹھے تھے،لوگوں نے کسی کی غیبت شروع کی اورکسی کی شکایت کی، خالد نے ان کومنع کیا،تھوڑے عرصہ کے بعد پھران لوگوں نے غیبت شروع کی، اس وقت شیطان کے ورغلانے سے خالد بھی شریک شکایت ہوئے، بعدہ جب اس رات کوسوئے، ایک شخص کوخواب میں دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں سور کا گوشت ہےاور وہ ان سے کہتا ہے کہ کھاؤ،اس کو خالد نے خواب ہی میں جواب دیا کہ یہ گوشت نجس اورحرام ہے، میں اس کوکس طرح کھاؤں؟ اس شخص نے کہا:تم نے غیبت کر کے اس سے بری چیز کھائی ہے یعنی آدمی کا گوشت جس کی تم نے غیبت کی، بعدہ اس شخص نے سور کا گوشت ان کے منہ میں زبردستی ڈال دیا، خالد کہتے ہیں کہ جب میں بیدار ہوا تو تیس یا چالیس روز تک میرے منہ سے بدبوآئی‘‘۔(غیبت کیا ہے:۱۰۵-۱۰۶بحوالہ تنبیہ الغافلین)

معروف عرب عالم شیخ عبدالحمید جاسم البلالی نے خوب لکھا ہے:

’’غیبت کا جرم ہوناواضح ہے،البتہ اگر یہ عیب علماء، داعیوں، نیک صورت لوگوں میں پایا جائے تو ان کے حق میں زیادہ قابل مذمت ہے، جولوگ صبح وشام دعوت کے کام میں لگے ہوئے ہیں،اوردین کے احکام کی تبلیغ کررہے ہیں، دین کی خوبیاں اور فضیلتیں لوگوں کے دلوں میں بٹھا رہے ہیں، اگر یہ لوگ غیبت جیسے گناہ کے مرتکب ہوں تواس کی برائی دوچند ہوجاتی ہے۔

یہ بات انتہائی تکلیف دہ ہے کہ جن مواقع پر برائی بیان کرنے گویا غیبت کی اجازت دی گئی ہے، ان میں ایک صورت کا اضافہ کرلیا گیا ہے، یعنی جو آپ کی تنظیم و جماعت کا مخالف ہو، یا جو آپ کی جماعت کے علاوہ کسی جماعت سے منسلک ہو، خواہ وہ عالم ہو، یا طالب علم تو اس کی غیبت بھی دن ورات درست سمجھی جاتی ہے، جب کہ اس کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ غیبت کرنے والے کی جماعت سے جڑا ہوا نہیں ہے، جب کہ یہ حقیقت ہے کہ یہ طبقہ غیبت کی شناعت سے بخوبی واقف ہے، وہ جانتا ہے کہ غیبت گناہ کبیرہ ہے اور بغیر سچی توبہ کے معاف نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ نے شدید مذمت کی ہے''۔ (ندائے تربیت:۹۶)

(۱۵) دعا کی صورت میں اور کلمات خیر کی آڑ میں غیبت

نیت کے فساد کی وجہ سے بسا اوقات زبان سے نکلنے والے دعا کے بول درحقیقت ''غیبت'' میں شامل ہو جاتے ہیں، دوسروں کے عیوب کا تذکرہ مقصود ہوتا ہے اور پیرایہ دعا کا ہوتا ہے کہ اللہ اسے فلاں عیب سے محفوظ رکھے، مثلاً کسی کے بخل پر تبصرہ کرنا مقصود ہے اور انداز یہ اختیار کیا کہ: ''اللہ اسے بخل سے محفوظ رکھے'' یہ بھی غیبت میں شامل ہے، امام ابن تیمیہؒ بیان کرتے ہیں:

''دعا کرنے والے کے ارادے اور مقصد کے لحاظ سے بعض دفعہ دعا غیبت شمار ہوتی ہے، حالانکہ وہ بہ ظاہر دعا ہی کر رہا ہوتا ہے، مثلاً اگر تم دریافت کرو کہ فلاں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ اور وہ جواب میں کہے: اللہ ہماری اور اس کی بخشش کرے، تو درحقیقت وہ اپنے لئے اور اس آدمی کے لئے بخشش کی دعا نہیں کر رہا بلکہ اس کا مقصد کچھ اور ہی ہے، اللہ ہی اس کے مقصد کو بہتر جانتا ہے، یا وہ یوں کہے: اللہ اسے ہدایت دے، اس طرح کے جملے دعا نہیں، بلکہ طنز ہیں، بلکہ بعض دفعہ ''سبحان اللہ'' کہنا بھی غیبت بن جاتا ہے، یہی حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا قول ہے، جس دن قبر کے مردے اٹھا دیئے جائیں گے اور دلوں کے راز ظاہر کردیئے جائیں گے، اس دن ان

مقاصد کی صحیح حقیقت بھی سامنے آجائے گی‘‘۔(اسلاف کی مثالی زندگی:۲۲۷-۲۲۸)

اسی طرح کبھی غیبت کی مجلس ہوتی ہے اور کسی کا برا کا تذکرہ ہورہا ہوتا ہے، اور کہنے والا یا سننے والا کلمۂ طیبہ یا کوئی اور خیر کا کلمہ پڑھنے لگتا ہے، درحقیقت ایسے موقع پر مقصود کلمہ پڑھنا نہیں ہوتا بلکہ غیبت میں شرکت مقصود ہوتا ہے، اگر غیبت کرنے والے کو روکنا مقصود ہوتا تو کلمہ کے بجائے اسے سختی سے ڈانٹا جاتا اور تقویٰ کی تلقین کی جاتی یا جس کی غیبت ہورہی ہے اس کا ذکر خیر کیا جاتا۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا:

’’کبھی کبھی کوئی شخص ایسے موقع پر کلمہ پڑھتا ہے کہ مجھے اس کے بارے میں جہنمی ہونے کا خدشہ ہوجاتا ہے، مثلاً آدمی کے سامنے کسی کی غیبت ہورہی ہے اور اسے غیبت پسند ہے، اب وہ بے موقع کلمہ پڑھتا ہے، یہ کلمہ کی آڑ میں غیبت میں شمولیت ہے جو گناہ ہے، جب کہ یہ موقع غیبت کرنے والے کو تنبیہ کرنے اور ڈانٹنے کا ہوتا ہے‘‘۔(المجالسۃ للدینوری:۶/۸۶)

(۱۶) مردہ کی غیبت

جس طرح زندہ انسانوں کی غیبت ممنوع ہے، اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر مردہ انسانوں کی غیبت بھی ممنوع ہے، احادیث میں حکم آیا ہے:

اُذْكُرُوا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ وَكُفُّوا عَنْ مَسَاوِيهِمْ. (ابوداؤد: الادب: باب فی النهی عن سب الموتی: ٤٩٠٠)

اپنے مردوں کی خوبیوں کا ذکر کرو اور ان کی برائیوں کا ذکر مت کرو۔

مردہ کی غیبت زندہ کے مقابلے میں زیادہ سنگین ہے، اس لئے کہ:

(۱) زندہ سے دنیا میں ملاقات اور معافی تلافی کا امکان رہتا ہے، جب کہ مردہ کے حق میں ایسا امکان نہیں رہتا۔

(۲) دوسرے یہ کہ مردہ اللہ کے حضور حاضر ہے، ممکن ہے کہ جس جرم کا تذکرہ دنیا میں کیا جارہا ہو وہ اللہ کی طرف سے معاف ہو چکا ہو، اس طرح اب اس کی غیبت عملاً اللہ کے فیصلۂ مغفرت پر اعتراض کا مصداق بن سکتی ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ زندہ کے معائب کا ذکر دوسروں کو اس کے شر سے بچانے کے مقصد سے ہوسکتا ہے، اور اس کی گنجائش ہے، مردہ کے بارے میں یہ صورت بھی نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ اب وہ کسی کو شر پہونچانے کی پوزیشن ہی میں نہیں رہا۔

(۴) چوتھے یہ کہ مردہ کی غیبت اس کے زندہ متعلقین کی ایذا رسانی ہوتی ہے۔

ان تمام وجوہات سے مردہ کی غیبت بہت سنگین جرم ہے، البتہ اگر دوسروں کو عبرت و نصیحت دلانے کے لئے مردہ کے معائب کا تذکرہ ناگزیر ہو جائے یا اس کے گمراہ کن افکار اس کے لٹریچر یا خطابات کے ذریعہ یا کسی اور شکل میں گمراہی کا سبب بن رہے ہوں تو اب ایسے مردوں کے معائب، جرائم اور باطل افکار کا ذکر حرام غیبت کے دائرے میں نہیں رہے گا۔

روایات میں آتا ہے کہ حضرت ماعز اسلمیؓ کو جب زنا کے جرم میں رجم کی سزا دی گئی تو نبی ﷺ نے راہ چلتے دو آدمیوں کو ایک دوسرے سے باتیں کرتے سنا، ان میں سے ایک صاحب کہہ رہے تھے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى هَذَا الَّذِىْ سَتَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَلَمْ تَدَعْهُ نَفْسُهُ حَتَّى رُجِمَ رَجْمَ الْكَلْبِ.

اس شخص کو دیکھو اللہ نے اس (کے معاملہ) پر پردہ ڈال دیا تھا، مگر اس کے نفس نے اس کا پیچھا اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک یہ کتے کی موت نہ مار دیا گیا۔

کچھ دور آگے جا کر راستہ میں ایک گدھے کی لاش سڑتی ہوئی نظر آئی، حضور ﷺ رک گئے اور دونوں آدمیوں کو بلا کر فرمایا:

إِنْزِلَا فَكُلَا مِنْ جِيفَةِ هَذَا الْحِمَارِ.

اترو اور اس گدھے کی لاش کھاؤ۔

ان دونوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اسے کون کھائے گا؟ فرمایا:

فَمَا نِلْتُمَا مِنْ عِرْضِ أَخِيكُمَا آنِفًا أَشَدُّ مِنْ أَكْلٍ مِنْهُ.

ابھی ابھی تم لوگ اپنے بھائی کی عزت پر جو حرف زنی کر رہے تھے، وہ اس گدھے کی لاش کھانے سے بہت زیادہ بری تھی۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّهُ الآنَ لَفِي أَنْهَارِ الْجَنَّةِ يَنْغَمِسُ فِيهَا.

(تفسیر ابن کثیر: ٤/٤٩٠)

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، بلاشبہ اس وقت وہ جنت کی نہروں میں غوطہ زن ہے۔

(۱۷) خواتین کی طرف سے غیبت

خواتین کا بہت خاص اور دلچسپ مشغلہ غیبت ہوتا ہے، مرد بھی غیبت کرتے ہیں مگر ان کی مصروفیت کچھ ایسی ہوتی ہے کہ انہیں غیبت کے مواقع اتنے زیادہ نہیں ملتے جتنے عورتوں کو ملتے ہیں، خواتین کی صورت حال یہ ہوتی ہے کہ جب وہ گھر کے کاموں سے فارغ ہو جاتی ہیں تو پڑوس کی خواتین کے ساتھ بیٹھ کر گفتگو شروع کر دیتی ہیں، اور اس گفتگو کا نوے فیصد حصہ غیبت پر مشتمل ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں آتا ہے کہ ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک جگہ کھڑے تھے، اچانک راستے سے شیطان گذرا جو کئی گدھوں پر مال لاد کر لے جا رہا تھا، حضرت موسیٰ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ شیطان نے کہا: میں نے تجارت شروع کر دی ہے، یہ مال تجارت

ہے، حضرت موسیٰ نے سوال کیا: پہلے گدھے پر کیا ہے؟ شیطان نے کہا: یہ جھوٹ ہے جس کو تاجر خریدیں گے، دوسرے گدھے پر حسد ہے جس کو علماء خریدیں گے، تیسرے گدھے پر عدوات (دشمنی) ہے جس کو سرمایہ دار لوگ خریدیں گے اور چوتھے گدھے پر غیبت ہے جو امت محمدیہ کی خواتین خریدیں گی۔

غیبت میں خواتین مردوں کے مقابلے میں زیادہ اسی لئے مبتلا ہوتی ہیں کہ ان میں دیگر خواتین کی خوبیاں اور معائب دیکھنے کی عادت زیادہ ہوتی ہے، مثلاً جب وہ کسی پست قامت عورت کو دیکھتی ہیں تو اس کی برائی کرتی ہیں، کسی بدصورت عورت کو دیکھتی ہیں تو اس پر تبصرہ کرتی ہیں اور مذاق بھی اڑاتی ہیں، کبھی کسی عورت کے لباس یا بولنے، بیٹھنے اور چلنے پھرنے کے انداز پر تنقید کرتے ہوئے اس کی برائی کرتی ہیں، عام طور پر خواتین ایک دوسرے کے عیوب پرکھنے میں ماہر ہوتی ہیں، رشتہ دیکھنے کے لئے عموماً عورتیں ہی جاتی ہیں، وہ عیبوں کو بہت جلد محسوس کرلیتی ہیں، اس میں وہ بڑی تجربہ کار بھی ہوتی ہیں۔

یہ ملحوظ رہے کہ مذکورہ تجزیہ اکثریت کے لحاظ سے ہے، یہ ضروری نہیں کہ ہر عورت زیادہ غیبت کرنے والی ہو اور ہر مرد کم غیبت کرنے والا ہو، ایسا بھی ممکن ہے کہ بعض عورتیں مردوں کے مقابلے میں اپنی زبان کی حفاظت زیادہ کرتی ہوں اور بعض مرد خواتین کے مقابلے میں غیبت میں زیادہ مبتلا ہوں۔

(۱۸) مجلس سے پہلے رخصت ہونے والے کی غیبت

معاشرے میں اس بات کا عام چلن ہے کہ اگر کسی مجلس میں چار پانچ آدمی بیٹھے ہوتے ہیں، پھر ان میں سے ایک شخص مجلس سے چلا جاتا ہے تو اس کے جانے کے بعد باقی افراد بالعموم اس کی غیبت میں لگ جاتے ہیں، اور ماضی کے قصے اور بدگمانیوں پر مشتمل باتیں بہت دلچسپی سے شروع ہوجاتی ہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی سے ملاقات کے لئے آتا

ہے پھر جب وہ ملاقات کے بعد رخصت ہوتا ہے تو اس کے رخصت ہوتے ہی اس کی برائیاں شروع کر دی جاتی ہیں۔

یہ بہت مروج ہے کہ جب کسی تقریب میں بہت سے رشتہ دار جمع ہوتےہیں اور تقریب کے ختم ہونے کے بعد ایک ایک کر کے لوگ رخصت ہونے لگتے ہیں تو ہر رخصت ہونے والے کے تعلق سے موجود افراد غیبت شروع کر دیتے ہیں۔

حضرت سلیمان بن جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: مجھے ایسی چیز سکھا دیجئے جو میری دستگیری کرے، آپ ﷺ نے فرمایا: بھلائی کا کام کسی صورت میں نہ چھوڑو، خواہ وہ کتنا ہی کم اور معمولی ہو، مثلاً تم اپنے ڈول سے کسی کے پیالے میں پانی ڈال دو، تمام مسلمانوں سے خندہ پیشانی سے ملو، اور جب تم سے ملاقات کو آنے والے واپس جائیں تو ان کی غیبت مت کرو۔ (الغیبۃ: عبدالملک قاسم:۴۶)

(۱۹) مسجد میں غیبت

مسجد کا تقدس بے حد بڑھا ہوا ہے، وہاں غیبت کا جرم دیگر مقامات کے مقابلے میں زیادہ بڑھ جاتا ہے، وہ لوگ جن کا زیادہ وقت مسجد میں گذرتا ہے، خواہ وہ مسجد کے امام ہوں یا مؤذن یا خادم یا منتظمین یا معتکفین یا تبلیغی جماعت کے احباب یا طلبہ واساتذہ، ان سب کی ذمہ داری ہے کہ خاص طور پر جب تک مسجد میں رہیں اپنی زبانوں کی بہت حفاظت کریں، بالخصوص غیبت سے حد درجہ گریز کریں، مسجد میں زیادہ وقت دینے والوں اور پھر غیبت کرنے والوں سے وہ لوگ بدرجہا بہتر ہیں جن کا وقت مسجد میں کم گذرتا ہے مگر وہ غیبت کے گناہ سے اپنی حفاظت کرتے ہیں۔

موجودہ دور میں لوگوں کے دلوں سے مسجد کا تقدس رخصت ہوتا جا رہا ہے، بہت سے مسافر مسجد کو سرائے، آرام گاہ اور مجلس کے طور پر استعمال کرتے ہیں، اور زبانی اور عملی بے

ادبیوں کے مرتکب ہوتے ہیں، جن میں خصوصیت سے غیبت، عیب جوئی، چغلی، بدگوئی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

(۲۰) روزے کی حالت میں غیبت

یوں تو غیبت مطلقاً حرام ہے، مگر روزے کی حالت میں اس کی قباحت کئی گنا بڑھ جاتی ہے، حضرت یحییٰ بن کثیرؒ کا قول ہے:

يَصُومُ الرَّجُلُ عَنِ الْحَلَالِ الطَّيِّبِ، وَيُفْطِرُ عَلَى الْحَرَامِ الْخَبِيثِ: لَحْمِ أَخِيهِ يَعْنِي اغْتِيَابَهُ. (حياة السلف: للطيار: ٦٠٧)

آدمی روزے کی حالت میں حلال اور پاکیزہ چیز (کھانے پینے) سے رک جاتا ہے، مگر حرام اور گندی چیز کھاتا رہتا ہے، یعنی اپنے بھائی کا گوشت اس کی غیبت کی صورت میں کھاتا رہتا ہے۔

حاصل

یہ غیبت کی مختلف صورتیں ہیں، علامہ ابن النحاس الدمشقی (م ۸۱۴ھ) اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''تنبیہ الغافلین'' میں لکھتے ہیں:

''نبی اکرم ﷺ کا غیبت کے بارے میں یہ ارشاد فرمانا کہ: ''اپنے بھائی کے بارے میں ایسی بات کہنا جو اسے ناپسند ہو''، غیبت کی ایک جامع تعریف ہے جس میں درج ذیل صورتیں داخل ہوسکتی ہیں:

(الف) کسی کے جسمانی عیب کو بیان کرنا، مثلاً وہ لنگڑا، چندھا، بھینگا، گنجا، لمبو، پستہ قد وغیرہ ہے۔

(ب) کسی کی بدخلقی کو بیان کرنا، مثلاً وہ متکبر ہے، بداخلاق ہے، بزدل ہے، بے وقوف ہے، جلد باز ہے، وغیرہ۔

(ج) کسی کے افعال کے بارے میں تبصرہ کرنا، مثلاً وہ چور ہے، خائن ہے، سست ہے، بے ادب ہے، جھک باز ہے، وغیرہ۔

(د) کسی کے لباس پر تبصرہ کرنا کہ اسے کپڑے پہننے کا سلیقہ نہیں، اس کا عمامہ بے ہنگم ہے، اس کی آستین لمبی ہے، وغیرہ۔

اور جس طرح آدمی اپنی برائی ناپسند کرتا ہے، اسی طرح اپنے سے منسوب کسی فرد یا چیز کی برائی بھی اسے دوسرے کی زبان سے بری لگتی ہے: مثلاً آپ کسی کی اولاد کے بارے میں کہیں کہ وہ بدشکل ہے، بے ادب ہے، یا کسی کی بیوی کے بارے میں کہیں کہ وہ بدصورت ہے یا پھوہڑ یا بدزبان ہے، یا کسی کے ملازم کے بارے میں ناگوار تبصرہ کریں یا کسی کی سواری کا عیب ظاہر کریں وغیرہ، تو ایسی گفتگو بھی غیبت کی حرمت میں داخل ہوگی۔

اور جس طرح صراحۃً نام لے کر غیبت ناجائز ہے، اسی طرح اشارہ یا نقل کے ذریعہ بھی جائز نہیں ہے، مثلاً کسی کا ذکر ہاتھ کے اشارے سے پستہ قد کے طور پر کیا، یا اس کی طرح چل کر دکھایا، یا آنکھ سے اس کے عیب کو بتایا، یا دوسرے کا ذکر ہونے پر اپنی برأت اس انداز میں کی کہ اس سے دوسرے کی برائی ظاہر ہوئی، مثلاً: کسی شخص کا مجلس میں ذکر ہوا کہ اس کے ارباب حکومت سے اچھے تعلقات ہیں، تو حاضرین مجلس میں سے ایک شخص بول اٹھا کہ: ''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ارباب حکومت سے میل جول میں مبتلا نہیں فرمایا''، تو یہ جملہ بظاہر ایک اچھا جملہ ہے، لیکن اس سے خود بخود یہ بات مفہوم ہو رہی ہے کہ جو لوگ حکومت سے تعلق رکھتے ہیں وہ قابل مذمت ہیں، حالانکہ دوسرے شخص کی حالت کی بہتر تاویل کی جا سکتی ہے، مثلاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ: ''ہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہونے چاہئیں جن کی رسائی حکومت تک ہو، تا کہ ضرورت مندوں کے کام کر سکیں''۔ ایسا جملہ نہ کہہ کر ذو معنی جملہ استعمال کرنا جو اپنی برأت اور دوسرے کی برائی کو مستلزم ہے، یہ جائز نہیں ہے''۔ (جامع قرآنی وعظ: ۵۹۶-۵۹۷ بحوالہ تنبیہ الغافلین: ۱۷۶-۱۷۹)

❍❖❍

غیبت کی ہولناکی قرآن مجید کی زبانی

(الف) قرآن مجید میں اللہ نے بہت صراحت کے ساتھ غیبت سے منع فرمایا ہے اور اس کی شناعت، قباحت اور مضرت کے بیان کے لئے ایسا اسلوب اختیار فرمایا ہے جو کسی اور گناہ کے لئے اختیار نہیں فرمایا، ارشاد ہوا:

وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضاً أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوهُ. (الحجرات:١٢)

تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔

اس حکمِ قرآنی کے پس منظر میں تفاسیر میں مذکور ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ ایک سفر میں دو صاحب ثروت لوگوں کے ساتھ تھے، اور ان کے کھانے وغیرہ کا انتظام کرتے تھے، ایک دن حضرت سلمانؓ کو نیند آ گئی، وہ دونوں انہیں تلاش کرتے رہے، مگر ملاقات نہ ہو سکی، انہوں نے باہم حضرت سلمانؓ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: سلمانؓ کو تو بس پکا پکایا کھانا درکار ہے، کرنا کچھ نہ پڑے اور سب کچھ مل جائے، کچھ دیر کے بعد حضرت سلمانؓ ان کے پاس آئے، ان دونوں نے انہیں کھانا لانے آپ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا، حضرت سلمانؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا: میرے دونوں ساتھیوں نے مجھے آپ کی خدمت میں کھانا لینے بھیجا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں کھانے کی کیا ضرورت ہے، وہ تو کھا چکے ہیں، حضرت سلمانؓ نے واپس آ کر ان

دونوں کو بتایا کہ آپ ﷺ فرمارہے ہیں کہ تم دونوں کھانا کھا چکے ہو، وہ دونوں دوڑے دوڑے آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور بولے: خدا کی قسم ہم نے تو آج کھانا کھایا ہی نہیں، یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّكُمَا قَدُ إِئتَدَمُتُمَا سَلُمَانَ بِقَوُلِكُمَا.

تم دونوں نے حضرت سلمانؓ پر تبصرہ اور غیبت کر کے ان کا گوشت کھایا ہے۔ (الدر المنثور: ۷/۵۷۰)

یہ بھی منقول ہے کہ ایک صاحب آپ ﷺ کی خدمت کرتے تھے، کچھ لوگوں نے ایک موقع پر اُن سے سالن مانگا، انہوں نے منع کر دیا، ان لوگوں نے ان صاحب پر بخیل اور نادہند ہونے کا تبصرہ کیا، اس موقع پر یہ آیت اتری۔ (ایضاً)

غور کیا جائے کہ غیبت کی حرمت، دناءت، قباحت اور اس کے انتہائی گھناؤنا عمل ہونے کو دل و دماغ میں راسخ کرنے کے لئے غیبت کو ''مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے'' سے تشبیہ دی جارہی ہے۔

علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں:

فِيُهِ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ عِرُضَ الإِنُسَانِ كَلَحُمِهِ، وَإِنَّهُ كَمَا يَحُرُمُ أَكُلُ لَحُمِهِ يَحُرُمُ الإِسُتِطَالَةُ فِي عِرُضِهِ، وَفِيُ هَذَا مِنَ التَّنُفِيُرِ عَنِ الُغِيُبَةِ وَالتَّوُبِيُخِ لَهَا وَالتَّوُبِيُخِ لِفَاعِلِهَا وَالتَّشُنِيُعِ عَلَيُهِ مَالَا يَخُفَى، فَإِنَّ لَحُمَ الإِنُسَانِ مِمَّا تُنَفِّرُ عَنُ أَكُلِهِ الطِّبَاعُ الإِنُسَانِيَّةُ وَتَسُتَكُرِهُهُ الُجِبِلَّةُ الُبَشَرِيَّةُ، فَضُلاً عَنُ كَوُنِهِ مُحَرَّمًا شَرُعًا. (فتح القدير: ۵/۸۲)

اس (مثال) میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کی عزت وآبرو اس کے گوشت کی طرح ہے، جیسے اس کا گوشت کھانا حلال نہیں ہے، اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ اس کی آبروریزی کی جائے، اس (مثال) میں غیبت

کی جیسی قباحت، برائی اور غیبت کرنے والے سے جیسی نفرت و کراہت کا اظہار ہو رہا ہے وہ محتاج بیان نہیں، کیوں کہ انسانی گوشت کھانے سے نفرت و کراہت انسان کی فطرت میں شامل اور اس کی طبیعت کا حصہ ہے، جب کہ وہ شرعاً بھی حرام و ناجائز ہے۔

ایک صاحب قلم کے بقول:

''مردار کا گوشت کھانا بجائے خود نفرت کے قابل ہے، کجا کہ وہ گوشت کسی جانور کا نہیں بلکہ انسان کا ہو، اور انسان بھی کوئی اور نہیں خود اپنا بھائی ہو، پھر اس تشبیہ کو سوالیہ انداز میں پیش کر کے اور زیادہ مؤثر بنا دیا گیا ہے تاکہ ہر شخص اپنے ضمیر سے پوچھ کر خود فیصلہ کرے کہ آیا وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے کے لئے تیار ہے؟ اگر نہیں ہے اور اس کی فطرت اس چیز سے گھن کھاتی ہے تو آخر وہ کیسے یہ بات پسند کرتا ہے کہ اپنے ایک مومن بھائی کی غیر موجودگی میں اس کی عزت پر حملہ کرے جہاں وہ اپنی مدافعت نہیں کر سکتا اور جہاں اس کو یہ خبر تک نہیں ہے کہ اس کی بے عزتی کی جا رہی ہے؟ اس ارشاد سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ غیبت کے حرام ہونے کی بنیادی وجہ اس شخص کی دل آزاری نہیں ہے جس کی غیبت کی گئی ہو، بلکہ کسی شخص کی غیر موجودگی میں اس کی برائی کرنا بجائے خود حرام ہے، قطع نظر اس سے کہ اس کو اس کا علم ہو یا نہ ہو اور اس کو اس فعل سے اذیت پہنچے یا نہ پہنچے، ظاہر ہے کہ مرے ہوئے آدمی کا گوشت کھانا اس لئے حرام نہیں ہے کہ مردے کو اس سے تکلیف ہوتی ہے، مردہ بے چارہ تو اس سے بے خبر ہوتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد کوئی اس کی لاش بھنبھوڑ رہا ہے، مگر یہ فعل بجائے خود ایک نہایت گھناؤنا فعل ہے، اسی طرح جس شخص کی غیبت کی گئی ہو اس کو بھی اگر کسی ذریعہ سے اس کی اطلاع نہ پہنچے تو وہ عمر بھر اس بات سے بے خبر رہے گا کہ کہاں کس شخص نے کب اس کی عزت پر کن لوگوں کے سامنے حملہ کیا تھا اور اس کی وجہ سے کس کس کی نظر میں وہ ذلیل و حقیر ہو کر رہ گیا، اس بے خبری کی وجہ سے اسے اس غیبت کی سرے سے کوئی

اذیت نہ پہنچے گی، مگر اس کی عزت پر بہر حال اس سے حرف آئے گا، اس لئے یہ فعل اپنی نوعیت میں مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے مختلف نہیں ہے"۔ (تفہیم القرآن: ۹۴/۵)

آیت میں غیبت کو مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دینے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جس طرح کسی کا گوشت کھانے میں اس کی تذلیل ہے، اسی طرح کسی کی غیبت میں بھی اس کی تذلیل ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح مردار کا گوشت کھانے سے ہر کوئی گھن کرتا ہے اور بچتا ہے، اسی طرح غیبت سے بھی گھن ہونی چاہیے، اور آخری حد تک اس سے اجتناب ہونا چاہیے، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَمَّا عُرِجَ بِی مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَهُمْ أَظْفَارٌ مِنْ نُحَاسٍ يَخْمِشُونَ وُجُوهَهُمْ وَصُدُورَهُمْ، فَقُلْتُ: مَنْ هَؤُلَاءِ يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ: هَؤُلَاءِ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ لُحُومَ النَّاسِ وَ يَقَعُونَ فِي أَعْرَاضِهِمْ. (مسند احمد: ۳/۲۲٤، ابوداؤد: الادب: باب فی الغیبة: ٤٨٧٦)

جب مجھے معراج میں لے جایا گیا تو میرا گزر ان لوگوں پر بھی ہوا جو اپنے تانبے کے ناخونوں سے اپنے چہروں اور سینوں کو کھرچ رہے تھے، میں نے حضرت جبریل سے دریافت کیا، یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتایا: یہ وہ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزتوں پر حملے کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں:

لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِنَبِيِّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَنَظَرَ فِي النَّارِ، فَإِذَا قَوْمٌ يَأْكُلُونَ الْجِيَفَ، قال: مَنْ هَؤُلَاءِ يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ: هَؤُلَاءِ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ لُحُومَ النَّاسِ. (الترغيب والترهيب: الترغيب من الغيبة: ۳/۵۱۰،رقم الحديث: ۲۰)

جس رات آپ ﷺ کو معراج کا سفر ہوا، آپ نے جہنم کا معائنہ کیا، دیکھا

کچھ لوگ مردار کھا رہے ہیں، آپ ﷺ نے حضرت جبریل سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ بتایا: یہ وہ ہیں جو دنیا میں غیبت کر کے لوگوں کا گوشت کھاتے تھے۔

ایک حدیث میں وارد ہوا ہے:

مَنْ أَكَلَ لَحْمَ أَخِيْهِ فِي الدُّنْيَا قُرِّبَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ لَهُ: كُلْهُ مَيِّتاً كَمَا أَكَلْتَهُ حَيّاً، فَيَأْكُلُهُ وَ يَكْلَحُ وَيَصِيْحُ. (فتح الباری: ۱۰/۴۸۵)

جو شخص دنیا میں اپنے بھائی کا گوشت کھائے گا (غیبت کرے گا) وہ گوشت قیامت کے روز اس کے قریب لایا جائے گا اور کہا جائے گا: جیسے دنیا میں زندگی کی حالت میں تم نے اپنے بھائی کا گوشت کھایا تھا، اب مردہ ہونے کی حالت میں بھی اس کا گوشت کھاؤ، چنانچہ اسے کھانا پڑے گا، اور وہ منہ بنا بنا کر چیختا رہے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم خدمت نبوی میں حاضر تھے، ایک شخص اٹھ کر کہیں گیا، ایک دوسرے شخص نے اس جانے والے کے بارے میں غیبت کے کلمات کہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

تَخَلَّلْ. (خلال کرو۔)

اس نے پوچھا:

وَمِمَّا أَتَخَلَّلُ؟ مَا أَكَلْتُ لَحْمًا.

میں نے گوشت تو نہیں کھایا، میں کس لئے خلال کروں؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّكَ أَكَلْتَ لَحْمَ أَخِيْكَ.

تم نے غیبت کر کے اپنے بھائی کا گوشت کھایا ہے۔

(الترغیب والترہیب: الترہیب من الغیبۃ: ۳/۵۰۶، رقم الحدیث: ۱۴)

حضرت عمرو بن العاصؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ایک مردہ خچر کے پاس سے گزرے تو اپنے ہمراہیوں سے فرمایا:

لَأَنْ یَاکُلَ الرَّجُلُ مِنْ ھٰذَا حَتَّی یَمْلَأَ بَطْنَهُ خَیْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ یَاکُلَ لَحْمَ رَجُلٍ مُسْلِمٍ.

کوئی آدمی پیٹ بھر کر یہ خچر کھالے، یہ زیادہ بہتر ہے، مگر غیبت کر کے کسی مسلمان کا گوشت کھانا اس سے بہت بدتر ہے۔

ان مذکورہ احادیث و آثار سے قرآنی آیت و حکم کی مکمل تائید و توضیح ہوتی ہے اور غیبت کی قباحت نمایاں ہوتی ہے۔

علامہ شوکانیؒ نے لکھا ہے:

”قرآن مجید نے غیبت کی خطرناکی کو ثابت کرنے کے لئے بہت مؤثر انداز اختیار کر کے اس کی نفرت اور قباحت آخری حد تک دلوں میں پیوست کرنے کی کوشش کی ہے۔

(۱) انسان کسی انسان کا گوشت کھائے، یہ انتہائی گھن والا عمل ہے۔

(۲) پھر وہ اپنے بھائی کا گوشت کھائے تو قباحت اور بڑھ جاتی ہے۔

(۳) مزید برآں بھائی مردہ ہو اور اس کا گوشت کھایا جائے تو برائی ناقابل تصور حد تک بڑھ جاتی ہے۔

اس طرح قرآن نے غیبت کی نفرت اور ہولناکی ہر صاحب ایمان کے رگ و ریشہ میں اتارنے کی کوشش کی ہے“۔ (الفتح الربانی: ۱۱/ ۵۵۶۷)

حضرت جنید بغدادیؒ راوی ہیں کہ میں ایک مسجد میں بیٹھ کر نماز جنازہ کے لئے جنازے کی آمد کا منتظر تھا، بغداد کے بہت سارے لوگ بھی انتظار میں تھے، میں نے ایک مجذوب کو خستہ حال میں اور فقیروں کے انداز میں وہاں موجود دیکھا تو میرے دل میں خیال آیا کہ اگر یہ شخص بجائے فقیرانہ حال میں رہنے کے کچھ محنت کرتا اور کماتا تو بہتر ہوتا، بہر حال یہ

خیال آیا اور گذر گیا، نماز کے بعد جب میں گھر آیا اور میں نے اپنے وظائف و معمولات پورے کرنے چاہے تو طبیعت اتنی بوجھل ہوگئی کہ میں کچھ نہ کرسکا، بالآخر مجھے اونگھ آ گئی، میں نے خواب دیکھا کہ دستر خوان لگ رہا ہے اور لوگ اسی مجذوب کو پکڑ کر لائے ہیں، اور اس کی طرف اشارہ کرکے مجھ سے کہہ رہے ہیں:

كُلْ لَحْمَهُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ.

اس کا گوشت کھاؤ کیونکہ تم نے اس کی غیبت کی ہے۔

میں نے اس کے جواب میں کہا: میں نے اس کی غیبت تو نہیں کی تھی، بس دل میں ایک خیال آیا تھا جو گذر گیا، اس پر مجھ سے کہا گیا:

مَاأَنْتَ مِمَّنْ يُرْضَىٰ مِنكَ بِمِثْلِهِ، إِذْهَبْ فَاسْتَحِلَّهُ.

تم اس مقام پر ہو کہ تمہارے دل میں ایسا خیال آنا بھی ناپسندیدہ ہے،

جاؤ، اس مجذوب سے معافی تلافی کرو۔

چنانچہ میں اٹھا، اسے تلاش کرتا پھرا، وہ ایک نالے کے پاس پتے چنتے ہوئے ملا، میں نے اسے سلام کیا، اس نے کچھ کہے بغیر پوچھا: دوبارہ تو ایسا خیال نہیں لاؤ گے؟ میں نے کہا: ہرگز نہیں، اس نے کہا:

غَفَرَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكَ.

اللہ ہمیں اور تمہیں معاف کردے۔ (الرسالۃ القشیریۃ: ۱۵۸-۱۵۹)

(ب) قرآن میں ایک مستقل سورت ہے جس کا نام سورۃ الھمزہ ہے، اس کے آغاز میں فرمایا گیا ہے:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ. (همزة:۱)

ہر اس شخص کے لئے بربادی ہے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو اور رو در رو طعنہ دینے والا ہو۔

اس آیت میں صراحت کے ساتھ غیبت، عیب جوئی اور طعنہ زنی کے عمل کو انتہائی تباہ کن اور بربادی والا کام بتایا گیا ہے، مفسرین کے مطابق مکہ کے چند بدترین کافر (اخنس بن شریق، ولید بن المغیر ہ، امیہ بن خلف، عاص بن وائل، جمیل بن معمر وغیرہ) حضور اکرم ﷺ اور عام اہل ایمان کی پس پشت غیبت بھی کرتے تھے اور رو در رو طعنہ بھی دیتے تھے، یہ آیت انہیں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر الجلالین، التفسیر المنیر، التفسیر الکبیر للرازی)

❍❖❍

غیبت کی تباہ کاری احادیث نبویہ کی روشنی میں

سرور کائنات جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں غیبت کی حرمت، قباحت، سنگینی، مضرات، برے نتائج، دنیوی و اخروی ہلاکتوں اور سزاؤں اور اس کے نتیجے میں سماج میں پیدا ہونے والے بغض و اختلاف کی زہرناکیوں کا ذکر جا بجا مختلف پیرایوں میں ملتا ہے، ذیل میں اس موضوع کی چند احادیث کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) غیبت کی سنگینی

حضرت جابرؓ اور حضرت ابو سعید خدریؓ جناب رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں:

إِيَّاكُمْ وَالْغِيْبَةَ، فَإِنَّ الْغِيْبَةَ أَشَدُّ مِنَ الزِّنَا، إِنَّ الرَّجُلَ يَزْنِي فَيَتُوْبُ فَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَإِنَّ صَاحِبَ الْغِيْبَةِ لا يُغْفَرُ لَهُ حَتّٰى يَغْفِرَلَهُ صَاحِبُهُ. (موسوعة ابن ابی الدنیا: ۱/ ۲۴۸، الترغیب والترهیب: الترهیب من الغیبة: ۲/۵۱۱)

تم غیبت سے بچو، کیونکہ غیبت زنا سے بدتر ہے، آدمی زنا کرتا ہے، پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرلیتا ہے، اور غیبت کرنے والے کو اس وقت تک معافی نہیں ملتی جب تک وہ شخص اسے معاف نہ کردے، جس کی اس نے غیبت کی ہے۔

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ زنا ان گناہوں میں سے ہے، جن کا تعلق اللہ کے حقوق سے ہے اور جو صرف توبہ سے معاف ہوجاتے ہیں، جب کہ غیبت ان گناہوں میں سے

ہے جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اس لئے جب تک صاحب حق سے معاف نہ کرایا جائے، یہ گناہ معاف نہیں ہوتا۔

(الف) غیبت کے زنا سے بدتر ہونے کی اصل بنیادی وجہ یہی ہے کہ زنا میں صرف اللہ کی مخالفت اور شیطان کی پیروی ہے جب کہ غیبت میں اللہ کی مخالفت کے ساتھ دوسرے کو تکلیف پہونچانے کا عنصر بھی شامل ہے، معلوم ہوا کہ غیبت میں زنا سے زائد گناہ ہے۔

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں:

''زنا کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہے، اگر کبھی توبہ کی توفیق ہوگئی، اور اس نے سچے دل سے توبہ کرلی، اور اپنے فعل پر نادم ہوا، رویا، گڑگڑایا تو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے، لیکن غیبت کا تعلق حقوق العباد سے ہے، یعنی غیبت کرنے والے نے بندے کا حق پامال کردیا اور اس کی آبرو پر حملہ کیا ہے، اور کسی بھی مسلمان کی آبرو پر حملہ کرنا، اس کا گناہ کعبہ پر حملہ کرنے سے بھی زیادہ ہے، حقوق اللہ تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے صرف توبہ سے بھی معاف فرمادیتے ہیں، لیکن اگر کسی بندے کا حق پامال ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تک اس بندے کا حق ادا نہیں ہوگا یا جب تک وہ معاف نہیں کرے گا اس وقت تک میں بھی معاف نہیں کروں گا۔'' (اصلاحی خطبات: ۱۷/ ۷۰-۷۲، مختصراً)

(ب) یہ بھی ملحوظ رہے کہ غیبت کی بنیاد تکبر ہے، غیبت کرنے والا اپنے کو برتر اور دوسرے کو حقیر و کمتر سمجھتا ہے، اور تکبر میں شرک کا شائبہ ہوتا ہے، اس لئے بھی غیبت کی سنگینی زنا اور دیگر گناہوں سے بڑھی ہوئی ہے۔

(ج) پھر غیبت کرنے والے کی نگاہ ہمیشہ دوسروں کے عیوب پر رہتی ہے اور اپنے عیوب اس سے اوجھل رہتے ہیں، اس لئے اسے اپنی اصلاح کی فکر نہیں ہوتی ہے۔

(د) سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ نے فرمایا کہ:

’’کلام نبوی: ’’اَلْغِیْبَةُ أَشَدُّ مِنَ الزِّنَا‘‘ (غیبت زنا سے بھی بڑھ کر ہے) میں غیبت کے شدید تر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زنا ’’گناہ باہی‘‘ (شہوت سے صادر ہونے والا گناہ) ہے، اور غیبت ’’گناہ جاہی‘‘ (تکبر سے نکلنے والا گناہ) ہے، زنا کے صدور کے بعد نفس میں عاجزی پیدا ہوتی ہے کہ میں نے یہ خبیث اور گھناؤنا کام کیا (اور توبہ کی توفیق ہوجاتی ہے) اور غیبت میں ابتلاء کے بعد آدمی کو ندامت تک نہیں ہوتی (اور وہ توبہ سے محروم رہتا ہے) اس بنا پر غیبت کو زنا سے بھی بدتر فرمایا گیا ہے‘‘۔ (معارف امدادیہ:۱۴۱)

(ہ) غیبت کے زنا سے بدتر ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ زنا ایک مخفی جرم ہے جب کہ غیبت علانیہ کیا جانے والا جرم ہے، اور علانیہ ہونے والا گناہ خفیہ گناہ سے بدتر ہوتا ہے، حدیث میں صراحت ہے:

كُلُّ أُمَّتِى مُعَافَاةٌ إِلَّا الْمُجَاهِرِيْنَ. (مسلم: الزهد، باب النهى عن هتك الإنسان ستر نفسه: ٧٤٨٥)

میری پوری امت قابل معافی ہے، لیکن علانیہ گناہ کرنے والے لائق معافی نہیں ہیں۔

منقول ہے کہ ایک نوجوان حضرت عبداللہ بن المبارکؒ کی خدمت میں آکر کہنے لگا کہ میں نے اتنا بڑا گناہ کرلیا ہے کہ اسے بیان بھی نہیں کرسکتا، حضرت عبداللہ نے کہا: بتاؤ کیا گناہ کرلیا؟ وہ بولا: مجھ سے زنا سرزد ہوگیا، حضرت نے فرمایا: چلو اچھا ہوا، تم نے غیبت نہیں کی، کیونکہ غیبت زنا سے بدتر ہے۔ (غیبت کیا ہے:۸۷، بحوالہ تذکرۃ الاولیاء)

(۲) غیبت اور عذاب قبر

حضرت ابوبکرہؓ بیان فرماتے ہیں: آپ ﷺ دو قبروں کے پاس سے گذرے، اور فرمایا:

إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِى كَبِيْرٍ، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَيُعَذَّبُ فِى الْبَوْلِ، وَأَمَّا الآخَرُ فَيُعَذَّبُ فِى الْغِيْبَةِ. (مسند احمد: ٥/ ٣٥-٣٦)

ان دونوں قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے، اور انہیں کسی ایسے کام پر عذاب نہیں ہو رہا ہے جس سے بچ پانا مشکل رہا ہو، ان میں سے ایک کو پیشاب کی چھینٹوں سے احتیاط نہ کرنے کے گناہ پر عذاب ہو رہا ہے، اور دوسرے کو غیبت کے جرم پر عذاب ہو رہا ہے۔

حضرت ابوامامہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے دو قبروں کے پاس رک کر بتایا کہ انہیں عذاب ہو رہا ہے، صحابہ نے دریافت کیا:

وَمَا ذَنبُهُمَا؟

ان دونوں کا قصور کیا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

أَمَّا فُلاَنٌ فَإِنَّهُ كَانَ لَا يَسْتَبْرِئُ مِنَ الْبَوْلِ، وأَمَّا فُلاَنٌ فَإِنَّهُ كَانَ يَأْكُلُ لُحُومَ النَّاسِ. (الترغيب والترهيب: الترهيب من الغيبة: ۵۱۳/۳، رقم الحديث: ۲۷)

ان میں سے ایک پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا، اور دوسرا غیبت کر کے لوگوں کا گوشت کھاتا تھا۔

امام بخاریؒ نے غیبت کا مستقل عنوان قائم فرما کر وہ حدیث ذکر فرمائی ہے جس میں دو مردوں کو ہو رہے عذابِ قبر کا تذکرہ ہے، اور ایک مردے کا جرم پیشاب کی چھینٹوں سے احتیاط نہ کرنا بتایا گیا ہے، اور دوسرے مردے کا جرم چغل خوری بتایا گیا ہے، اس حدیث میں بخاری کی روایت کے مطابق غیبت کا ذکر نہیں ہے بلکہ چغلی کا ذکر ہے، لیکن امام بخاریؒ نے عنوان میں غیبت کا ذکر بھی کیا ہے، علامہ عینیؒ کے بقول ایسا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ غیبت اور چغلی میں چولی دامن کا ساتھ ہے، چغل خور انسان لازمی طور پر غیبت کرنے والا ہوتا ہے، ایسا نہیں ہوسکتا کہ کوئی چغلی میں مبتلا ہو اور غیبت سے محفوظ سے ہو جائے۔ (عمدۃ القاری: ۲۰۸/۸)

مشہور تابعی حضرت قتادہؒ سے منقول ہے:

ذُكِرَ لَنَا أَنَّ عَذَابَ الْقَبْرِ ثَلَاثَةُ اَثْلَاثٍ: ثُلُثٌ مِنَ الْغِيْبَةِ، وَثُلُثٌ مِنَ الْبَوْلِ، وَثُلُثٌ مِنَ النَّمِيْمَةِ. (موسوعة ابن ابی الدنیا: ۱/۲۵۳)

ہمیں بتایا گیا ہے کہ عذاب قبر کی تین تہائیاں ہیں: ایک تہائی غیبت، ایک تہائی پیشاب کی بے احتیاطی اور ایک تہائی چغل خوری کی وجہ سے ہے۔

(۳) غیبت کی بدبو

حضرت جابرؓ نے بیان فرمایا:

كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَارْتَفَعَتْ رِيْحٌ مُنْتِنَةٌ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتَدْرُوْنَ مَا هَذِهِ الرِّيْحُ؟ هَذِهِ رِيْحُ الَّذِيْنَ يَغْتَابُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ. (الترغيب والترهيب: الترهيب من الغيبة: ۳/۵۵۱، رقم الحديث: ۲۳)

ہم حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے، اچانک بہت بدبو اٹھنے لگی، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ بدبو کیسی ہے؟ یہ اہل ایمان کی غیبت کرنے والے مجرموں کے گناہ کی بدبو ہے۔

(۴) بدترین سود

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مجلس میں آپ ﷺ نے صحابہ سے دریافت کیا:

تَدْرُوْنَ أَرْبَى الرِّبَا عِنْدَاللّٰهِ؟

تم جانتے ہو اللہ کے نزدیک سب سے خطرناک سود کیا ہے؟

صحابہ نے عرض کیا:

اَللّٰهُ وَ رُسُوْلُهُ اَعْلَمُ. (اللہ اور رسول زیادہ جانتے ہیں۔)

آپ ﷺ نے فرمایا:

فَإِنَّ أَرْبَى الرِّبَا عِنْدَ اللّٰهِ اِسْتِحْلاَلُ عِرْضِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ.

بلا شبہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا سود کسی مسلمان کی آبرو کو حلال سمجھنا اور اس سے کھیل کرنا ہے۔

پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَااكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَ إِثْمًا مُبِيْنًا. (ايضا: ٣/ ٥٠٤، رقم الحديث: ٧)

جو لوگ مؤمن مردوں اور عورتوں کو ان کے کسی جرم کے بغیر تکلیف پہونچاتے ہیں انہوں نے بہتان طرازی اور کھلے گناہ کا بوجھ اپنے اوپر لادلیا ہے۔

ایک روایت میں اسی مضمون کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ سود کے ستر سے زائد درجے ہیں، سود کا سب سے ہلکا درجہ اپنی ماں سے زنا کرنے کے جرم کے مرادف ہے، سود کا ایک درہم ۳۵؍ بار زنا کرنے سے زیادہ خطرناک ہے اور:

أَشَدُّ الرِّبَا، وَارْبَىٰ الرِّبَا، وَأَخْبَثُ الرِّبَا اِنْتِهَاكُ عِرْضِ الْمُسْلِمِ وَانْتِهَاكُ حُرْمَتِهِ. (ايضاً: رقم الحديث: ٥)

سب سے خطرناک، سب سے سنگین، سب سے برا سود کسی مسلمان کی آبرو اور حرمت کو پامال کرنا ہے۔

ان روایات سے سمجھا جاسکتا ہے کہ کسی مسلمان کی آبرو پر حملہ (جس کی بہت نمایاں شکل غیبت کا عمل ہے) انتہائی خطرناک اور ہولناک نتائج کا حامل کام ہے۔

(۵) عذاب جہنم

حضرت شُفَیُّ بن مَاتِعُ اَصْبَحِی آپ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ:

جہنم میں چار ایسے مجرم ہوں گے کہ ان سے تمام اہل جہنم پریشانی محسوس کریں گے، ان میں ایک وہ ہوگا جو اپنا ہی گوشت کھا رہا ہوگا، اس سے پوچھا جائے گا، یہ کیا ماجرا ہے؟ وہ بولے گا:

إِنَّ الْأَبْعَدَ كَانَ يَأْكُلُ لُحُومَ النَّاسِ بِالْغِيبَةِ، وَيَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ.

اللہ کی رحمت سے دور یہ شخص دنیا میں غیبت کر کے لوگوں کے گوشت کھاتا تھا اور چغل خوری کرتا تھا، جس کی سزا اب اس طرح مل رہی ہے۔

(ایضاً:۳/ ۵۰۷-۵۰۸، رقم الحدیث:۱۶)

(۶) ایمان سے محرومی

حضرت ابوامامہؓ آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

اَلْغِيبَةُ وَالنَّمِيمَةُ يَحُتَّانِ الْإِيمَانَ كَمَا يَعْضِدُ الرَّاعِي الشَّجَرَةَ. (ایضاً: ۳/ ۵۱٤، رقم: ۲۸)

غیبت اور چغلی سے ایمان اسی طرح جھڑ جاتا ہے جیسے چرواہا درخت اور پودے جھاڑتا ہے۔

واضح ہوا کہ غیبت کا عمل انسان کے ایمان کی بنیادوں کو ملیا میٹ کر دیتا ہے۔

(۷) نیکیوں کا مٹ جانا

حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ غیبت کی سنگینی کا تذکرہ زبان نبوت سے اس طرح ہوا کہ: قیامت کے دن انسان اپنے نامۂ اعمال کو دیکھے گا تو دنیا میں کی گئی اپنی بہت سی نیکیوں کو اس میں درج نہیں پائے گا، چنانچہ وہ اللہ سے پوچھے گا کہ اے میرے رب: میری فلاں نیکیاں کہاں گئیں؟ جواب ملے گا:

مُحِيَتْ بِاغْتِيَابِكَ النَّاسَ. (ایضاً: ۳/۵۱۵، رقم: ۳۰)

تم لوگوں کی غیبت کرتے تھے، اس لئے تمہاری نیکیاں مٹا دی گئیں۔

(۸) نبوی نصیحت

حضرت سلیم بن جابرؓ فرماتے ہیں:

اَتَیۡتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ فَقُلۡتُ: عَلِّمۡنِی خَیۡرًا أَنۡتَفِعُ بِہِ، فَقَالَ: لَاتَحۡقِرَنَّ مِنَ الۡمَعۡرُوۡفِ شَیۡئًا وَلَوۡأَنۡ تَصُبَّ مِنۡ دَلۡوِکَ فِیۡ إِنَاءِ الۡمُسۡتَقِیۡ، وَأَنۡ تَلۡقَی أَخَاکَ بِبِشۡرٍ حَسَنٍ، وَإِنۡ أَدۡبَرَ فَلا تَغۡتَابَنَّہُ. (احیاء العلوم للغزالی: ۳/ ۲۹۰)

میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: مجھے وہ خیر سکھا دیجئے جس سے مجھے خوب نفع حاصل ہو، آپ ﷺ نے فرمایا: نیکی کے کسی کام کو ہرگز حقیر اور معمولی مت سمجھو خواہ پانی چاہنے والے شخص کے برتن میں اپنے ڈول سے پانی انڈیلنے کا ہی عمل کیوں نہ ہو، اور اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے مسکراتے ہوئے ملو، اور تمہارا بھائی تمہارے پاس سے چلا جائے تو اس کے غائبانہ میں ہرگز اس کی غیبت مت کرو۔

(۹) پیغمبرانہ رہنمائی

حضرت ابو بردہؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے امت کو واضح طور پر ہدایات دیں:

لا تَحَاسَدُوۡا وَلَا تبَاغَضُوۡا وَلَا تَنَاجَشُوۡا وَلا تَدَابَرُوۡا وَلا یَغۡتَبۡ بَعۡضُکُمۡ بَعۡضًا، وَکُوۡنُوا عِبَادَاللّٰہِ إِخۡوَانًا. (ایضاً:۳/ ۲۸۹)

نہ آپس میں حسد کرو، نہ بغض و کینہ رکھو، نہ ایک دوسرے پر بڑھنے کی بے جا ہوس کرو، نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو، اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے، بلکہ اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو۔

(۱۰) غیبت کی حرمت

حضرت کعب بن عاصم سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْمُؤْمِنُ حَرَامٌ عَلَى الْمُؤْمِنِ لَحْمُهُ، عَلَيْهِ حَرَامٌ أَنْ يَأْكُلَهُ وَ يَغْتَابَهُ بِالْغَيْبِ، وَعِرْضُهُ عَلَيْهِ حَرَامٌ أَنْ يَخْرِقَهُ، وَوَجْهُهُ عَلَيْهِ حَرَامٌ أَنْ يَلْطِمَهُ. (الدر المنثور للسيوطي: ۵۷۳/۷)

ایمان والے کے لئے دوسرے ہر مؤمن کا گوشت، آبرو اور چہرہ تینوں حرام ہیں، جائز نہیں ہے کہ دوسرے کی غائبانہ میں غیبت کرے اور اس کا گوشت کھائے، اسی طرح دوسرے کی آبرو پر حملہ کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح دوسرے کے چہرے پر مارنا بھی جائز نہیں ہے۔

(۱۱) قیامت کی علامت

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حصول علم کے شوق میں میں عراق کے شہر کوفہ پہنچا، وہاں ملاقات حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ہوئی، میں نے ان سے قیامت کی علامات کے بارے میں دریافت کیا، انہوں نے بتایا کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے اس بابت پوچھا تھا تو آپ نے مجھے جواب میں قیامت کی مختلف علامتیں بتائی تھیں۔

ان علامتوں میں سے یہ بھی ہے:

وَتَكْثُرَ الشُّرَطُ وَالْغَمَّازُوْنَ وَالْهَمَّازُوْنَ.

قیامت کے قریب ظالم پولیس والوں، عیب جو افراد اور پیٹھ پیچھے برائی کرنے والے لوگوں کی کثرت ہو جائے گی۔ (النہایۃ فی الفتن والملاحم لابن کثیر: ۱۸۰)

حضرت مکحولؒ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے علامات قیامت کے بارے میں دریافت کیا، آپ ﷺ نے ایک علامت یہ بتائی:

وَأَنْ تَفْشُوَ الْغِيْبَةُ. (الترغيب والترهيب: الترغيب فى العزلة: ٣/٤٤٢)

غیبت عام ہو جائے گی۔

(۱۲) غیبت کی سزا

حضرت سعد ساعدیؓ آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

لا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِيْنَ، فَمَنِ اغْتَابَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلِسَانُهُ مَعْقُوْدٌ إِلَى قَفَاهُ، لا يَحُلُّهُ إِلَّا عَفْوُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ أَوْ عَفْوُ مَنِ اغْتَابَهُ. (كنزالعمال: ٣/٢٣٥: ٨٠٣٦)

مسلمانوں کی غیبت مت کرو، جو اپنے مسلمان بھائی کی غیبت کرے گا وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کی زبان اس کی گدی سے بندھی ہوئی ہوگی، اسے اللہ کی معافی یا جس کی غیبت کی ہے اس کی معافی کے سوا کوئی چیز رہائی نہیں دلا سکے گی۔

(۱۳) آخرت کی باز پرس

حضرت عمرؓ سے آپ ﷺ نے فرمایا:

يَا عُمَرُ: إِنَّكَ لا تُسْأَلُ عَنْ أَعْمَالِ النَّاسِ، إِنَّمَا تُسْأَلُ عَنِ الْغِيْبَةِ. (ايضاً: ٨٠٣٨)

اے عمر! تم سے دوسروں کے اعمال کے بارے میں سوال نہیں ہوگا، تم سے تو غیبت کے بارے میں سوال ہوگا۔

(۱۴) جامع نصیحت

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تَرُدُّوا الْهَدِيَّةَ وَلَا تَضْرِبُوا الْمُسْلِمِيْنَ. (شعب الايمان: باب فی تحريم اعراض الناس: ٥/٢٩٦: ٦٧٠٥)

مسلمانوں کی غیبت مت کرو، ہدیہ مت ٹھکراؤ اور مسلمانوں کو مت مارو۔

(۱۵) غیبت سے بچنے کا انعام

حضرت ابوسعید خدریؓ آپ ﷺ سے نقل کرتے ہیں:

إِنَّ شَهْرَ رَمَضَانَ شَهْرُ أُمَّتِي، فَإِذَا صَامَ مُسْلِمٌ لَمْ يَكْذِبْ وَلَمْ يَغْتَبْ، وَفِطْرُهُ طَيِّبٌ، سَعَى إِلَى الْعَتَمَاتِ مُحَافِظاً عَلَى فَرَائِضِهِ، خَرَجَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَمَا تَخْرُجُ الْحَيَّةُ مِنْ سِلْخِهَا. (الترغيب والترهيب: الترغيب فی صيام رمضان: ٢/١٠٢)

بلاشبہ رمضان کا مہینہ میری امت کے لئے عظیم خیر کا مہینہ ہے، جب کوئی مسلمان روزہ رکھتا ہے، پھر نہ جھوٹ بولتا ہے اور نہ غیبت کرتا ہے، اس کا افطار حلال و پاک چیز سے ہوتا ہے، اور رات کی تاریکی میں فرائض کی ادائیگی کے لئے پابندی سے جاتا ہے تو وہ اپنے گناہوں سے ایسے ہی نکل جاتا ہے جیسے سانپ اپنی کینچلی سے باہر نکلتا ہے۔

(۱۶) اللہ کی نافرمانی

غزوۂ تبوک کے موقع پر اپنے خطبے میں آپ ﷺ نے جو جامع ترین ہدایات امت کو دی تھیں ان میں یہ ہدایت بھی تھی:

وَأَكْلُ لَحْمِهِ مِنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ. (زاد المعاد: ٣/٤٧)

مسلمان کا گوشت کھانا (غیبت) اللہ کی نافرمانی (حرام) ہے۔

ذخیرۂ احادیث میں غیبت کی شناعت اور برے نتائج کی نشاندہی کا مضمون جابہ جا موجود ہے، اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ:

(۱) غیبت بدترین گناہ کبیرہ اور قطعی طور پر حرام ہے۔

(۲) اس کی قباحت سود سے بڑھی ہوئی ہے۔

(۳) وہ اپنے بھائی کا گوشت کھانے کے مرادف ہے۔

(۴) ایسے عمل پر قیامت میں بدبودار گوشت کھانے کا عذاب ہوگا۔

(۵) مزید قبر کے بدترین عذاب سے دوچار ہونا ہوگا۔

(۶) جس کی غیبت کی گئی ہے اس سے معاف کرائے بغیر معافی نہیں مل سکتی۔

(۷) ایمان کے لئے غیبت بے حد مہلک ثابت ہوتی ہے۔

(۸) ایسا شخص دنیا و آخرت میں اللہ کی مدد سے محروم ہو جاتا ہے۔

(۹) اس کی نیکیاں ضائع اور بے اثر ہو جاتی ہیں۔

(۱۰) دوسروں کے گناہوں کا بوجھ اس پر لاد دیا جاتا ہے۔

غیبت کی شناعت

سلف صالح کے فرمودات اور کردار کے آئینے میں

صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور سلف صالح کے اقوال وفرمودات میں غیبت اور اس کی زہرناکی کا ذکر مختلف پیرایوں میں ملتا ہے، خود ان کی زندگیاں غیبت سے احتیاط وحفاظت کے حوالے سے امت کے لئے شاہ کار اور روشن نمونے کا مقام رکھتی ہیں، یہاں ان کے چند فرمودات درج کئے جاتے ہیں:

(۱) حضرت ابو بکر صدیقؓ کے اقوال میں ہے:

إِتَّقِ اللّٰهَ بِطَاعَتِهِ، وَأَطِعِ اللّٰهَ بِتَقْوَاهُ، وَ لْتَخَفْ يَدَاكَ مِنْ دِمَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ، وَبَطْنُكَ مِنْ أَمْوَالِهِمْ، وَلِسَانُكَ مِنْ أَعْرَاضِهِمْ.

(رسالة المسترشدين للمحاسبي: ٤٦)

اللہ سے اس کی اطاعت کر کے ڈرو، اور اللہ کی اطاعت اس کے تقوی کے ساتھ کرو، تمہارے ہاتھ مسلمانوں کے خون میں آلودہ ہونے سے ڈریں، تمہارا پیٹ مسلمانوں کے مال ناحق استعمال کرنے سے ڈرے، اور تمہاری زبان مسلمانوں کی آبروریزی سے ڈرے۔

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ نے دوسروں کی غیبت اور برائی کرنے والوں کو جھنجھوڑا ہے اور انہیں دوسروں کے عیوب کے بجائے اپنے عیوب پر نگاہ رکھنے اور اپنی اصلاح کی فکر کرنے کی دعوت دی ہے، فرماتے ہیں:

یُبْصِرُ اَحَدُکُمُ الْقَذٰی فِیْ عَیْنِ أَخِیْهِ، وَیَنْسَی الْجَذْلَ فِیْ عَیْنِهِ. (موسوعة ابن ابی الدنیا: ۲۵۳/۱)

تم میں سے ہر شخص دوسروں کی آنکھ کے تنکے بھی دیکھ لیتا ہے مگر اسے اپنی آنکھ کا شہتیر تک نظر نہیں آتا۔

یعنی دوسروں کے باریک اور چھوٹے اور مخفی عیوب تلاش کر کے اجاگر کر دیے جاتے ہیں، مگر اپنے بڑے اور نمایاں عیوب پر نظر رکھنے اور اپنی اصلاح کرنے کی توفیق نہیں ہوتی، شاعر نے خوب کہا ہے ؎

تنقید حالِ غیر پہ کرنے سے پیشتر
خود کو نگاہِ غیر سے دیکھا کرے کوئی

(۳) اسی طرف حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بہت صراحت کے ساتھ یوں توجہ دلائی ہے:

إِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَذْکُرَ عُیُوْبَ صَاحِبِکَ فَاذْکُرْ عُیُوْبَکَ. (ایضاً)

جب تم اپنے ساتھی کے عیوب کا تذکرہ کرنے کا ارادہ کرو تو اپنے عیوب یاد اور مستحضر کر لو۔

اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ دوسروں کی کمیاں تمہاری نگاہ سے اوجھل ہو جائیں گی اور اپنی اصلاح کی توفیق میسر آئے گی۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

أُذْکُرْ أَخَاکَ إِذَا غَابَ عَنْکَ بِمَا تُحِبُّ أَنْ یَذْکُرَکَ بِهِ، وَدَعْ مِنْهُ مَا تُحِبُّ أَنْ یَدَعَ مِنْکَ. (العقد الفرید: لابن عبد ربه: ۳۳۵/۲)

تم اپنے غائبانہ میں اپنے بھائی کی زبانی اپنا جیسا تذکرہ پسند یا ناپسند کرتے ہو، اپنے بھائی کے غائبانہ میں اپنی زبانی اس کا ویسا تذکرہ پسند یا ناپسند کرو۔

یہاں یہ قیمتی اصول بتا دیا گیا ہے کہ دوسرے کی عدم موجودگی میں اس کا تذکرہ اسی طرح کیا جائے جیسا دوسرے کی زبانی اپنا تذکرہ انسان کو پسند ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ اگر اس کا لحاظ ہو تو غیبت اور بدزبانی سے بچا جا سکتا ہے۔

(۵) حضرت ابن عباسؓ کا ہی قول ہے:

لَا تَتَكَلَّمْ فِيمَا لَا يَعْنِيكَ، وَلَا تُمَارِ سَفِيهًا وَلَا حَلِيمًا، وَاذْكُرْ أَخَاكَ بِمَا تُحِبُّ أَنْ تُذْكَرَ بِهِ. (رسالة المسترشدين للمحاسبی: ۷۳)

فضول بات مت کرو، کسی بے وقوف اور بردبار سے جھگڑا اور بحث مت کرو، اپنے بھائی کا تذکرہ اسی طرح کرو جس طرح اپنا تذکرہ پسند کرتے ہو۔

(۶) حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

عَلَيْكُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ فَإِنَّهُ شِفَاءٌ، وَإِيَّاكُمْ وَذِكْرَ النَّاسِ فَإِنَّهُ دَاءٌ. (ایضاً: ۱/ ۱۵۰)

تم اللہ کے ذکر کو معمول بناؤ، کیونکہ یہ باعث شفا ہے، لوگوں کی برائی سے بچو، کیونکہ یہ بیماری ہے۔

(۷) حضرت سلمانؓ نے حضرت ابوالدرداءؓ کے نام یہ تحریر لکھی:

أَمَّا بَعْدُ: فَإِنِّي أُوصِيكَ بِذِكْرِ اللّٰهِ فَإِنَّهُ دَوَاءٌ، وَأَنْهَاكَ عَنْ ذِكْرِ النَّاسِ فَإِنَّهُ دَاءٌ. (ایضاً: ۱/ ۱٤۹)

میں تمہیں اللہ کے ذکر کی تاکید کرتا ہوں، کیونکہ ذکر اللہ اصل دوا اور علاج ہے، اور میں تمہیں لوگوں کے برے تذکرے سے روکتا ہوں کیونکہ یہ اصل بیماری ہے۔

ان آثار صحابہ سے غیبت کی حفاظت کی یہ تدبیر معلوم ہوتی ہے کہ اپنے اوقات اللہ کے ذکر میں صرف کئے جائیں، اور انسانوں کے تذکرے سے اجتناب کیا جائے، دوسروں کا تذکرہ

عام طور سے غیبت تک پہونچا ہی دیتا ہے۔

(۸) مذکور ہے کہ جب حضرت عمرؓ کو کسی کے بارے میں معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان کی غیبت اور برائی کرتا ہے تو فرماتے تھے:

أَحَبُّ النَّاسِ إِلَيَّ مَنْ رَفَعَ إِلَيَّ عُيُوبِي. (طبقات ابن سعد: ۳/۱۵٦)

تمام لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو میرے عیوب میرے سامنے آشکارا کردے۔

(۹) حضرت علیؓ نے طالبان علم کو خطاب کرتے ہوئے انہیں علماء کے حقوق بتائے اور فرمایا:

إِنَّ مِنْ حَقِّ الْعَالِمِ أَنْ لاتُكْثِرَ عَلَيْهِ السُّوَالَ، وَلا تُفْشِيَنَّ لَهُ سِرًّا، وَلا تَغْتَابَنَّ عِنْدَهُ أَحداً، وَلا تَطْلُبَنَّ عَثْرَتَهُ. (جامع بيان العلم: ۱/۱٥٦)

بلاشبہ عالم کا حق یہ ہے کہ تم اس سے زیادہ سوال مت کرو، اس کا کوئی راز ہرگز فاش مت کرو، اس کے سامنے کسی کی غیبت ہرگز مت کرو اور اس کی لغزشیں کبھی مت تلاش کرو۔

(۱۰) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

مَنِ اغْتِيبَ عِنْدَهُ مُؤْمِنٌ فَنَصَرَهُ جَزَاهُ اللّٰهُ بِهَا خَيْرًا فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، وَ مَنِ اغْتِيبَ عِنْدَهُ فَلَمْ يَنْصُرْهُ جَزَاهُ اللّٰهُ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ شَرًّا، وَمَا الْتَقَمَ اَحَدٌ لُقْمَةً شَرًّا مِنِ اغْتِيَابِ مُؤْمِنٍ، إِنْ قَالَ فِيْهِ مَا يَعْلَمُ فَقَدِ اغْتَابَهُ، وَمَنْ قَالَ فِيْهِ مَا لا يَعْلَمُ فَقَدْ بَهَتَهُ. (الدرالمنثور: ۷/۵۷۳-۵۷٤)

جس کے سامنے کسی مؤمن کی غیبت کی گئی، اور اس نے اس کی مدد کی (ذکر خیر کیا) اللہ اس کے بدلے اس کو دنیا اور آخرت دونوں میں بہتر بدلہ

عطا فرمائیں گے، اور جس کے سامنے کسی مؤمن کی غیبت کی گئی مگر اس نے اس کی مدد نہ کی تو اللہ اس کو دنیا و آخرت دونوں میں برا بدلہ (سزا) دیں گے، مؤمن کی غیبت سے برا کوئی لقمہ نہیں ہوتا، اگر آدمی کسی مؤمن کے اس عیب کا تذکرہ کرے جو اس میں ہو تو یہ غیبت ہے، اور اگر وہ عیب اس میں نہ ہو تو یہ بہتان ہے۔

اس سے جہاں غیبت کی سنگینی واضح ہوتی ہے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اصلاً غیبت سنی ہی نہ جائے، اور اگر کسی مجلس میں غیبت سننی پڑ جائے تو فوراً اس شخص کی مدافعت اور تعریف کی جائے جس کی مذمت بیان ہو رہی ہے، ایسا کرنا اس کی مدد ہے جس پر دنیا و آخرت میں بہترین بدلہ ملتا ہے۔

(۱۱) حضرت عمرؓ کا قول ہے:

فِيْ الْحَقِّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ لا يَقْبَلَ عُذْرَ مُغْتَابٍ وَإِنْ قَالَ حَقًّا، وَلا يُسَاعِدَهُ وَإِنْ قَصَدَ بِغِيْبَتِهِ صِدْقًا، لِأَنَّ الْمُغْتَابَ الصَّادِقَ قَدْ أَظْهَرَ قُبْحًا كَانَ مَسْتُوراً، وَهَتَكَ سِتْرًا كَانَ مَسْدُولاً، وَفَضَحَ سِرًّا مُكْتَمًا، وَأَحَلَّ أَمْرًا مُحَرَّماً، فَمَا رَاعَى ذِمَّةً وَلا حَافَظَ حُرْمَةً. (دليل السائلين: انس اسماعيل ابوداؤد: ٤٨١)

ہر مسلمان کے ذمہ لازم ہے کہ وہ کسی بھی غیبت کرنے والے کا عذر قبول نہ کرے، اگرچہ غیبت کرنے والا حق گو ہو، اور کبھی اس کی مدد نہ کرے اگرچہ غیبت سے اس کا ارادہ سچائی ہو، اس لئے کہ غیبت کرنے والا سچا بھی ہو تو وہ چھپی ہوئی برائی ظاہر کر دیتا ہے، لٹکے ہوئے پردے کو چاک کر دیتا ہے، مخفی راز آشکارا کر دیتا ہے اور حرام کو حلال کر دیتا ہے، پھر وہ نہ کسی کی عزت کا لحاظ رکھتا ہے اور نہ کسی کی حرمت کا پاس۔

(۱۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ سے منقول ہے:

اَلْحَدَثُ حَدَثَانِ: حَدَثٌ مِنْ فَمِکَ، وَحَدَثٌ مِنْ نَوْمِکَ، وَحَدَثُ الْفَمِ أَشَدُّ: اَلْكِذْبُ وَالْغِيْبَةُ. (ایضاً ۵۷۵/۷)

وضو کو توڑنے والی چیزیں دو طرح کی ہیں: ایک وہ جو منہ سے نکلے یعنی غیبت، ایک نیند جس میں عام طور پر ریح خارج ہو جاتی ہے، منہ سے نکلنے والی چیز زیادہ خطرناک ہے، اور وہ جھوٹ اور غیبت ہے۔

(۱۳) حضرت ابراہیم نخعیؒ نے اس مضمون کو یوں بیان کیا ہے:

اَلْوُضُوْءُ مِنَ الْحَدَثِ وَأَذَى الْمُسْلِمِ. (ایضاً)

وضو کا اعادہ دو چیزوں سے ہوتا ہے: (۱) حدث، (۲) مسلمان کو اذیت پہونچانا۔

ان آثار کی بنیاد پر علماء فرماتے ہیں کہ غیبت کی وجہ سے وضو میں نقص پیدا ہو جاتا ہے اور غیبت کرنے والے کے لئے بہتر ہے کہ وہ از سر نو وضو کرے۔

(۱۴) امام غزالیؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت عطاء بن رباحؒ نے غیبت کرنے والوں کو تاکید فرمائی کہ وہ اپنا وضو بھی دہرائیں اور نماز بھی، اور روزہ بھی قضا کریں۔ (احیاء العلوم: ۲۹۱/۳)

اس سے غیبت کی شناعت اور قباحت واضح ہوتی ہے۔

(۱۵) صحیحین میں موجود ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت کعب بن مالکؓ کے نہ پہنچنے پر آپ ﷺ نے صحابہ سے دریافت کیا تو بنو سلمہ کے ایک شخص نے ان کے بارے میں بدگمانی اور غیبت کرتے ہوئے کہا کہ وہ عیش و عشرت میں مست ہیں، کیسے آتے؟ حضرت معاذؓ نے فوراً حضرت کعبؓ کا دفاع کرتے ہوئے غیبت کرنے والے سے کہا:

بِئْسَ مَا قُلْتَ. (تم نے بہت بری بات کہی ہے۔)

پھر آپ ﷺ سے عرض کیا:

وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ إِلَّا خَيْرًا.

خدا کی قسم! ہم کعب کے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہیں جانتے۔

(بخاری: المغازی: باب حدیث کعب بن مالک ؓ: ۴۴۱۸)

(۱۶) منقول ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مجلس میں ایک شخص کے بخل اور بد خلقی کا ذکر ہوا، تو آپ نے برائی کرنے والوں کو انتہائی مؤثر انداز میں غیبت سے منع کرتے ہوئے سمجھایا اور فرمایا:

”کیا تم کسی کا سر کاٹ کر جوڑ سکتے ہو؟ کیا تم پیر کاٹ کر جوڑ سکتے ہو؟ ظاہر ہے کہ نہیں جوڑ سکتے؟ تو جب تم کسی کی خِلقی چیزوں میں ردوبدل نہیں کر سکتے تو اس کے اخلاق وعادات میں کیسے تبدیلی کر سکتے ہو؟ اخلاق وعادات فطرت بن جاتے ہیں، ان میں تبدیلی محال ہے، اس لئے غیبت کر کے اپنے کو گنہگار بنانا بے سود ہے، البتہ خیر خواہی کے ساتھ مثبت اور مؤثر پیرائے میں نصیحت کی جائے تو بہتر ہے“۔ (الغیبۃ: عبدالملک قاسم: ۲۳)

(۱۷) حضرت کعبؓ فرماتے ہیں:

اَلْغِيْبَةُ تُحْبِطُ الْعَمَلَ. (موسوعۃ ابن ابی الدنیا: (۱/۲۵۳)

غیبت نیک عمل کو برباد اور اکارت کر دیتی ہے۔

یہ غیبت کی بہت بڑی نحوست ہے کہ اس کا زہر نیکیوں کو مٹا دیتا ہے اور برباد کر ڈالتا ہے، اس کا احساس دنیا میں نہیں ہوتا مگر آخرت میں یہ حقیقت سامنے آئے گی اور انسان کے پاس کفِ افسوس ملنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا۔

(۱۸) منقول ہے کہ کسی موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ میں کچھ سخت کلامی ہوگئی، اس موقع پر کوئی بدخواہ شخص حضرت سعدؓ کے پاس آیا اور اس نے حضرت خالدؓ کے بارے میں غلط باتیں کہنی شروع کر دیں، حضرت سعدؓ نے اسے ڈانٹ دیا

اور فرمایا کہ اگر چہ میرا ان سے اختلاف ہوا ہے اور سخت کلامی بھی ہوئی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں غیبت کے گناہ میں مبتلا ہوجاؤں اور اپنے دین کو داؤں پر لگا دوں۔ (عیون الاخبار للد ینوری:۲/۱۶)

(۱۹) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:

''مسلمانوں کے لئے رمضان سے بہتر کوئی مہینہ نہیں ہوتا، اور منافقوں کے لئے رمضان سے بدتر کوئی مہینہ نہیں ہوتا، مسلمان اس ماہ میں اللہ کی عبادت میں ساری توانائی خرچ کرتا ہے، اور منافق اہل ایمان کی غیبت اور ان کے مخفی عیوب کی تلاش میں ساری طاقت خرچ کرتا ہے، اس لئے یہ مہینہ مسلمان کے لئے نعمت اور منافق کے لئے وبال ہوتا ہے''۔

(کنز العمال: الصوم: ۸/ ۲۱۵: ۲۳۶۶۰)

(۲۰) حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

ذِکْرُ الْغَیْرِ ثَلاثَةٌ: اَلْغِیْبَةُ، وَالْبُهْتَانُ، وَالاِفْکُ، وَ کُلٌّ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، فَالْغِیْبَةُ أَنْ تَقُوْلَ مَا فِیْهِ، وَالْبُهْتَانُ أَنْ تَقُوْلَ مَا لَیْسَ فِیْهِ، وَالإِفْکُ أَنْ تَقُوْلَ مَابَلَغَکَ. (نضرة النعيم: ٥١٧٦/١١)

دوسرے کا تذکرہ تین طرح سے ہوتا ہے: (۱) غیبت، (۲) بہتان، (۳) افک، قرآن مجید میں ان تینوں کا ذکر ہے، غیبت دوسرے کے عیب کو بیان کرنا ہے، بہتان دوسرے کے بارے میں وہ کہنا ہے جو اس میں نہ ہو، اور افک ہر سنی سنائی بات کو بلا تحقیق نقل کرنا ہے۔

(۲۱) حضرت حسنؒ کا ارشاد ہے:

وَاللّٰهِ لَلْغِیْبَةُ اَسْرَعُ فِیْ دِیْنِ الرَّجُلِ مِنَ الأَکِلَةِ فِیْ الْجَسَدِ. (ایضاً)

خدا کی قسم! غیبت ایک مؤمن کے دین کو جسم کی خطرناک بیماری کی بہ نسبت زیادہ تیزی سے نقصان پہونچاتی ہے۔

جسمانی امراض جسم کو نقصان دیتے ہیں جب کہ غیبت انسان کے دین، روح اور کردار کو نقصان پہنچاتی ہے۔

(۲۲) حضرت حسنؒ نے فرمایا:

إِذَا رَأَيْتَ الرَّجُلَ يَشْتَغِلُ بِعُيُوبِ غَيْرِهِ، وَيَتْرُكُ عُيُوبَ نَفْسِهِ، فَاعْلَمْ أَنَّهُ قَدْ مُكِرَ بِهِ. (موسوعة ابن ابی الدنیا: ۱/ ۱۴۰)

اگر تم کسی شخص کو اپنے عیوب کے بجائے دوسروں کے عیوب تلاش کرتا ہوا دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ فتنے میں مبتلا ہے۔

اس فرمان کا پیغام یہی ہے کہ دوسروں کی عیب جوئی اور غیبت کے بجائے اپنی اصلاح کی فکر ہونی چاہیے۔

(۲۳) امام محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں:

إِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ خَطَايَا أَكْثَرُهُمْ ذِكْرًا لِخَطَايَا النَّاسِ. (المجالسة وجواهر العلم للدينوری: ۶/ ۸۶)

بلاشبہ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ گنہگار وہ ہے جو دوسروں کے گناہوں اور عیبوں کو سب سے زیادہ بیان کرتا ہو۔

(۲۴) امام محمد بن سیرینؒ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کا کہیں سے گزر ہوا، ایک شخص اٹھ کر ان کے پاس آیا اور بولا:

إِنَّا قَدْ نِلْنَا مِنْكَ فَحَلِّلْنَا.

ہم نے آپ کی غیبت کی ہے، آپ ہمیں معاف کر دیجیے۔

امام محمد بن سیرینؒ بولے:

إِنِّي لَا أُحِلُّ لَكَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْكَ، فَأَمَّا مَا كَانَ إِلَيَّ فَهُوَ لَكُمْ. (ایضاً: ۳/ ۵۴)

میں تمہارے لئے اس غیبت کو حلال نہیں کرسکتا جو اللہ نے تم پر حرام کردی ہے، جہاں تک میرا معاملہ ہے میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔

(۲۵) امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عباسؓ نے اپنے فرزند حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو نصیحت فرمائی:

یَا بُنَیَّ! أَرَیٰ أَمِیرَ الْمُؤمِنِینَ یُدْنِیکَ، فَاحْفَظْ مِنِّی خِصَالاً: لایَسْمَعَنَّ مِنکَ کَذِبًا، وَلا تَغْتَابَنَّ عِنْدَہُ أَحداً. (نضرۃ النعیم: ۵۱۷۶/۱۱)

اے میرے بیٹے! میں دیکھتا ہوں کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ تم کو قریب رکھتے ہیں، تم چند باتیں اچھی طرح یاد رکھنا: (۱) وہ تمہاری زبان سے ہرگز کبھی کوئی جھوٹی بات نہ سنیں، (۲) تم ان کے سامنے ہرگز کبھی کسی کی غیبت مت کرنا۔

بعض روایات میں یہ اضافہ ہے:

وَلا تُفْشِیَنَّ لَهُ سِرًّا.

ان کا کوئی راز کبھی فاش مت کرنا۔

حضرت شعبیؒ نے یہ سن کر حضرت ابن عباسؓ سے عرض کیا:

کُلُّ وَاحِدَةٍ خَیْرٌ مِنْ اَلْفٍ.

ہر نصیحت ہزار درہم سے بہتر ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:

کُلُّ وَاحِدَةٍ خَیْرٌ مِنْ عَشَرَةِ آلافٍ.

ہر نصیحت دسیوں ہزار سے بڑھ کر ہے۔ (حلیۃ الاولیاء: ۳۱۸/۱)

(۲۶) حضرت حسنؒ سے منقول ہے کہ کسی نے ان کی غیبت کی، انہیں علم ہوا تو فوراً کھجوروں سے بھرا طبق اس شخص کی خدمت میں بھیجا اور فرمایا:

بَلَغَنِی أَنَّکَ أَهْدَیْتَ إِلَیَّ حَسَنَاتِکَ فَأَرَدْتُ أَنْ أُکَافِئَکَ عَلَیْهَا، فَاعْذُرْنِیْ، فَإِنِّیْ لا أَقْدِرُ أَنْ أُکَافِئَکَ عَلَیٰ التَّمَامِ. (ایضاً)

مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ نے میری غیبت کر کے اپنی کچھ نیکیاں مجھے ہدیے میں عنایت کی ہیں، اس کا معاوضہ ارسال کر رہا ہوں، معاف کیجئے: آپ نے جتنی نیکیاں مجھے دی ہیں میں ان سب کا معاوضہ ادا نہیں کر سکتا۔

معلوم ہوا کہ غیبت کا عمل انسان کو اپنی نیکیوں سے محروم کر دیتا ہے اور اس کی نیکیاں اس شخص کو منتقل ہو جاتی ہیں جس کی غیبت کی گئی ہے۔

(۲۷) حضرت معاویہؓ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کا ایک مخالف تھا اور وہ حضرت کی برائیاں کرتا رہتا تھا، اور حضرت کو اس کی باتیں پہنچتی رہتی تھیں، حضرت نے یہ کام شروع کیا کہ روزانہ ایک طشتری میں اشرفیاں رکھ کر اس کو کپڑے سے ڈھک کر اس کی طرف بھیج دیتے تھے، وہ حضرت کی طرف سے مخالفانہ باتیں کرتا، اور حضرت اس کے ساتھ یہ سلوک کرتے، جب دو چار مرتبہ اس طرح ہوا تو اس کو شرم آنے لگی کہ میں روزانہ حضرت کے خلاف برائیاں کرتا ہوں اور وہ جواب میں مجھ کو ہدیہ پیش فرماتے ہیں، اس کو بڑی شرم آئی اور اس نے آہستہ آہستہ اپنا طرز عمل بدل ڈالا، ایک دن ایسا بھی آیا کہ اس نے حضرت کی مخالفت چھوڑ دی، تو حضرت نے طشتری بھیجنا بھی چھوڑ دی، جب طشتری آنا بند ہوگئی تو اس کو بڑا تعجب ہوا کہ جب میں حضرت کی شان میں گستاخی کرتا تھا تو ہدیہ طشتری میں رکھ کر میرے پاس آتا تھا، اب جب کہ میں نے ان سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے تو ہدیہ آنا بھی بند ہو گیا، اس نے کہلا بھیجا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ حضرت فرمایا کہ وہ تو احسان کا بدلہ احسان تھا، اور وہ اس طرح کہ تم میری برائیاں کر کے اپنی نیکیاں پارسل کر دیتے تھے، تو بھئی! نیکیاں تو آخرت کا سکہ ہیں اور دنیا کا سکہ آخرت کے سکوں کی برابری نہیں کر سکتا، اس لئے مجھے شرم آتی تھی کہ تم آخرت کی نیکیاں مجھ تک بھیج رہے ہو، تو پھر میں نے سوچا کہ تمہیں دنیا کی کرنسی بھیجوں اس لئے میں نے دنیا کی

اشرفیاں تم تک بھیجنا شروع کر دیں، تم مجھے اپنی نیکیاں پارسل کر رہے تھے، تو میں نے اس کے بدلے میں حقیر سا نذرانہ تمہیں بھیجنا شروع کر دیا اور جب تم نے اپنی نیکیاں مجھے دینا چھوڑ دیں تو میں نے بھی بدلہ دینا چھوڑ دیا۔

اسی طرح کسی نے حضرت سے پوچھا کہ آپ کبھی کسی کی برائی نہیں کرتے، نہ ہی کسی کی غیبت کرتے ہیں تو انہوں نے کہا: میں کیوں کروں، اگر کروں گا بھی تو اپنی ماں کی کروں گا، تو سننے والے نے کہا: یہ بھلا کیا بات ہے، اگر کرنی ہے تو کسی اور کی کریں، ماں کی ہی کیوں کریں گے، تو انہوں نے جواب دیا: کہ اصل بات یہ ہے کہ جو آدمی غیبت کرتا ہے تو غیبت کرنے والے کی نیکیاں اس کو دی جاتی ہیں جس کی وہ غیبت کرتا ہے اور اگر میں غیبت کروں گا تو خدا نخواستہ اپنی ماں ہی کی کروں گا، تاکہ بیٹے کی نیکیاں ماں ہی کے پاس رہیں، گھر کی نیکیاں گھر میں رہیں باہر نہ جائیں یہ تو آخرت کی دولت ہے اول تو کروں گا ہی نہیں اگر کروں گا بھی تو اس صورت میں کہ گھر میں ہی رہیں۔ (اصلاحی بیانات: مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی: ۷/ ۳۸-۴۰)

(۲۸) حضرت عبداللہ بن المبارکؒ نے فرمایا:

لَوْ كُنْتُ مُغْتَاباً أَحداً لَاغْتَبْتُ وَالِدَيَّ، لأَنَّهُمَا أَحَقُّ بِحَسَنَاتِي.

(شرح ابن بطال للبخاری:۹/۲۴۵)

اگر مجھے کسی کی غیبت کرنی ہوتی تو میں اپنے والدین کی غیبت کرتا، اس لئے کہ میری نیکیوں کے سب سے زیادہ حقدار میرے والدین ہی ہیں۔

اسی طرح کا قول حضرت ابن سماکؒ سے بھی منقول ہے۔ (قناطر الخیرات: ۳/ ۱۴۹)

(۲۹) حضرت ربعیؒ نامی تابعی اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایک مجلس میں پہنچا، میں نے دیکھا کہ لوگ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے ہیں، میں بھی اس مجلس میں بیٹھ گیا، اب باتیں کرنے کے دوران کسی آدمی کی غیبت شروع ہوگئی، مجھے یہ بات بری لگی کہ ہم یہاں مجلس میں بیٹھ کر کسی کی غیبت کریں، چنانچہ میں اس مجلس سے اٹھ کر چلا گیا، تھوڑی دیر کے بعد خیال آیا

کہ اب اس مجلس میں غیبت کا موضوع ختم ہو گیا ہوگا، اس لئے میں دوبارہ اس مجلس میں جا کران کے ساتھ بیٹھ گیا، اب تھوڑی دیر اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں، لیکن تھوڑی دیر کے بعد پھر غیبت شروع ہوگئی، لیکن اب میری ہمت کمزور پڑ گئی، اور میں اس مجلس سے نہ اٹھ سکا، اور جو غیبت وہ لوگ کر رہے تھے پہلے تو اس کو سنتا رہا، اور پھر میں نے خود بھی غیبت کے ایک دو جملے کہہ دیئے، جب اس مجلس سے اٹھ کر گھر واپس آیا اور رات کو سویا تو خواب میں ایک انتہائی سیاہ فام آدمی کو دیکھا جو ایک بڑے سے طشت میں میرے پاس گوشت لے کر آیا جب میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ خنزیر کا گوشت ہے، اور وہ سیاہ فام مجھ سے کہہ رہا ہے کہ یہ خنزیر کا گوشت کھاؤ، میں نے کہا کہ میں مسلمان آدمی ہوں، خنزیر کا گوشت کیسے کھاؤں؟ اس نے کہا کہ نہیں، یہ تمہیں کھانا پڑے گا، اور پھر زبردستی اس نے گوشت کے ٹکرے اٹھا کر میرے منہ میں ٹھونسنے شروع کر دیئے، اب میں منع کرتا جا رہا ہوں، وہ ٹھونستا جا رہا ہے، یہاں تک کہ مجھے متلی اور قے آنے لگی، مگر وہ ٹھونستا جا رہا ہے، پھر اسی شدید اذیت کی حالت میں میری آنکھ کھل گئی، جب بیدار ہونے کے بعد میں نے کھانے کے وقت کھانا کھایا تو خواب میں جو خنزیر کے گوشت کا بدبودار اور خراب ذائقہ تھا، وہ ذائقہ مجھے اپنے کھانے میں محسوس ہوا، اور تیس دن تک میرا یہ حال رہا کہ جس وقت بھی کھانا کھاتا، تو ہر کھانے میں اس خنزیر کے گوشت کا بدترین ذائقہ میرے کھانے میں شامل ہو جاتا، اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ نے اس پر متنبہ فرمایا کہ ذرا سی دیر جو میں نے مجلس میں غیبت کر لی تھی، اس کا برا ذائقہ میں تیس دن تک محسوس کرتا رہا۔ (اصلاحی خطبات: ۴/۷۸-۷۹)

(۳۰) حضرت معروف کرخیؒ کی مجلس میں کوئی غیبت کرتا تھا تو وہ فرماتے تھے:

یَا هٰذَا: اُذْکُرِ الْکَفَنَ وَالْقُطْنَ وَالْحَنُوْطَ إِذَا وُضِعَنَ عَلَیْکَ. (حلیة الاولیاء: ۱/۳۱۸)

بھائی! اس وقت کو یاد کرو جب کفن پہنایا جائے گا، روئی سے ناک بند کی جائے گی اور کافور ملا جائے گا، (یعنی غیبت کا عذاب قبر و آخرت میں ہوگا، اس

کا استحضار ہو جائے تو اس کی نوبت ہی نہ آئے)۔

(۳۱) حضرت زین العابدین علی بن الحسینؒ نے کسی شخص کو غیبت کرتے ہوئے سنا تو فرمایا:

إِيَّاکَ وَالْغِيبَةَ فَإِنَّهَا إِدَامُ كِلاَبِ النَّاسِ. (احیاء العلوم:۳/۲۹۲)

تم غیبت سے بچو، اس لئے کہ غیبت ان لوگوں کا سالن ہے جو کتے ہیں۔

غور کیا جائے کہ غیبت کرنے والوں کو کتوں سے تشبیہ دی جارہی ہے، قرآن وحدیث میں غیبت کو مردار کا گوشت کھانے جیسا بتایا گیا ہے، اور مردار کا گوشت کھانا کتوں کی خصلت ہے۔

(۳۲) حضرت حسن بصریؒ کے بارے میں آتا ہے کہ کسی فتنہ پرداز نے ان کو خطاب کر کے یہ کہا تھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ میری غیبت کرتے ہیں، حضرت حسن نے فرمایا:

مَا بَلَغَ قَدْرُکَ عِنْدِیْ أَنْ أُحَكِّمَکَ فِیْ حَسَنَاتِیْ. (الاذکار النوویة:۳۴۰)

ابھی میری نگاہ میں تمہاری قیمت اتنی زیادہ نہیں ہوئی ہے کہ میں اپنی نیکیوں کے بارے میں تمہیں فیصل بناؤں (یعنی تمہاری غیبت کر کے اپنی نیکیاں تمہارے حوالے کر دوں)۔

(۳۳) حضرت ابو اللیث بخاریؒ کے بارے میں مذکور ہے کہ ایک سال حج کے سفر پر تشریف لے گئے، انہوں نے اپنی جیب میں دو درہم اس ارادے سے رکھے کہ اگر دوران سفر مجھ سے کسی غیبت ہوگی تو یہ دو درہم راہِ خدا میں دے دوں گا، حج سے واپس آئے تو وہ دو درہم جیب میں ویسے ہی رکھے تھے، متعلقین نے دریافت کیا تو فرمایا: میں نے دوران سفر کسی کی غیبت نہیں کی، میں سو بار زنا کے مقابلے میں ایک بار غیبت کرنے کو زیادہ خطرناک سمجھتا ہوں۔ (الغیبۃ: عبدالملک قاسم:۲۱)

(۳۴) حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ:

''ایک بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کے ساتھ نکلے، ایک کتے کی لاش سے گذر ہوا، حواریوں نے کہا: اس لاش سے کتنی زیادہ بدبو آرہی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اس کے دانت تو دیکھو کتنے سفید ہیں''۔ (احیاء العلوم: ۲۹۲/۳)

اس طرح آپ نے انہیں کتے تک کی غیبت کرنے سے روک دیا اور سبق دے دیا کہ اللہ کی مخلوقات میں جس کا بھی ذکر ہو، اچھائی کے ساتھ ہو۔

(۳۵) حضرت ابوعمران فرماتے ہیں:

اَلْغِیْبَۃُ فاکِھَۃُ الْقُرَّاءِ، وضِیَافَۃُ الْفُسَّاقِ وَمَرَاتِعُ النِّسَاءِ وَ إِدَامُ کِلَابِ النَّاسِ وَ مَزَابِلُ الاتْقِیَاءِ.

غیبت علماء وقراء کا چٹخارہ، فاسقوں کی ضیافت اور عورتوں کی چراہ گاہ اور سگ صفت لوگوں کی خوراک اور نیک لوگوں کا کوڑے دان ہے۔ (دلیل السائلین: انس اسماعیل ابوداؤد: ۴۸۱)

یعنی علماء وقراء میں غیبت کا چلن خوب رہتا ہے، اور اس میں انہیں لذت ملتی ہے اور غیبت کرنے والے فاسق و فاجر ہوتے ہیں، اور فساق کے دسترخوانوں اور مجلسوں میں غیبت خوب ہوتی ہے، اور خواتین کا بھی بے حد پسندیدہ مشغلہ یہی ہے، جہاں بھی جمع ہوتی ہیں یہی کرتی ہیں، جب کہ اللہ کے نیک بندے جس طرح کوڑے اور گندگی سے اپنے کو صاف رکھتے ہیں غیبت سے بھی خوب بچتے ہیں۔

(۳۶) حضرت یعلی بن عبیدؒ فرماتے ہیں:

''ہم حضرت سفیان ثوریؒ کی مجلس میں تھے، ابوعبداللہ سلال نامی ایک شخص آیا، اس نے حضرت سفیان سے کہا: بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اللہ کو بہت زیادہ گوشت کھانے والے ناپسند ہیں، اس کا کیا مطلب ہے؟ اس پر حضرت سفیان بولے: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو غیبت کر کے انسانوں کا گوشت خوب کھاتے ہیں''۔ (المجالسۃ وجواہر الحکم للدینوری: ۵۴/۳)

(۳۷) منقول ہے کہ حضرت ابن الکواء نے حضرت ربیع بن خثیم سے کہا: کیا بات ہے، نہ آپ کسی کی غیبت کرتے ہیں اور نہ طعنہ زنی کرتے ہیں؟ حضرت ربیع نے فرمایا:

وَيْلَكَ يَا ابْنَ الْكِوَاءِ: مَا أَنَا عَنْ نَفْسِي بِرَاضٍ، فَأَتَفَرَّغُ مِنْ ذَنْبِي إِلَى حَدِيثِ النَّاسِ، إِنَّ النَّاسَ خَافُوا اللّٰهَ عَلَى ذُنُوبِ النَّاسِ وَأَمِنُوهُ عَلَى نُفُوسِهِمْ.

اے ابن الکواء: عجیب بات ہے، مجھے اپنے نفس پر کچھ اطمینان نہیں ہے کہ میں اپنے گناہوں کی فکر چھوڑ کر دوسروں کی باتوں میں لگ جاؤں، لوگوں کا حال تو یہ ہو گیا ہے کہ وہ دوسروں کے گناہوں پر اللہ سے ڈر رہے ہیں اور اپنے گناہوں کے سلسلہ میں اللہ سے بے خوف ہو چکے ہیں۔ (بغیۃ الطلب لابن العدیم: ۳۵۸۴/۸)

(۳۸) ایک عرب محقق عالم نے لکھا ہے:

أَصْلُ الْغِيبَةِ أَنَّهَا تَتَنَوَّعُ لِعَشَرَةِ أَنْوَاعٍ: شِفَاءُ غَيْظٍ، وَمُسَاعَدَةُ قَوْمٍ، وَتُهْمَةٌ، وَتَصْدِيقُ خَبَرٍ بِلَا كَشْفَةٍ، وَسُوءُ ظَنٍّ، وَحَسَدٌ، وَسُخْرِيَةٌ، وَتَعَجُّبٌ، وَتَبَرُّمٌ، وَتَزَيُّنٌ، فَإِذَا أَرَدْتَ السَّلَامَةَ فَاذْكُرِ الْخَالِقَ لَا الْمَخْلُوقَ، فَيَصِيرُ لَكَ مَكَانَ الْغِيبَةِ عِبْرَةً، وَمَكَانَ الْإِثْمِ ثَوَابًا. (دليل السائلين: انس اسماعيل ابوداؤد: ٤٨١)

غیبت کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے پیچھے دس جذبات ہوتے ہیں، اس طرح اس کی دس قسمیں ہو سکتی ہیں: (۱) غصہ کی آگ بجھانا، (۲) کسی قوم کی مدد، (۳) تہمت، (۴) بلاتحقیق کسی خبر کی تصدیق، (۵) بدگمانی، (۶) حسد، (۷) استہزاء، (۸) تعجب، (۹) دوسرے کے کمالات کو دیکھ کر تنگ ظرفی کا شکار ہونا، (۱۰) دوسرے کی برائی کی آڑ میں اپنے کو بہتر اور اچھا بنا کر پیش کرنا۔

اگر تم اس سے سلامتی چاہتے ہو تو ہمیشہ خالق کا ذکر کیا کرو، مخلوق کا تذکرہ مت کیا کرو، خالق کا تذکرہ کرنے میں غیبت کے ارتکاب کے بجائے نصیحت وعبرت کا فائدہ حاصل ہوگا اور گناہ کی جگہ اجر ملے گا۔

(۳۹) حضرت ابو عاصمؒ فرماتے ہیں:

مَا اغْتَبْتُ أَحَداً مُنْذُ عَلِمْتُ أَنَّ الْغِيبَةَ تَضُرُّ بِأَهْلِهَا. (تاريخ دمشق لابن عساكر: ٣٦٣/٢٤)

جب سے مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ غیبت نقصان پہونچاتی ہے، تب سے میں نے کسی کی غیبت نہیں کی ہے۔

(۴۰) امام اصمعیؒ فرماتے ہیں کہ: حضرت قتیبہ بن مسلمؒ کے سامنے کسی نے کسی کی غیبت کی، حضرت قتیبہ نے غیبت کرنے والے سے کہا:

أَمْسِكْ أَيُّهَا الرَّجُلُ: فَوَ اللهِ لَقَدْ تَلَمَّظْتَ بِمُضْغَةٍ طَالَمَا لَفَظَهَا الْكِرَامُ.

غیبت سے رک جاؤ، خدا کی قسم تم حرام گوشت کا ایسا لوتھڑا مزے لے کر کھا رہے ہو جسے ہر شریف آدمی پھینک دیتا ہے۔ (المجالسۃ للدینوری: ۳۰۵/۵)

(۴۱) حضرت وہبؒ فرماتے ہیں:

''میں نے طے کیا تھا کہ اگر کسی کی غیبت کروں گا تو روزہ رکھوں گا، لیکن پھر بھی غیبت سے نہ بچ سکا، تو دوبارہ یہ طے کیا کہ جب بھی کسی کی غیبت کروں گا ایک درہم صدقہ کروں گا، نتیجہ یہ ہوا کہ غیبت چھوٹ گئی''۔ (الغیبۃ: د/عبدالملک قاسم: ۳۶)

(۴۲) حضرت فضیل بن عیاضؒ سے کسی شخص نے کہا کہ کچھ نصیحت فرمائیے، آپ نے فرمایا: میں تم کو پانچ چیزوں کی نصیحت کرتا ہوں، (۱) جو بھی مصیبت آئے، دنیوی ہو یا دینی،

اس میں اللہ کی تقدیر اور فیصلے پر کامل ایمان رکھو اور اچھی طرح سمجھ لو کہ جو کچھ بھی ہوتا ہے تقدیر کے مطابق ہوتا ہے، لہٰذا کسی کو ملامت مت کرو، (۲) اپنی زبان کی حفاظت کرو، کسی کی غیبت مت کرو تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رہو، (۳) رزق کے بارے میں اللہ نے جو وعدہ فرمایا ہے اسے سو فیصد سچ سمجھو اور حرام مال جمع کرنے سے مکمل پرہیز رکھو، (۴) ہر وقت مرنے کی تیاری رکھو تاکہ موت غفلت کی حالت میں نہ آئے، (۵) بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو، برائیوں سے بچنے کے لئے یہ سب سے مضبوط قلعہ ہے۔ (الغیبۃ :عبدالملک القاسم:۳۸)

(۴۳) امام سفیان بن عیینہؒ فرماتے تھے:

اَلْغِیْبَۃُ أَشَدُّ مِنَ الدَّیْنِ، اَلدَّیْنُ یُقْضَیٰ وَالْغِیْبَۃُ لَا تُقْضَیٰ.

غیبت قرض سے زیادہ سخت اور نقصان دہ ہے، کیونکہ قرض کی ادائیگی کی جاسکتی ہے، لیکن غیبت کی قضا نہیں دی جاسکتی۔ (حلیۃ الاولیاء:۷/۲۷۵)

(۴۴) حضرت احنف بن قیسؒ فرماتے ہیں:

مَا ذَکَرْتُ أَحَدًا بِسُوْءٍ بَعْدَ أَنْ یَقُوْمَ مِنْ عِنْدِیْ. (حیاۃ السلف للطیار: ٤٠٥)

میں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے کسی بھی شخص کے اٹھ جانے اور چلے جانے کے بعد کبھی اس کا برائی کے ساتھ تذکرہ نہیں کیا۔

(۴۵) حضرت عون بن عبداللہؒ فرماتے ہیں:

مَا أَحْسَبُ أَحَدًا تَفَرَّغَ لِعَیْبِ النَّاسِ إِلَّا مِنْ غَفْلَۃٍ غَفَلَھَا عَنْ نَفْسِہٖ. (صفۃ الصفوۃ: ٣/٧٠)

میں سمجھتا ہوں کہ جو آدمی بھی لوگوں کی عیب جوئی کے لئے فارغ ہوتا ہے وہ اپنی ذات سے غفلت کا شکار ہوجاتا ہے۔

(۴۶) حضرت حزمؒ فرماتے ہیں:

كَانَ مَيْمُونُ بْنُ سِيَاهٍ لا يَغْتَابُ، وَلا يَدَعُ أَحداً يَغْتَابُ عِنْدَهُ، يَنْهَاهُ فَإِنِ انْتَهَىٰ وَإِلَّا قَامَ عَنْهُ. (حياة السلف: ٦٠٨)

حضرت میمون بن سیاہ خود کسی کی غیبت نہیں کرتے تھے، اور اپنے پاس کسی غیبت کرنے والے کو ٹھہرنے نہیں دیتے تھے، بلکہ اسے منع کرتے تھے، وہ مان جائے تو ٹھیک ورنہ خود وہاں سے اٹھ کر چلے جاتے تھے۔

(۴۷) حضرت سعید بن جبیرؓ کے بارے میں بھی یہی منقول ہے کہ:

كَانَ لَا يَدَعُ أَحداً يَغْتَابُ عِنْدَهُ. (ايضاً)

وہ اپنے پاس کسی ایسے آدمی کو رکنے نہیں دیتے تھے جو دوسرے کی غیبت کرے۔

(۴۸) امام محمد بن سیرینؒ کا معمول یہ تھا کہ اگر ان کے سامنے کسی کا برا ذکر ہوتا تھا تو وہ فوراً اس کا ذکر خیر شروع کر دیتے تھے اور فرماتے تھے:

ظُلْمٌ لِأَخِيكَ أَنْ تَذْكُرَ مِنْهُ أَسْوَءَ مَا تَعْلَمُ وَتَكْتُمَ خَيْرَهُ.

(صفة الصفوة: ١٧٣/٣)

تمہارا اپنے بھائی پر ظلم ہے کہ تم اس کا تذکرہ اُن برائیوں سے کرو جو تمہارے علم میں ہیں اور اس کی بھلائیوں کا ذکر چھوڑ دو۔

(۴۹) حضرت بکر مزنیؒ کا قول ہے:

إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ مُوَكَّلاً بِعُيُوبِ النَّاسِ نَاسِيًا لِعَيْبِهِ فَاعْلَمُوا أَنَّهُ قَدْ مُكِرَبِهِ. (صفة الصفوة: ٢٠١/٣)

جب تم کسی آدمی کو دیکھو کہ وہ دوسروں کے عیوب کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور اپنا عیب فراموش کئے ہوئے ہے تو جان لو کہ وہ فریب خوردہ ہے۔

(۵۰) حضرت یحییٰ رازیؒ فرماتے ہیں:

لِیَکُنْ أَقَلَّ حَظِّ الْمُؤْمِنِ مِنْکَ ثَلاثٌ: إِنْ لَمْ تَنْفَعْهُ فَلا تَضُرَّهُ، وَإِنْ لَمْ تُفْرِحْهُ فَلا تَغُمَّهُ، وَإِنْ لَمْ تَمْدَحْهُ فَلا تَذُمَّهُ. (جامع العلوم والحكم لابن رجب: ٣٩٤)

تمہارے ذریعے مسلمان کو کم سے کم تین فائدے پہونچنے چاہئیں، اگر تم کسی کو نفع نہیں پہونچا سکتے تو اسے نقصان بھی نہ پہونچاؤ، اور اگر تم اسے خوشی نہیں دے سکتے تو غم بھی نہ دو، اور اگر تم اس کی ستائش نہیں کر سکتے تو اس کی مذمت بھی نہ کرو۔

(۵۱) حضرت اشہب بن عبد العزیز کو معلوم ہوا کہ ایک شخص ان کی خوب غیبت کرتا ہے، انہوں نے اس کے نام خط لکھا:

فَإِنَّهُ لَمْ یَمْنَعْنِی أَنْ أَکْتُبَ إِلَیْکَ أَنْ تَتَزَایَدَ مِمَّا أَنْتَ فِیْهِ إِلَّا کَرَاهِیَةُ أَنْ أُعِیْنَکَ عَلَى مَعْصِیَةِ اللّٰهِ، وَاعْلَمْ أَنِّی أَرْتَعُ فِی حَسَنَاتِکَ کَمَا تَرْعَى الشَّاةُ الْخُضَرَ. (الغيبة: د/عبد الملك قاسم: ٣٦)

دل تو یہ چاہتا ہے کہ میری غیبت کے جس کام میں آپ لگے ہیں مزید لگے رہیں مگر ایسا کرنے پر اگر میں آپ کو آمادہ کروں تو معصیت میں مدد کرنا لازم آئے گا، آپ سمجھ لیجئے کہ میں آپ کی نیکیوں سے خوب مزے لوٹ رہا ہوں جیسے بکری سبزے سے خوب نفع اٹھاتی ہے (آپ میری غیبت کر کے اپنی نیکیاں مجھے دے رہے ہیں)۔

(۵۲) حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں:

''میں نے دیکھا کہ مدینہ میں کچھ لوگ نیکی کی زندگی گزارتے تھے، وہ عیوب سے محفوظ تھے، مگر انہوں نے دوسروں کی غیبت اور عیب جوئی شروع کردی، نتیجہ یہ ہوا کہ خود معیوب اور

گناہ گار بن گئے، اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ وہ معائب میں مبتلا تھے، پھر انہوں نے غیبت اور عیب جوئی سے بچنا شروع کر دیا اور اللہ نے ان کو پاک صاف کر دیا"۔ (ایضاً: ۴۰)

معلوم ہوا کہ انسان میں کوئی عیب نہ ہو، وہ صرف غیبت کا عادی ہو، تو تنہا یہی عمل اس کے سنگین مجرم ہونے کے لئے کافی ہے۔

(۵۳) حضرت ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے: "کسی بزرگ نے کہا: میرا اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ ہے، سوال ہوا کہ کیوں طلاق دینا چاہتے ہو؟ فرمایا:

كَيْفَ أَذْكُرُ عَيْبَ زَوْجَتِيُ؟

میں اپنی بیوی کا عیب کیسے ذکر کروں؟

پھر جب انہوں نے بیوی کو طلاق دے دی تو پھر سوال ہوا کہ: کیوں طلاق دے دی؟ تو ان کا جواب تھا:

كَيْفَ أَذْكُرُ عَيْبَ امْرَأَةٍ أَجْنَبِيَّةٍ.

میں ایک اجنبی عورت کا عیب کیسے بتاؤں؟

اس طرح انہوں نے بہر صورت غیبت سے اپنی حفاظت کی۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۶/ ۳۴۸)

(۵۴) حضرت ابو قلابہؒ فرماتے ہیں:

كَانَ أَفْضَلُهُمْ عِنْدَهُمْ أَسْلَمَهُمْ صَدْراً وَ أَقَلَّهُمْ غِيْبَةً. (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۹/ ۳۶۶، الزهد: كلام أبی قلابة)

سلف کے نزدیک سب سے بہتر انسان وہ ہوتا تھا جس کا دل بالکل صاف ہو اور جس کی زندگی غیبت سے محفوظ ہو۔

(۵۵) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"کچھ لوگوں کی فطرت ہوتی ہے کہ وہ صرف عیوب تلاش کرتے ہیں، ان کی نگاہ

خوبیوں پر نہیں ٹھہرتی، صرف خامیوں پر رکتی ہے، ایسے لوگ مکھی کی مانند ہوتے ہیں جو جسم کے صحیح سالم مقام کو چھوڑ کر صرف زخمی مقام پر ہی بیٹھتی ہے‘‘۔ (الغیبۃ: ڈ/ عبدالملک قاسم:۳۶)

(۵۶) مذکور ہے کہ کسی شخص نے ایک بزرگ کے سامنے کسی کی غیبت کی، تو بزرگ نے فرمایا: تم لوگوں کے عیوب بہت کثرت سے بیان کر رہے ہو، اس کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ تمہارے اندر بھی برائیاں بہت ہیں، کیونکہ جس کے اندر جس قدر برائیاں ہوتی ہیں وہ اسی قدر لوگوں میں برائیاں تلاش کرتا اور بیان کرتا ہے۔ (عیون الاخبار:۲/۱۴)

غور کیا جائے کہ ان بزرگ نے غیبت کرنے والے کے عیوب کا اپنی فراستِ مؤمنانہ سے ادراک کر لیا کہ جو دوسروں کے عیوب کا متلاشی ہے، وہ در اصل خود عیوب کا شکار ہے، چنانچہ انہوں نے غیبت کرنے والے کو نہ صرف یہ کہ روک دیا بلکہ اس کے سامنے آئینہ رکھ دیا۔

(۵۷) ایک بزرگ سے کسی نے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں غیبت کی بو ظاہر ہو جاتی تھی، لیکن اب ظاہر نہیں ہوتی، اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: آج غیبت اتنی زیادہ ہونے لگی کہ اس کی بدبو کا احساس جاتا رہا، جیسے بھنگی پاخانہ کی بو کا اور دباغ (کھال کو پکانے والا) چمڑے کی بو کا اتنا عادی ہو جاتا ہے کہ اسی جگہ بیٹھ کر بے تکلف کھاتا پیتا ہے جب کہ دوسرے کے لئے وہاں ایک منٹ ٹھہرنا نہایت مشکل ہوتا ہے، یہی حال آج غیبت کا ہے۔ (تنبیہ الغافلین:۱۰۶)

(۵۸) حضرت ابراہیم بن ادہمؒ غیبت کرنے والوں کو سخت سرزنش کرتے تھے، ایک دفعہ کسی نے آپ کو ضیافت میں بلایا، جب آپ وہاں گئے تو اسے کسی کی غیبت کرتے سنا، آپ نے فرمایا: ہم عرصے سے دیکھتے ہیں کہ لوگ گوشت سے پہلے روٹی کھاتے ہیں مگر میں دیکھتا ہوں کہ تم روٹی سے پہلے گوشت کھاتے ہو، پھر آپ اٹھ گئے اور کھانا نہ کھایا۔ (مخزن اخلاق:۲۳۹)

(۵۹) امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

كَانَ الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ يَتَلاقَوْنَ بِالْبِشْرِ، وَلا

يَغْتَابُوْنَ عِنْدَ الْغِيْبَةِ، وَيَرَوْنَ ذٰلِكَ أَفْضَلَ الْأَعْمَالِ، وَيَرَوْنَ خِلافَهُ عَادَةَ الْمُنَافِقِيْنَ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: أَدْرَكْنَا السَّلَفَ وَهُمْ لا يَرَوْنَ الْعِبَادَةَ فِي الصَّوْمِ وَ لا فِي الصَّلٰوةِ، وَلٰكِنْ فِي الْكَفِّ عَنْ أَعْرَاضِ النَّاسِ. (احياء العلوم: ۳/ ۲۹۱)

صحابہ کا امتیاز یہ تھا کہ وہ ایک دوسرے سے خندہ روئی سے ملتے تھے، اورکسی کی عدم موجودگی میں غیبت نہیں کرتے تھے، اور اسے سب سے افضل عمل جانتے تھے، اوراس کے برخلاف کرنے کومنافقوں کی عادت سمجھتے تھے، علماء فرماتے ہیں: ہم نے صحابہ اور اسلاف کا یہ حال دیکھا کہ وہ نماز اور روزے سے بڑھ کرعبادت اسے سمجھتے تھے کہ غیبت اورلوگوں کی آبروریزی سے بچاجائے۔

(٦٠) امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

اَلْغِيْبَةُ هِيَ الصَّاعِقَةُ الْمُهْلِكَةُ لِلطَّاعَاتِ، وَمَثَلُ مَنْ يَغْتَابُ كَمَنْ يَنْصِبُ مِنْجنِيْقاً، فَهُوَ يَرْمِيْ بِهٖ حَسَنَاتِهٖ شَرْقاً وَغَرْباً وَيَمِيْناً وَشِمَالاً. (ایضاً)

غیبت تمام نیکیوں کو برباد کرڈالنے والی خطرناک آفت ہے، غیبت کرنے والے کی مثال اس شخص کی طرح ہے جومنجنیق نصب کرے اوراس کے ذریعہ اپنی نیکیاں مشرق ومغرب، دائیں بائیں ہرطرف پھینکتا (دوسروں کے حوالے کرتا) چلا جائے۔

(٦١) نماز بلاشبہ سب سے افضل عبادت ہے، لیکن سلف صالح غیبت سے اجتناب کو متعدد اسباب کی وجہ سے زیادہ اہمیت دیتے تھے۔

ایک وجہ تو یہ ہے کہ نماز و روزہ کے چھوڑنے سے اللہ کے حق میں کوتاہی ہوتی ہے جب کہ غیبت سے بندے کا حق متأثر ہوتا ہے، اللہ کے حق کی کوتاہی توبہ سے معاف ہو جاتی ہے، جبکہ بندوں کا حق معاف کرائے بغیر معاف نہیں ہوتا۔

دوسرے یہ کہ شریعت کے اصولوں کے مطابق معصیت سے بچنا اطاعت و عبادت کے عمل سے افضل و اولیٰ ہے، گناہ چھوڑنے میں عبادت کرنے سے زیادہ ثواب ہے۔

تیسرے یہ کہ نماز و روزہ کو چھوڑنا اعضاء کا گناہ ہے جب کہ غیبت زبان کا گناہ ہے، اور زبان کا گناہ اعضاء کے گناہ سے زیادہ خطرناک ہے۔

(۶۲) امام غزالیؒ نے نقل کیا ہے کہ:

’’خدمت نبوی میں ایک شخص نے عرض کیا کہ میں فرض نمازیں پڑھتا ہوں، فرض روزے رکھتا ہوں، مگر فقر کی وجہ سے صدقہ وغیرہ نہیں کر پاتا، اور بھی کوئی نیکی نہیں کر پاتا، میں مروں گا تو کیا انجام ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم غیبت، جھوٹ، بدنگاہی اور دوسروں کی تحقیر سے بچتے رہو گے تو جنت میں میرے ساتھ رہو گے‘‘۔ (ایضاً: ۴/ ۴۲۰ الرجاء)

(۶۳) مشائخ میں سے کسی کے بارے میں منقول ہے کہ: ان کو کسی نے بتایا کہ فلاں فلاں لوگ ان کی (اس اللہ کے ولی کی) غیبت کرتے ہیں تو اس بزرگ نے فرمایا: میں ان کی دعوت کروں گا اور ان کو ہدیہ بھی دوں گا، وہ کہنے لگے کہ حضرت: وہ تو آپ کی غیبت کرتے ہیں اور آپ ان کی دعوت اور ان کو ہدیہ دینے کی بات کرتے ہیں؟

اس بزرگ نے فرمایا ہاں: میں ان کی دعوت کروں گا اور ان کو ہدیہ بھی دوں گا، اس لئے کہ وہ لوگ میرے محسن، میرے دھوبی ہیں، کہ وہ لوگ میری غیبت کر کے میرے گناہ اپنے ذمہ لے رہے ہیں اور میری غیبت کر کے میرے گناہوں کو دھو رہے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ہم دوسروں کی غیبت کریں گے اور دوسروں پر الزام ڈالیں گے تو گویا ہم نے ان کے گناہ دھو لیے اور ان کے گناہ اپنے سر پر اٹھا لئے یہ بہت خطرناک چیز ہے۔ (خطبات محمود: ۱/ ۹۲)

(۶۴) امام بخاریؒ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے ایک ساتھی نے ایک دن ان سے کہا: لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے فلاں شخص کی غیبت کی ہے، فرمایا:

سُبْحَانَ اللّٰہِ، مَا ذَکَرْتُ أَحَدًا بِسُوْءٍ إِلَّا أَنْ أَقُوْلَ سَاھِیًا، وَمَا یَخْرُجُ إِسْمُ فُلَانٍ مِنْ صَحِیْفَتِي یَوْمَ الْقِیَامَةِ. (سیر اعلام النبلاء: ۱۲/ ٤٤٥)

سبحان اللہ! میں نے کبھی کسی شخص کا ناپسندیدہ انداز میں ذکر نہیں کیا، البتہ بھول چوک ہو جائے تو الگ بات ہے، پھر فرمایا: (میں نے اس فلاں کی غیبت نہیں کی) قیامت کے دن میرے نامۂ اعمال سے اس شخص کا نام نہیں نکلے گا۔

بکر بن منیر کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ فرمایا کرتے تھے:

أَرْجُوْ أَنْ أَلْقَی اللّٰہَ وَلا یُحَاسِبُنِيْ أَنِّي اغْتَبْتُ أَحداً.

(تاریخ بغداد: ۲/ ۱۳)

میں جب اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گا تو مجھے امید ہے کہ وہ مجھ سے کسی کی غیبت کرنے کا حساب نہیں لے گا۔

محمد بن ابی حاتم الوراقؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ امام بخاریؒ فرمایا کرتے تھے: ''جب سے مجھے پتہ چلا کہ غیبت حرام ہے، میں نے کسی کی غیبت نہیں کی''۔ (ہدی الساری: مقدمہ فتح الباری: ۶۷۲)

مطلب یہ ہے کہ آپ نے زندگی بھر کبھی کسی کی غیبت نہیں کی، امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاری کی یہ بات بالکل درست ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص بھی ان کی جرح وتعدیل اور لوگوں کے بارے میں گفتگو کرتے وقت ان کے محتاط رویے کو دیکھے گا، وہ ان کی انصاف پسندی کا قائل ہو جائے گا، کیونکہ امام صاحب جن راویوں کو ضعیف قرار دیتے تھے، ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ سخت بات یہ کہتے تھے کہ فلاں منکر الحدیث ہے، فلاں کے بارے میں لوگوں نے خاموشی اختیار کی ہے یا کہتے تھے کہ اس راوی میں نظر ہے، آپ یہ بات بہت کم کہتے تھے کہ فلاں راوی جھوٹا ہے یا از خود حدیثیں گھڑ لیتا ہے، اس سلسلے میں انہوں نے حتمی طور پر ایک موٹی سی بات

یہ فرمائی کہ جب میں کہتا ہوں کہ فلاں میں نظر ہے تو وہ متہم اور انتہائی کمزور ہوتا ہے۔

اس سے امام بخاریؒ کی اس بات کا مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے کسی کی غیبت کا حساب نہیں ہوگا، یہ ہے امام بخاری کا انتہا درجے کا تقویٰ، یہ بات حافظ ابن حجرؒ نے بھی مقدمہ میں کہی ہے۔ (سیرت امام بخاری: مرتبہ: دار السلام: ۲۳۴-۲۳۵)

امام بخاریؒ کی غایت احتیاط کا عالم یہ تھا کہ انہوں نے نابینا عالم شیخ ابو معشر الضریر سے ایک دن فرمایا: آپ مجھے معاف فرمادیں، ایک دن میں نے ایک حدیث روایت کی تھی، میں نے دیکھا کہ آپ کو وہ حدیث بہت پسند آئی، اور اظہار خوشی کے طور پر آپ اپنے سر اور ہاتھ کو ہلا رہے ہیں، یہ دیکھ کر مجھے ہنسی آ گئی، مجھے خدشہ ہے کہ میری ہنسی غیبت میں شامل نہ ہو گئی ہو، یہ سن کر حضرت ابو معشر نے فرمایا:

أَنْتَ فِي حِلٍّ، رَحِمَکَ اللّٰهُ يَا أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ. (حياة السلف: ٦١٠)

آپ بری ہیں، اللہ آپ پر رحم فرمائے۔

(۶۵) امام اعظم ابو حنیفہؒ کو غیبت سے بے انتہا نفرت تھی، ہمیشہ اس گناہ سے دامن کش رہے، اور شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا: الحمد للہ! اللہ نے میری زبان کو اس نحوست کی آلودگی سے پاک رکھا۔

حضرت سفیان ثوریؒ سے کسی نے کہا: کہ امام ابو حنیفہ کی عجیب شان ہے، میں نے انہیں کبھی کسی کی غیبت کرتے ہوئے نہیں سنا، انہوں نے فرمایا: ہاں، امام ابو حنیفہ ایسے بے وقوف نہیں ہیں کہ اپنے اعمال صالحہ غیبت کر کے خود ہی برباد کر ڈالیں۔ (امام ابو حنیفہ کے حیرت انگیز واقعات: مولانا عبد القیوم حقانی: ۶۰)

بلکہ امام اعظمؒ نے اپنے شاگرد امام ابو یوسفؒ جو وصیتیں فرمائی تھیں، ان میں یہ بھی وصیت تھی:

وَإِذَا عَرَفْتَ إِنْسَانًا بِالشَّرِّ فَلَا تَذْكُرْ ذَلِكَ مِنْهُ بَلْ أُطْلُبْ لَهُ خَيْرًا فَاذْكُرْهُ بِهِ.

جب تم کو معلوم ہو کہ فلاں شخص اچھا آدمی نہیں ہے تو اس کی برائی کا تذکرہ نہ کرنا بلکہ اس کے اندر کوئی خیر تلاش کر لینا اور اس کا تذکرہ اسی خیر کے ساتھ کرنا۔ (مجموعہ وصایا امام اعظم: ترجمہ: مولانا عاشق الٰہی بلند شہری: ۳۲)

(٦٦) شیخ سعدیؒ اپنی شہرۂ آفاق کتاب گلستاں میں ایک جگہ بیان کرتے ہیں کہ میں بچپن میں بڑا عبادت گذار و شب بیدار تھا، ایک رات میں اپنے والد محترم کی خدمت میں حاضر تھا، ساری رات آنکھوں میں کٹ گئی اور مسلسل تلاوت قرآن اور عبادت خدا میں مشغول رہا، مگر میرے ارد گرد لوگوں کی ایک جماعت بڑے آرام سے سو رہی تھی، ان لوگوں کا اس طرح بے فکر سونا مجھے برا معلوم ہوا اور میں نے اپنے والد سے شکایت کی: ''یہ لوگ تو ایسے سو گئے جیسے مر گئے ہوں، کوئی بھی تہجد کے لئے بیدار نہیں ہوتا'' والد صاحب نے جواب دیا: ''بیٹا! اچھا ہوتا کہ تو بھی سو جاتا، تاکہ دوسروں کی غیبت نہ کرتا'' دور اندیش باپ نے بروقت اور نہایت مؤثر انداز میں بیٹے کی غلطی پر متنبہ کر دیا، اس سے بچنے کی تاکید کر دی اور جتلا دیا کہ غیبت (پیٹھ پیچھے برائی، اگر چہ اس میں وہ برائی موجود ہی کیوں نہ ہو) سے کس طرح نیکی برباد، گناہ لازم آتا ہے۔ (اسلاف کے ایمان افروز واقعات: محمد انور بن اختر: ۲۱۳)

(٦٧) حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے بارے میں لکھا ہے:

''اس زمانہ میں غیبت کی بیماری کس قدر عام اور متعدی ہوگئی ہے، اور اس سے اس کے اڑتے ہوئے جراثیم سے محفوظ رہنا کتنا مشکل ہوگیا ہے، اس کا اندازہ بہت سے حضرات کو شاید نہ ہو، لیکن اس عاجز کو خوب ہے، اور اس لئے میرا یقین ہے کہ اللہ کا جو بندہ اس دور میں غیبت سے محفوظ ہو، وہ اللہ کی خاص حفاظت میں ہے، اور یہ اس کی بڑی کرامت ہے، مگر حضرت استاذ (علامہ کشمیریؒ) قدس سرہ کو الحمد للہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے غیبت سے زبان کو ایسا محفوظ کیا تھا کہ کبھی اشارۃً کنایۃً بھی غیبت کی قسم کی کوئی بات سننا یاد نہیں، بلکہ یہ یاد ہے کہ حضرت کے سامنے

کسی نے غیبت کی قسم کی کوئی بات شروع کی اور حضرت نے فوراً روک دیا''۔(حیات نعمانی:۵۶۴)

(۶۸) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے سوانح نگار نے ''غیبت سے اجتناب'' کے عنوان سے خوب لکھا ہے:

''غیبت بدترین اخلاقی بیماری ہے، جو ہمیشہ اخلاقی جرأت کی کمی کے باعث وجود میں آتی ہے، اگر انسان حق گوئی اور صاف گوئی کی صفت سے آراستہ ہو تو غیبت جیسی اور بھی بہت سی اخلاقی بیماریاں انسان سے دور رہتی ہیں، ظاہر ہے کہ جو شخص بلا خوفِ لومۃ لائم و بے لاگ اور ڈنکے کی چوٹ پر اپنی بات کہہ سکتا ہے اسے پیٹھ پیچھے کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی اور جو شخص اس جرأت سے محروم ہو وہ غیبت کا سہارا لیتا ہے، غیبت جس طرح اخلاقی جرأتوں کا خون کرتی ہے، اسی طرح بزدلی، کم ہمتی، مداہنت فی الدین اور مصلحت بینی جیسے رذائل کو جنم دیتی ہے۔

حکیم الاسلامؒ کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح دیگر اخلاق عالیہ سے نوازا تھا، اسی طرح سے اخلاقی جرأت، صاف گوئی اور بے لاگ گفتگو کے جوہر سے بھی آراستہ کیا تھا، غیبت کرنا تو در کنار انہیں غیبت سننا بھی گوارا نہ تھا، ان کی مجلس میں بیٹھنے والے یا ان کے مزاج سے واقف لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت حکیم الاسلامؒ اس قسم کے رذائل سے پاک ہیں، اس لئے اولاً تو اس کی نوبت ہی نہ آتی تھی کہ آپ کی مجلس میں غیبت ہو، اگر کوئی نو وارد یا آپ کے مزاج سے ناواقف ایسی گفتگو کرتا جس میں غیبت کا کوئی پہلو نکلتا تو اس پر سخت ناگواری کا احساس فرماتے اور بروقت تنبیہ بھی، یہ تو ممکن نہ تھا کہ کوئی شخص آپ کی مجلس میں غیبت کرے اور حکیم الاسلامؒ خاموشی سے سنتے رہیں، جیسے آج کے دور میں ہماری علمی مجلسیں بھی اس رذیلہ کا شکار ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

حضرت مولانا انظر شاہ صاحب لکھتے ہیں: غیبت کا ان کے یہاں پر دروازہ پوری قوت سے بند تھا، بہت کچھ کسی کے حق میں فرماتے تو یہ ''بھائی بڑا اچھا آدمی تھا، کاش کہ کسی مفید کام میں لگتا'' یا ''فلاں صاحب تو اپنے ہی ہیں خدا جانے ان کو کیا ہو گیا'' حالاں کہ کبھی کبھی ان کے

متعلقین پر ان کا یہ انداز گراں گذرتا، وہ مصلحت وضرورت کا تقاضا سمجھتے کہ حضرت کچھ تو جواب دیں، مگر یہاں لاکھوں کروڑوں تیروں کا ایک جواب ''نشانہ بننا'' تھا نہ کہ ''نشانہ لگانا'' صورتِ حال پر کبھی بہت ہی دل آزار ہوتے تو فتنہ کے طول وعرض کو واضح کرنے لئے فضاء میں اپنی انگشت شہادت گھماتے ہوئے فرماتے کہ ''بھائی یہ ہر وقت کی ہو ہو ہمیں تو اچھی نہیں لگتی'' ہمارا تو لکھنا پڑھنا ہی ختم ہوگیا، وقار اس طرح کوٹ کوٹ کر ان کی فطرت میں بھرا پڑا تھا کہ کبھی بے وقاری کا کوئی پرتو ان کی زندگی میں نہ نظر آیا''۔(حیات طیب:۱/۳۱۲-۳۱۳)

(۶۹)مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنے استاذ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے تعلق سے ارقام فرمایا ہے:

''طمع دنیا اور مشتبہ مال سے احتیاط سے زیادہ مشکل غیبت سے اجتناب اور پرہیز ہے، خصوصاً ان لوگوں کے لئے جو عزلت اور گوشہ گیری کی زندگی نہ گذارتے ہوں، اور ان کا مختلف طبقوں، کثیر التعداد اور مختلف المزاج لوگوں سے واسطہ پڑتا ہو، یہ بات اس وقت اور زیادہ مشکل ہوجاتی ہے جب کسی طبقہ یا فرد سے اعتقادی اور اصولی اختلاف بھی ہو، اور اس کے ساتھ صریح ظلم کیا گیا ہو، مولانا کو ان نازک موقعوں پر بھی ہمیشہ غیبت وشکایت سے مجتنب اور محتاط پایا، درس میں ہر طرح کا تذکرہ آتا، تردید وتنقید بھی ہوتی، لیکن کسی موقع پر بھی مولانا کو اپنے کسی شدید سے شدید مخالف کی غیبت کرتے ہوئے نہیں سنا گیا''۔(پرانے چراغ:۱/۱۵۶-۱۵۷)

(۷۰)مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے بے تکلف رفیق مولانا سید ابوبکر حسنیؒ سے سوال کیا گیا کہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی سب سے اہم خصوصیت آپ کے نزدیک کیا ہے، ان کا جواب تھا: میں حضرت سے بہت بے تکلف تھا، پھر بھی آپ نے تنہائی میں بھی کسی کی غیبت نہیں کی، اور جب کسی کا خراب تذکرہ ہونے لگتا، ہاتھ کے اشارے سے روک دیتے۔(مستفاد از: افادات علم وحکمت:۱۸)

(۷۱)ارسطو سے کسی نے کہا کہ میں نے ایک معتبر آدمی سے تمہارے بارے میں کچھ

غلط باتیں سنی ہیں، ارسطو نے جواب دیا: ’’غیبت کرنے والا معتبر کیسے ہوگیا!‘‘

(۷۲) حضرت حاتم اصمؒ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک رات وہ تہجد کے لئے نہیں اٹھ سکے، صبح کو ان کی بیوی نے ان سے تسلی آمیز کلمات کہے تو انہوں نے فرمایا کہ رات جن لوگوں نے تہجد پڑھی تھی اور مجھے سوتا پایا تھا، صبح کو وہی لوگ میری غیبت میں مبتلا ہوگئے، اس طرح انہوں نے اپنی نماز اور نیکی کا ثواب میرے نامۂ اعمال میں منتقل کردیا۔ (قناطر الخیرات: امام اسماعیل بن موسیٰ الجیطالی النفوسی: ۳/ ۱۴۹)

(۷۳) حضرت ابو قلابہؒ کا قول ہے:

إِنَّ فِی الْغِیْبَةِ خَرَابَ الْقَلْبِ مِنَ الْهُدَىٰ، وَحَسْبُکَ مِنَ الْغِیْبَةِ شُؤْمًا مَحْقُهَا الْحَسَنَاتِ وَإِبْطَالُهَا الطَّاعَاتِ. (ایضاً: ۳/ ۱۴۸)

بلاشبہ غیبت کے عمل میں دل ہدایت سے ویران ہوجاتا ہے، غیبت کی سب سے بڑی نحوست یہ ہے کہ وہ نیکیوں کو مٹادیتی ہے اور طاعات کا اثر ختم کردیتی ہے۔

(۷۴) حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے غیبت کرنے والے کو نصیحت و ملامت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اپنے دوستوں کو اپنی دنیا اور مال سے نفع پہنچانے میں بخل کرتے ہو اور اپنے دشمنوں کو ان کی غیبت کرکے اپنی نیکیاں دینے میں بڑی سخاوت کا مظاہرہ کرتے ہو، یہ انتہائی نادانی اور کم عقلی کی بات ہے کہ جہاں سخاوت کرنی چاہئے وہاں بخل کرتے ہو، اور جہاں بخل اور احتیاط کرنا چاہئے وہاں سخاوت کرتے ہو۔ (ایضاً)

غیبت کے نمایاں اور سنگین نقصانات اور مضرات

غیبت انتہائی خطرناک گناہ ہے اور اس کے مضرات اور ہولناکیاں بے شمار ہیں، اس لئے شریعت میں اسے واضح طور پر حرام قرار دیا گیا ہے، اس کے نقصانات اخروی بھی ہیں اور دنیوی بھی، سماجی اور دنیوی زندگی میں بھی اس کے ہولناک نتائج سامنے آتے ہیں، اور آخرت میں بھی اس کی نحوستوں کا خوب خوب ظہور ہوگا، اس طرح غیبت کرنے والے ”خَسِرَ الدُّنیا وَالآخِرَةَ“ کا مصداق ہوں گے، علامہ یوسف القرضاوی نے لکھا ہے:

إِنَّ الْغِيبَةَ هِيَ شَهْوَةُ الْهَدْمِ لِلآخَرِيْنَ، هِيَ شَهْوَةُ النَّهْشِ فِي أَعْرَاضِ النَّاسِ وَكَرَامَاتِهِمْ وَحُرُمَاتِهِمْ وَهُمْ غَائِبُوْنَ، إِنَّهَا دَلِيْلٌ عَلَى الْخِسَّةِ وَالْجُبْنِ لِأَنَّهَا طَعْنٌ مِنَ الْخَلْفِ، وَهِيَ مَظْهَرٌ مِنْ مَّظَاهِرِ السَّلْبِيَّةِ، فَإِنَّ الإِغْتِيَابَ جُهْدُ مَنْ لا جُهْدَ لَهُ، وَهِيَ مِعْوَلٌ مِنْ مَعَاوِلِ الْهَدْمِ، لِأَنَّ هُوَاةَ الْغِيْبَةِ قَلَّمَا يَسْلَمُ مِنْ أَلْسِنَتِهِمْ أَحَدٌ بِغَيْرِ طَعْنٍ وَلا تَجْرِيْحٍ.

غیبت دوسروں کو گرانے کی خواہش اور ان کی غیر موجودگی میں ان کی عزت کو مجروح کرنا ہے، یہ خست اور بزدلی کی علامت ہے کیونکہ یہ پیچھے سے حملہ کرنے کے مترادف (ہم معنی) ہے، غیبت ایک منفی نوعیت کا کام ہے کیونکہ جس کو کوئی کام نہیں ہوتا وہ دوسروں کی غیبت کرتا ہے، علاوہ بریں وہ تباہی کا آلہ بھی ہے کہ شیدایان غیبت کی زبان طعن سے کسی کا بھی محفوظ رہ جانا مشکل ہی ہے۔ (الحلال والحرام فی الاسلام: ۳۰-۳۱)

ذیل میں غیبت کے متعدد مضرات کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) نیکیوں کی عدم قبولیت

غیبت کا انتہائی نمایاں ضرر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ غیبت کرنے والوں کی عبادتیں اور نیکیاں قبول نہیں ہوتیں، بلکہ ضائع ہو جاتی ہیں، پیچھے حضرت حسن بصریؒ کا یہ قول ذکر ہو چکا ہے کہ انسان کے جسم پر کاری زخم کا اثر جتنا گہرا ہوتا ہے اس سے زیادہ گہرا اثر غیبت کے ذریعہ انسان کے دین وایمان پر ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ نیکیوں کے برباد ہونے کی شکل میں برآمد ہوتا ہے۔

احادیث میں وارد ہوا ہے کہ کوئی شخص مستقل نیکیاں کر رہا ہوتا ہے، فرشتے خوشی خوشی ان اعمال کو اوپر لے جاتے ہیں، تو حکم ہوتا ہے کہ یہ اعمال اس شخص کے منہ پر ماردیئے جائیں اور اسے بتا دیا جائے کہ تمہاری یہ نیکیاں اللہ کو ہرگز قبول نہیں ہیں اس لئے کہ تم مسلمانوں کی غیبت کیا کرتے تھے۔ (غیبت کیا ہے: ۱۳۵)

ایک حدیث میں فرمایا گیا:

مَاالنَّارُ فِی الْیُبَسِ بِأَسْرَعَ مِنَ الْغِیْبَۃِ فِی حَسَنَاتِ الْعَبْدِ.

(احیاء العلوم: ۲۹۸/۳)

خشک چیزوں میں آگ اتنی جلدی اثر انداز نہیں ہوتی، جتنی جلدی غیبت بندے کی نیکیوں پر اثر انداز ہو کر انہیں برباد کر دیتی ہے۔

(۲) دعا کی عدم قبولیت

غیبت کا ایک نقصان یہ ہوتا ہے کہ ایسے افراد کی دعائیں بارگاہ رب العزت میں قبول نہیں ہوتی ہیں، ایک حدیث میں فرمایا گیا:

ثَلَاثَۃٌ لَایُسْتَجَابُ دُعَاؤُھُمْ: آکِلُ الْحَرَامِ، وَمُکْثِرُ الْغِیْبَۃِ، وَمَنْ کَانَ فِی قَلْبِہٖ غِلٌّ أَوْ حَسَدٌ لِلْمُسْلِمِیْنَ. (تفسیر القرطبی: ۲۶۰/۲۰)

تین افراد کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں: ایک تو حرام مال کھانے والا، دوسرا بکثرت غیبت کرنے والا، تیسرا دوسروں سے حسد کرنے والا۔

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ سے سوال کیا گیا کہ دعا قبول نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا: دلوں کے مردہ ہوجانے کی وجہ سے، پوچھا گیا: دلوں کے مردہ ہونے کا سبب کیا ہے؟ فرمایا: آٹھ عیوب کی وجہ سے جوتم میں پیدا ہوگئے ہیں: (۱) اللہ کا حق ضائع کرنا، (۲) قرآن پر عمل نہ کرنا، (۳) زبان سے محبت رسول کا دعویٰ کرنا اور عملی زندگی میں اطاعت رسول سے دوری، (۴) موت کے لئے تیاری نہ کرنا، (۵) شیطان کو دوست بنانا، (۶) جہنم کے عذاب سے بےفکری، (۷) حسد، (۸) اپنے عیوب کی فکر کے بجائے دوسروں کے عیوب تلاش کرنا اور غیبت کرنا۔ (الغیبۃ: عبدالملک قاسم: ۴۷ مختصراً)

(۳) اعمال نامے میں نیکیوں کی کمی

ذکر آچکا ہے کہ غیبت کرنے والے کو قیامت میں یہ صدمہ ہوگا کہ وہ اپنے نامۂ اعمال سے اپنی متعدد نیکیوں کو غائب دیکھے گا، اور اللہ تعالیٰ سے دریافت کرے گا، تو بتایا جائے گا کہ تمہاری غیبت کی عادت نے تم کو نیکیوں سے محروم کیا ہے اور اس کی سزا کے طور پر تمہاری نیکیاں مٹادی گئی ہیں، اسی لئے بہت سے اکابر کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنی غیبت کرنے والے افراد کو ہدیہ بھیجا اور کہلایا کہ آپ نے میری غیبت کر کے اپنی نیکیاں مجھے عنایت کی ہیں اس لئے ہدیہ قبول فرمائیے۔

احادیث میں اصل مفلس اسی کو بتایا گیا ہے جو دنیا میں دوسروں پر ظلم کر کے، ایذا رسانی کر کے، حق تلفی کر کے، غیبت کر کے، گالی دے کر، خون بہا کر اور تہمت لگا کر قیامت میں خالی ہاتھ رہ جائے گا، اسے اپنی نیکیاں اصحاب حقوق کو دینی پڑ جائیں گی اور ان کی برائیاں اپنے سر لینی پڑ جائیں گی۔

حضرت عبداللہ بن المبارکؒ کی مجلس میں کسی نے امام ابوحنیفہؒ کی غیبت شروع کردی، انہوں نے فرمایا: امام ابوحنیفہؒ کی عظمت یہ ہے کہ وہ کبھی کسی کی غیبت نہیں کرتے، حضرت سفیان ثوریؒ نے اس پر فرمایا: عقل مندوں کا طریقہ یہی ہوتا ہے کہ وہ غیبت کر کے اپنی نیکیاں دوسروں کے ہاتھوں میں نہیں تھمادیتے اور خود کو محروم نہیں ہونے دیتے۔ (ایضاً)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اگر غیبت کرنے والے اپنا محاسبہ کریں تو نظر آئے گا کہ ان کی روزانہ کی نیکیوں کا تناسب کم ہے اور ان کی زبان سے جاری غیبت کے بولوں کا تناسب بہت زیادہ ہے اور اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ تمام نیکیاں مٹادی جاتی ہیں، اور دنیا میں پتہ نہ چلے مگر آخرت میں اعمال نامے ان نیکیوں سے خالی ملیں گے تو غیبت کی اس نحوست کا اندازہ ہوگا۔ (احیاء العلوم: ۲۹۲/۳)

کسی عالم وحکیم کا قول ہے:

مَثَلُ الَّذِیْ یَغْتَابُ النَّاسَ کَمَثَلِ مَنْ نَصَبَ مِنْجِنِیْقًا یَرْمِیْ بِهٖ حَسَنَاتِهٖ شَرْقًا وَغَرْبًا، یَغْتَابُ وَاحِداً خُرَاسَانِیًّا وَ آخَرَ حِجَازِیًّا وَ آخَرَ تُرْکِیًّا فَیُفَرِّقُ حَسَنَاتِهٖ ثُمَّ یَقُوْمُ وَلَا شَیْءَ مَعَهٗ. (الرسالة القشيرية: ۱۵۷)

جو شخص لوگوں کی غیبت کرتا ہے اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو ایک منجنیق نصب کرلے، پھر اس کے ذریعہ اپنی نیکیاں مشرق ومغرب ہر سمت پھینکتا چلا جائے، کبھی کسی خراسانی کی غیبت کرتا ہے، کبھی کسی حجازی کی اور کبھی کسی ترکی کی، چناں چہ وہ اپنی نیکیاں بکھیر دیتا ہے، پھر اس حال میں اٹھتا ہے کہ اس کے پاس نیکیوں میں سے کچھ بھی نہیں بچتا۔

(۴) اعمال نامے میں برائیوں کی زیادتی

یہ بڑا نقصان ہے کہ غیبت کرنے والے پر دوسروں کے گناہ لاد دیئے جائیں گے اور اس کے

اعمال نامے میں برائیوں اور گناہوں کا اضافہ کردیا جائے گا، ایک حدیث میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

إِيَّاكُمْ وَالْغِيْبَةَ فَإِنَّ الْغِيْبَةَ فِيْهَا ثَلاثُ آفَاتٍ: لا يُسْتَجَابُ لَهُ الدُّعَاءُ وَلا يُقْبَلُ لَهُ الْحَسَنَاتُ وَ يُزَادُ عَلَيْهِ السَّيِّئَاتُ.

تم غیبت سے بچو، اس لئے کہ اس میں تین آفتیں ہیں، ایک یہ کہ غیبت کرنے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی، دوسرے یہ کہ اس کی نیکیاں قبول نہیں ہوتیں، تیسرے یہ کہ اس کے نامۂ اعمال میں بدیاں زیادہ ہوتی ہیں۔

(غیبت کیا ہے:۱۳۱)

(۵) قیامت میں اہل حقوق کا مطالبہ

غیبت کا ایک ضرر یہ ہے کہ دنیا میں انسان جن لوگوں کی غیبت کرتا ہے اور پھر معاملہ صاف نہیں کرتا، قیامت میں وہی لوگ بارگاہ رب العزت میں اس کے خلاف فریادی ہوں گے، اور اپنے حق کا مطالبہ کریں گے اور انسان ناقابل بیان پریشانی اور ضیق میں مبتلا ہوگا، اللہ اپنے کرم سے معاملہ صاف اور معاف کرادے تو الگ بات ہے، ورنہ پھر اپنی ہی نیکیوں سے ہاتھ دھونا پڑے گا اور دوسروں کے گناہ اپنے سر لینے ہوں گے۔

ذکر آچکا ہے کہ کسی بزرگ کے سامنے کسی نے حجاج بن یوسف کے مظالم کا تذکرہ اور غیبت کی، اس پر انہوں نے فرمایا: اللہ منصف حقیقی ہے، وہ جس طرح حجاج سے ظلم کا بدلہ لے گا، اسی طرح حجاج کی غیبت کرنے والوں سے بھی حجاج کی فریاد اور مطالبے پر بدلہ لے گا۔

ایک بزرگ کے متعلق منقول ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو کسی کی غیبت کرتے سنا، سمجھایا مگر وہ باز نہ آئی، تو انہوں نے اسے طلاق دے دی، اور فرمایا: یہ جن کی غیبت کرتی ہے، کل قیامت کے روز وہ اس کے خلاف فریادی ہوں گے، اور چونکہ یہ میری بیوی ہے، اس لئے اس وقت میرا بھی حوالہ آئے گا اور مجھے ندامت ہوگی، اس سے بچنے کے لئے میں اسے طلاق دیتا ہوں۔ (الغیبۃ: د/ عبدالملک قاسم: ۱۸)

(۶) میدان محشر میں حساب کی سختی

میدان محشر میں انسان کو اپنی پوری زندگی کی ہر ہر نقل و حرکت کا جواب دہ ہونا ہے اور بطور خاص گنہگاروں کو وہاں اللہ کی بارگاہ میں حساب کی شدت کا سامنا ضرور ہوگا، حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ میدان محشر میں ایک خاص مرحلے میں غیبت کے بارے میں باز پرس ہوگی، اور جو غیبت میں مبتلا رہے ہوں گے انہیں بہت طویل مدت تک وہیں بے یارومددگار کھڑا رکھا جائے گا۔

حضرت داؤد طائیؒ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک مقام پر انہیں بے ہوشی طاری ہوگئی، ہوش آنے پر انہوں نے بتایا کہ جب میں یہاں پہونچا تو مجھے یاد آیا کہ اس جگہ میں نے ایک شخص کی غیبت کردی تھی، اب مجھے حساب کی شدت کا خیال آیا جس نے بیہوشی طاری کردی۔

(غیبت کیا ہے: ۱۳۹-۱۴۰)

(۷) قیامت میں حسرت وندامت

تمام مجرموں بطور خاص غیبت کرنے والوں کو قیامت میں اللہ کے سامنے بے انتہا ندامت اور حسرت کا مرحلہ پیش آکر رہے گا، غیبت کا مقدمہ اللہ کے دربار میں پیش ہوگا، اب اگر مبتلا شخص انکار کرے گا تو اس کے اعضاء اس کے خلاف گواہی دیں گے، اور جرم ثابت ہونے پر اس کی ندامت کا عجب عالم ہوگا، اور اگر وہ اقرار جرم کرے گا تو رسوائی اور عذاب کا سامنا کرنا ہوگا اور وہ ناقابل بیان ندامت وحسرت کا شکار ہوگا، مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

روز محشر ہر نہاں پیدا شود — ہم زخود ہر مجرمے رسوا شود
دست و پا بدہد گواہی تا بیاں — برفسادِ او بہ پیشِ مستعاں
دست گوید من چنیں دزدیدہ ام — لب بہ گوید من چنیں بوسیدہ ام
چشم گوید کردہ ام غمزہ حرام — گوش گوید چیدہ ام سوء الکلام

حشر کے دن ہر پوشیدہ چیز عیاں ہو جائے گی، ہر مجرم آپ سے آپ رسوا ہو جائے گا، ہاتھ اور پیر کھلم کھلا اللہ کے سامنے لوگوں کے گناہوں کی گواہی دیں گے، ہاتھ کہیں گے کہ ہم نے فلاں فلاں کا مال چوری کیا ہے، ہونٹ کہیں گے ہم نے حرام بوسے لئے ہیں، آنکھ کہے گی کہ میں نے حرام اشارے بازی کی ہے اور کان کہے گا کہ میں نے بری بری باتیں سنی ہیں۔ (درس مثنوی: حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ: ۲۹۲)

(۸) قیامت میں خاص سزائیں

(۱) احادیث میں صراحت آئی ہے کہ غیبت کرنے والوں کو قیامت کے دن پابند کیا جائے گا کہ تم نے جس کی غیبت کی تھی، اور زندگی میں اس کا گوشت کھایا تھا، اب مرنے کے بعد بھی اسے کھاؤ، چنانچہ وہ منہ بناتا ہوا اور چیختا ہوا اسے کھائے گا۔ (فتح الباری: ۱۰/۴۸۵) یہ ایک خاص سزا ہوگی جو اسے دی جائے گی۔

(۲) واقعۂ معراج میں آپ ﷺ کا گذر ایک ایسے گروہ سے بھی ہوا جن کی پسلیوں سے گوشت کاٹا جارہا تھا اور ان کے منہ میں ڈالا جارہا تھا، اور ان سے کہا جارہا تھا کہ جیسے تم دنیا میں اپنے بھائیوں کا گوشت کھایا کرتے تھے اور غیبت کرتے تھے، اب اپنا ہی گوشت کھاؤ، آپ ﷺ کے پوچھنے پر حضرت جبرئیل نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو دوسروں کی غیبت کرتے ہیں، یہ ان کے لئے خاص سزا ہوگی۔ (غیبت کیا ہے: ۱۴۴)

(۳) دیگر روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے شب معراج میں ان لوگوں کو دیکھا جو اپنے ناخونوں سے اپنے چہرے اور سینے نوچ اور کھرچ رہے ہیں، پھر آپ کو بتایا گیا کہ یہ غیبت کرنے والے ہیں۔ (ابوداؤد: الادب: باب فی الغیبۃ: ۴۸۷۸)

(۴) روایات میں یہ ذکر بھی آیا ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کی غیبت، تذلیل اور اہانت

کا جرم کرتے ہیں انہیں جہنم میں یہ سزا دی جائے گی کہ وہ خطرناک قسم کی خارش میں مبتلا کردیئے جائیں گے اور خارش کی کثرت کی وجہ سے ان کا گوشت ختم ہوجائے گا اور ہڈی باہر نکل آئے گی۔(احیاء العلوم:۳/۲۹۱)

(۵) حضرت حاتم اصمؒ کی روایات میں یہ بھی ذکر ہے کہ غیبت کرنے والے جہنم میں بندر بنادیئے جائیں گے۔(غیبت کیا ہے:۱۴۵)

(۹) جہنم میں سب سے پہلے اور جنت میں سب سے آخر میں جانے کا مرحلہ

غیبت کے نقصانات میں سے ہے کہ غیبت کرنے والا توبہ کئے بغیر انتقال کر جائے تو سب سے پہلے جہنم میں جائے گا اور توبہ کرکے مرے تو بھی سب سے آخر میں جنت میں جائے گا، یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے بھی منقول ہے۔(احیاء العلوم:۳/۲۹۰)

حضرت کعب احبارؒ نے فرمایا کہ میں نے انبیاء وسابقین کی کتابوں اور صحیفوں میں یہ مضمون پڑھا ہے۔

عربی شاعر کے بقول:

وَأَقْبَحُ الْقَبَائِحِ الْوَخِيْمَةُ
اَلْغِيْبَةُ الشَّنْعَاءُ وَالنَّمِيْمَةُ
فَتِلْکَ وَالْعِيَاذُ بِالرَّحْمٰنِ
مُوْجِبَةُ الْحُلُوْلِ فِیْ النِّيْرَانِ

خطرناک برائیوں میں سب سے بری چیز غیبت اور چغلی کے گناہ ہیں،
اللہ کی پناہ ہو: یہ گناہ یقینی طور پر جہنم میں لے جانے والے ہیں۔

(۱۰) عذاب قبر

بار بار ذکر ہو چکا ہے کہ جن گناہوں کی وجہ سے بطورخاص قبر میں عذاب ہوتا ہے ان میں غیبت بہت نمایاں ہے، بعض آثار میں یہ بھی صراحت ہے کہ قبر کا ایک تہائی عذاب غیبت کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔

(۱۱) نفاق پیدا ہونا

غیبت کا سنگین نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ اس سے نفاق پیدا ہوتا ہے اور ایسا کرنے والوں میں منافقانہ اوصاف ظاہر ہونے لگتے ہیں، منقول ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کسی کو حجاج کی غیبت کرتے ہوئے سنا، آپ نے اس سے دریافت کیا کہ اگر حجاج یہاں موجود ہوتا تو تم اس کے سامنے یہ عیوب بیان کرتے؟ وہ بولا: نہیں، آپ نے فرمایا: حضور اکرم ﷺ کے دور میں صحابہ اسے نفاق سمجھتے تھے کہ لوگوں کے سامنے ان کی تعریف کریں اور پیٹھ پیچھے شکایت اور برائی کریں۔

حضرت حذیفہ بن یمانؓ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے پاس کچھ لوگ ملنے آئے اور آپس میں غیبت وتبصرہ کی باتیں شروع کردیں، آپ سامنے آئے تو وہ چپ ہوگئے، آپ نے فرمایا کہ ہم آپ ﷺ کے زمانے میں ایسا کرنا نفاق سمجھتے تھے کہ لوگوں کے سامنے ستائش کریں اور غائبانہ میں غیبت کریں۔ (احیاء العلوم: ۱۴/۵)

(۱۲) شیطان کی خوشی کا باعث بننا

غیبت کے نقصانات میں سے ہے کہ ابلیس ملعون اور اس کے چیلے شیاطین کو اس سے بے حد خوشی ہوتی ہے، ان کی طرف سے اس کی خوب وسوسہ کاری پھر حوصلہ افزائی ہوتی ہے، چونکہ غیبت کا عمل اللہ کو ناراض کرتا ہے اور بندوں میں بھی دوریاں ڈالتا ہے، اس لئے یہ شیطان کی بے حد خوشی کا باعث ہوتا ہے۔

منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک دن یہ دیکھا کہ شیطان ایک ہاتھ میں شہد اور دوسرے ہاتھ میں راکھ لئے جارہا ہے، ان کے پوچھنے پر شیطان نے بتایا کہ یہ راکھ تو میں یتیموں کے منہ میں ڈالوں گا تاکہ ان کے منہ اور شکلیں خراب ہوجائیں اور لوگ ان سے گریز کریں اور مدد نہ کریں، اور یہ شہد غیبت کرنے والوں سے خوش ہوکر ان کو پلانے جارہا ہوں۔ (غیبت کیا ہے: ۱۴۷)

معلوم ہوا کہ انسان کے گناہ شیطان و ابلیس کے لئے بے حد باعث مسرت و اطمینان ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ فرماتے ہیں:

''گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک حیوانی اور دوسرا شیطانی، لوگ حیوانی گناہ کو بڑا سمجھتے ہیں، حالاں کہ شیطانی گناہ زیادہ بڑا ہوتا ہے، چوری، ظلم اور زنا وغیرہ حیوانی گناہ ہیں، اور بہتان، غیبت، کبر وغیرہ شیطانی گناہ ہیں''۔ (حیات نعمانی: ۳۴۷)

(۱۴) اللہ ورسول کی نافرمانی

غیبت کے نقصانات اور شناعتوں میں سب سے نمایاں چیز یہ ہے کہ یہ عمل قرآن و سنت کی خلاف ورزی اور اللہ ورسول کے احکام سے سرتابی ہے، قرآنی آیات اور نبوی ہدایات میں جگہ جگہ غیبت کی ہولناکی اور اس کے مہلک اثرات کا ذکر آیا ہے، اس کے باوجود غیبت میں مبتلا ہونا اللہ اور رسول کی نافرمانی ہے، جو انسان کو کھلی ہوئی گمراہی تک پہونچا دیتی ہے، قرآن میں ہے:

وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلالاً مُبِيناً. (الاحزاب: ۳۶)

اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔

(۱۴) عبادات اور بطور خاص روزے میں کراہت پیدا ہونا

روزے دار اگر غیبت کے گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اس کا روزہ مکروہ ہو جاتا ہے، امام سفیان ثوریؒ کے نزدیک تو غیبت روزے کو فاسد اور خراب کرنے والے اعمال میں سے ہے، امام مجاہدؒ کا قول ہے:

خَصْلَتَانِ تُفْسِدَانِ الصَّوْمَ: اَلْغِيْبَةُ وَالْكِذْبُ. (احیاء العلوم: ۱/۳۱۱، اسرار الصوم)

دو خصلتیں روزے کو خراب کرتی ہیں: (۱) غیبت، (۲) جھوٹ۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ دو آدمیوں نے روزے کی حالت میں آپ ﷺ کے ہمراہ نماز ظہر یا عصر ادا کی، سلام پھیرنے کے بعد آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

أَعِيْدَا وُضُوْءَ كُمَا وَصَلَاتَكُمَا، وَامْضِيَا فِيْ صَوْمِكُمَا وَ اقْضِيَاهُ يَوْمًا آخَرَ.

تم دونوں دوبارہ وضو کرو، دوبارہ نماز پڑھو، روزے کی قضا کرو۔

انہوں نے وجہ دریافت کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

إِغْتَبْتُمْ فُلَانًا. (مشكوة المصابيح: الأداب: باب حفظ اللسان والغيبة: ٤٨٧٣)

اس لئے کہ تم نے روزے کی حالت میں فلاں کی غیبت کی ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ ایک دن آپ ﷺ نے فرمایا: آج کوئی میرے حکم کے بغیر روزہ افطار نہ کرے، شام ہوئی تو لوگ آپ کے پاس آ کر اجازت لینے لگے، آپ اجازت دیتے تھے، تب لوگ افطار کرتے تھے، ایک آدمی نے عرض کیا: میرے گھر میں دو جوان خواتین روزے سے ہیں اور افطار کی اجازت چاہتی ہیں، یہ سن کر آپ ﷺ نے بے رخی کا اظہار فرمایا: اس نے دوبارہ کہا، آپ ﷺ نے پھر بے اعتنائی فرمائی، اس نے سہ بارہ کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّهُمَا لَمْ يَصُومَا، وَكَيْفَ صَامَ مَنْ ظَلَّ هَذَا الْيَوْمَ يَأْكُلُ لُحُومَ النَّاسِ.

ان دونوں کا روزہ نہیں ہوا، جو شخص دن بھر غیبت کر کے لوگوں کا گوشت کھائے اس کا روزہ کیسے ہوگا۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ان دونوں سے کہو کہ وہ قے کریں، آپ کے حکم پر ان دونوں نے قے کی تو خون کے لوتھڑے، گوشت کے ٹکڑے اور پیپ وغیرہ چیزیں نکلیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ دونوں کھانے پینے سے رکی رہیں، مگر حرام غیبت کا ارتکاب کرتی رہیں۔ (الترغیب والترہیب: ۳/ ۵۰۷، ماجاء فی ذم الغیبۃ)

روایات میں مذکور ہے:

أَرْبَعٌ يُفَطِّرْنَ الصَّائِمَ وَيَنْقُضْنَ الْوُضُوْءَ وَيَهْدِمْنَ الْعَمَلَ: اَلْغِيْبَةُ وَالْكِذْبُ وَالنَّمِيْمَةُ وَالنَّظْرُ إِلَى مَحَاسِنِ الْمَرأَةِ الَّتِي لا يَحِلُّ النَّظْرُ إِلَيْهَا، وَهُنَّ يَسْقِيْنَ أُصُوْلَ الشَّرِّ كَمَا يَسْقِيْ الْمَاءُ أُصُوْلَ الشَّجَرِ.

چار چیزیں روزے، وضو اور تمام اعمال کو خراب کر دیتی ہیں: (۱) غیبت، (۲) جھوٹ، (۳) چغل خوری، (۴) بدنگاہی، اور یہ چاروں برائی کی جڑوں کو مضبوط وسیراب کرتی ہیں جیسے پانی درخت کی جڑوں کو مضبوط وسیراب کرتا ہے۔ (غیبت کیا ہے: ۱۵۳، بحوالہ تنبیہ الغافلین)

یہ مضمون احادیث میں جگہ جگہ آیا ہے کہ جو روزے دار روزے کی حالت میں بھی گناہ اور جھوٹ نہ چھوڑے اللہ کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی حاجت نہیں ہے، ایسے روزے داروں کو صرف بھوک پیاس کی مشقت کا ہی سامنا ہوتا ہے، نہ کوئی نفع ملتا ہے اور نہ کچھ اجر وثواب۔

(۱۵) دوسروں کی پردہ دری

غیبت کا گناہ دوسروں کے سامنے کسی مسلمان کی پردہ دری، اس کے راز کو فاش کرنا اور اس کے عیوب کی تشہیر ہے، اور احادیث کی صراحت کے مطابق دوسروں کو رسوا کرنا اپنی رسوائی کا سامان کرنا ہے، جو دوسروں کے عیوب کھولتا ہے اللہ اسے یہ سزا دنیا ہی میں دیتا ہے کہ اس کے عیوب لوگوں کے سامنے ظاہر فرما کر اسے رسوا کر دیتا ہے۔

(۱۶) بغض، عداوت اور نااتفاقی

غیبت کا سنگین نقصان یہ ہے کہ اس سے دلوں میں نفرت، عداوت، بغض اور کینہ جیسے امور پیدا ہوتے ہیں اور باہم نااتفاقی پیدا ہوتی ہے، حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحبؒ فرماتے ہیں:

''غیبت آپس میں نااتفاقی اور اختلاف کی جڑ ہے، غیبت عداوت کا باپ بھی ہے اور بیٹا بھی، یعنی کبھی غیبت سے عداوت پیدا ہوتی ہے اور کبھی عداوت سے غیبت، اکثر غیبت ہی کی وجہ سے لوگوں کے درمیان رنجش، بغض اور کینہ پیدا ہو جاتا ہے اور پھر آپس میں قطع تعلق کی نوبت آجاتی ہے، قطع تعلق کا حرام ہونا اور اس سے دین و دنیا کے نقصان سب جانتے ہی ہیں''۔ (غیبت پر عذاب: ۲۸)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ لکھتے ہیں:

''اسی غیبت کی بدولت باہمی رنجشوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، اس سے دلوں میں بغض کی گرہیں پڑتی ہیں، محبت اور خلوص کی جگہ منافقت اور لگاوٹ پیدا ہوتی ہے، اور میل ملاپ کی ہزار رسمی کارروائیوں کے باوجود اندر ہی اندر کینہ کا لاوا پکتا رہتا ہے، اور بالآخر کسی وقت باقاعدہ لڑائی جھگڑے کی صورت میں پھوٹ پڑتا ہے، ہمارے معاشرے میں اگر غیبت کا رواج عام ہے، تو اس کے یہ نتائج بھی عام اور واضح ہیں جنہیں ہر شخص کھلی آنکھوں دیکھ سکتا ہے، اب خود دیکھ لیجئے کہ غیبت زندگی کی موسیقی کا ساز ہے، یا محبت و خلوص کے لئے جنگ کا نقارہ؟'' (ذکر و فکر: ۲۰۵)

(۱۷) بزدلی اوردورخاپن

حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ فرماتے ہیں:

’’غیبت کرنے والے کے دل میں بزدلی اوردورخاپن پیدا ہوجاتا ہے، بزدلی کی وجہ سے وہ لوگوں کی برائیاں ان کی پیٹھ پیچھے کرتا ہے، اور جب ان کے سامنے آتا ہے تو ان کی تعریفیں کرنا شروع کردیتا ہے، پھراس کی یہ حرکت جلد ہی ظاہر ہوجاتی ہے تو لوگوں میں ذلیل ہوجاتا ہے‘‘۔(غیبت پر عذاب:۲۸)

(۱۸) فتنہ پردازی

غیبت کے نقصانات میں فتنہ پردازی بھی ہے، حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ فرماتے ہیں:

’’جوشخص کسی کے سامنے کسی دوسرے شخص کی غیبت کرتا ہے وہ یقیناً دوسروں کے سامنے اس شخص کی غیبت کرتا ہے جس کے سامنے ابھی دوسرے کی غیبت کررہا ہے، اس طرح یہ شخص لوگوں کے درمیان فتنہ وفساد پیدا کرتا ہے، جب یہ حقیقت کھلتی ہے کہ سارا فتنہ اسی نے بھڑکایا ہے تو سب اس کے دشمن ہوجاتے ہیں‘‘۔(ایضاً:۲۸)

(۱۹) اعتماد کا خاتمہ

غیبت کے نتیجے میں انسان بے وقار اور غیر معتبر قرار پاتا ہے، جن لوگوں کے سامنے وہ کسی کی غیبت کرتا ہے وہی لوگ اسے نظروں سے گرادیتے ہیں، وہ اپنا اعتماد کھودیتا ہے، جو پھر کبھی بحال نہیں ہوپاتا، لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ دوسروں کے سامنے ان کی بھی اسی طرح غیبت کرتا ہوگا۔

شیخ سعدیؒ کے نصائح میں ہے کہ جوشخص تمہارے سامنے دوسروں کا نام برائی سے لیتا ہے، تم اس سے یہ توقع مت رکھنا کہ وہ دوسروں کے سامنے تمہارا نام اچھائی سے لیتا ہوگا، جس طرح وہ دوسروں کو تمہارے سامنے برا کہہ رہا ہے، دوسروں کے سامنے تمہیں بھی برا کہے گا،

ایک عقل مند کے سامنے کسی نے کسی کی غیبت کی، عقل مند نے اس سے کہا کہ میرے سامنے کسی کا تذکرہ برائی سے کرکے مجھے اپنے بارے میں بدگمان مت کرو۔

(۲۰) ذہنی سکون واطمینان سے محرومی

غیبت کا ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ ایسا شخص ہمیشہ بے سکون اور مضطرب رہتا ہے، اللہ اس جرم کی سزا کے طور پر اسے ’’ حَیَاۃِ مُطْمَئِنَّہٗ‘‘ (پرسکون زندگی) سے محروم کردیتا ہے، اور یہ بہت بڑی محرومی ہے۔

(۲۱) دنیا میں بدترین رسوائی

غیبت کی سزا کے طور پر اللہ دنیا میں بدترین رسوائی میں مبتلا کردیتا ہے، اس کا ایک نمونہ حضرت ابوجعفر بلخیؒ نے نقل کیا ہے:

’’ بلخ کے علاقے میں ایک انتہائی صالح نوجوان تھا، جو بے حد عبادت گذار تھا، مگر اس میں مستقل غیبت کا مرض بھی تھا، ایک دن میں نے دیکھا کہ وہ مخنثوں کی آبادی سے خادمانہ نکل رہا ہے، مجھے تحیر ہوا، میں نے پوچھا: یہ کیا ماجرا ہے؟ اس نے جواب دیا: لوگوں کی غیبت کی سزا مجھے یہ ملی کہ مجھے مخنثوں کی خدمت کا کام کرنا پڑ رہا ہے، اس طرح میں سزا جھیل رہا ہوں اور ذلیل ہو رہا ہوں، آپ اللہ سے میرے حق میں دعائے رحمت کیجئے۔ (الرسالۃ القشیریۃ:۱۵۹)

(۲۲) حضرت ابوہریرہؓ کا فکرانگیز ارشاد

حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ جو شخص اپنی عمر میں ایک بار بھی کسی کی غیبت کرے گا تو اللہ کی طرف سے اس پر دس عذاب نازل ہوں گے (الّا یہ کہ توبہ اور تلافی کرلے):

(۱) خدا کی رحمت سے دور ہوجائے گا۔

(۲) اعمال لکھنے والے فرشتے اس سے نفرت کریں گے۔

(۳) جاں کنی کے وقت اسے سخت تکلیف ہوگی۔

(۴) وہ دوزخ کے قریب ہوجائے گا۔

(۵) وہ بہشت سے دور جاپڑے گا۔

(۶) عذاب قبر کی سختیاں جھیلے گا۔

(۷) اس کے نیک اعمال کا ثواب ضائع ہوجائے گا۔

(۸) آپ ﷺ کی روح مبارک کو اس سے تکلیف پہنچے گی۔

(۹) اللہ اس سے ناراض ہوگا۔

(۱۰) قیامت کے دن اعمال تولے جاتے وقت وہ مفلس ہوگا۔

(المواعظ الحسنۃ: عبداللہ محمد حیات: ۹۹)

غیبت سے اجتناب کے ثمرات وانعامات

غیبت سماج میں رائج ان گناہوں میں ہے جن سے بہ توفیق الٰہی انتہائی مقبول بندے ہی بچ پاتے ہیں، ایک ایسے سماج میں جب ہر زبان مبتلائے غیبت ہو اور ہر مجلس کی رونق اسی منحوس غیبت کے دم سے ہو، اللہ کے وہی بندے اس سے بچ سکتے ہیں جو بہت مجاہدے کے بعد اپنے نفس، جذبات اور زبان کو کنٹرول کریں۔

پھر غیبت سے بچنے کے انتہائی مبارک اور خوشگوار اثرات وثمرات مرتب ہوتے ہیں، نیز غیبت کی نحوست سے جو دینی، دنیوی، اخلاقی، معاشرتی، قلبی، روحانی، نفسیاتی اور اخروی نقصانات انسان کو لاحق ہوتے ہیں، ترک غیبت سے انسان ان تمام مضرات سے محفوظ و مامون رہتا ہے۔

ذیل میں بہت اختصار سے ان فوائد کو شمار کرایا جا رہا ہے جو غیبت سے اجتناب کے انعام کے طور پر انسان کو حاصل ہوتے ہیں:

(۱) اعمال صالحہ کی مقبولیت، (۲) دعا کی قبولیت، (۳) اعمال نامے سے نیکیوں کا مٹایا نہ جانا، (۴) اعمال نامے کا غیبت کے جرم سے محفوظ رہنا، (۵) قیامت میں سرخروئی، (۶) میدان محشر میں حساب کی آسانی، (۷) آخرت میں غیبت کی سنگین سزاؤں سے حفاظت، (۸) عذاب قبر سے عافیت، (۹) نفاق سے حفاظت اور خلوص ایمانی سے آراستگی، (۱۰) شیطان کی غمی کا باعث ہونا، (۱۱) اللہ ورسول کی اطاعت، (۱۲) عبادات بطور خاص وضو اور روزے کا کراہت اور خرابی سے محفوظ ہونا، (۱۳) دوسروں کی پردہ پوشی، (۱۴) عداوت اور

بغض سے حفاظت اور وحدت و محبت کا استحکام، (۱۵) بزدلی اور دورخے پن سے حفاظت، (۱۶) فتنہ پردازی سے اجتناب، (۱۷) مسلمانوں کا گوشت کھانے سے بچاؤ، (۱۸) اللہ و رسول کی خوشنودی سے سرفرازی، (۱۹) پرسکون اور مطمئن زندگی حاصل ہونا، (۲۰) اپنے اعتماد اور وقار کی دوسروں کی نگاہ میں بحالی۔

یہ چند نمایاں عناوین ہیں، ورنہ فوائد و برکات بے پناہ و بے شمار ہیں، اور ان کا اصل تعلق احساس سے ہے، اللہ کے جو بندے اور بندیاں غیبت کے گناہ سے محتاط رہتے ہیں، انہیں اپنی زندگی کے ہر مرحلے میں عجیب برکات اور خوش گوار ثمرات محسوس ہوتے ہیں اور قبر و آخرت کے عالم میں وہاں کے انعامات و اعزازات سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی اور دل خوشگوار ہوں گے اور وہ اللہ کی رضا اور قرب کے مقام سے ضرور بہرہ ور ہوں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

حضرت معاذ بن جبلؓ کی سند سے منقول ایک حدیث نبوی میں صراحت آئی ہے:

مَنْ جَلَسَ فِي بَيْتِهِ لَمْ يَغْتَبْ إِنْسَانًا كَانَ ضَامِنًا عَلَى اللّٰهِ تَعَالىٰ. (الإحسان في تقريب صحيح ابن حبان: كتاب البر والإحسان: باب ما جاء في الطاعات وثوابها: ۲/۹٤: ۳۷۲)

جو شخص لوگوں کی غیبت کئے بغیر اپنے گھر میں بیٹھے تو اس کے ضامن اللہ تعالیٰ ہیں۔

اللہ کے ضامن ہونے کے مفہوم میں دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں اور راحتیں داخل ہیں اور خاص طور پر دنیا میں رزق کی وسعت و برکت اور آخرت میں جنت کا داخلہ اس میں شامل ہوتے ہیں۔

❍❖❍

غیبت میں مبتلا ہونے کے بنیادی اسباب وعوامل

غیبت کا عمل ایک صاحب ایمان کے لئے دینی، دنیوی، جسمانی، روحانی، معاشرتی اور اخلاقی ہر پہلو سے بے انتہا خطرناک اور سنگین عمل ہے، غیبت کے ارتکاب کے لئے مختلف اسباب وعوامل کارفرما ہوتے ہیں، جب تک ان اسباب پر بندش نہیں لگائی جائے گی اس لعنت کا خاتمہ نہیں ہوسکے گا، ذیل میں چند بنیادی اسباب وعوامل کا ذکر کیا جارہا ہے۔

(۱) اللہ اور آخرت سے بے خوفی

کسی بھی گناہ بطور خاص غیبت کے ارتکاب کا سب سے بنیادی سبب یہ ہوتا ہے کہ انسان اللہ سے اور عذاب آخرت سے بے خوف ہوجاتا ہے اور اسے روزِ جزا کے محاسبے کا استحضار نہیں رہ جاتا، ورنہ اگر فکرِ آخرت پیدا ہوجائے، زبان سے نکلنے والے ہر بول اور اعضاء سے صادر ہونے والے ہر عمل کے ریکارڈ ہونے کا دھیان ہو، زبان کی بے احتیاطیوں پر قبر وآخرت میں ملنے والی سزاؤں کا استحضار ہو اور اللہ کی قدرت اور پکڑ کا یقین ہو تو انسان کبھی اپنی زبان کو بے لگام نہ ہونے دے اور غیبت سے بطور خاص پوری طرح کنارہ کش رہے۔

(۲) غصہ اور انتقام

غیبت پر انسان کو ابھارنے والی ایک بنیادی چیز غصہ اور انتقام کا جوش ہے، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو جھوٹی یا سچی خبر مل جاتی ہے کہ فلاں نے اس کی برائی کی یا گالی دی، اب صبر وتحمل کے بجائے اور تحقیق کے بغیر انسان اسے برا کہنا اور غیبت کرنا شروع کردیتا ہے۔

قرآن وسنت میں غصہ پی جانے والے افراد کی جگہ جگہ توصیف وتحسین آئی ہے، انہیں جنت کے اولین مستحق بندوں میں شامل قرار دیا گیا ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے متعلق منقول ہے کہ جب انہیں اطلاع ملتی تھی کہ فلاں نے ان کی غیبت اور برائی کی ہے تو بہت ضبط سے کام لیتے تھے، بلکہ اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتے تھے اور اپنی زبان اس کی غیبت سے آلودہ نہیں کرتے تھے۔

احادیث میں حضرت ابوبکرؓ کا یہ واقعہ نقل ہوا ہے کہ آپ ﷺ کی مجلس میں کسی بدزبان نے حضرت ابوبکرؓ کو گالی دی، حضرت ابوبکرؓ خاموش رہے، اس نے دوبارہ گالی، حضرت ابوبکرؓ پھر چپ رہے، اس نے تیسری بار گالی دی، اب حضرت ابوبکرؓ نے جواب دینے کا ارادہ کیا اور کھڑے ہونے لگے، آپ ﷺ نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا:

أَوَجَدْتَ عَلَيَّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ.

اے اللہ کے رسول: کیا آپ مجھ پر ناراض ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

نَزَلَ مَلَكٌ مِنَ السَّمَاءِ يُكَذِّبُهُ بِمَا قَالَ لَكَ، فَلَمَّا انْتَصَرْتَ وَقَعَ الشَّيْطَانُ، فَلَمْ أَكُنْ لِأَجْلِسَ إِذْ وَقَعَ الشَّيْطَانُ.

جب تک تم چپ تھے تمہاری طرف سے ایک فرشتہ آسمان سے اتر کر اس گالی بکنے والے کا جواب دے رہا تھا، اور جب تم نے جواب دینے کا ارادہ کیا، شیطان درمیان میں کود پڑا، اور جب شیطان کود پڑا تو میرے لئے بیٹھنے کا موقع نہیں رہا۔ (ابوداؤد: الأدب: باب فی الانتصار: ۴۸۹۶)

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ غصہ وانتقام میں جوابی کارروائی ہوتی ہے تو شیطان اس عمل میں اپنا پورا کردار ادا کرتا ہے اور پھر بالعموم انسان اعتدال کے دائرہ سے باہر ہو جاتا ہے اور اپنے کو گنہگار کر لیتا ہے۔

عموماً ایسا ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کا کسی سے کوئی اختلاف ہوتا ہے یا باہم رنجش ہوتی ہے تو مجلسوں میں اس پر غصہ وانتقام کی کیفیات غالب آتی ہیں جو اسے غیبت اور تنقیص تک پہونچادیتی ہیں، اسی لئے قرآن مجید میں جنت اور اس کی بے شمار نعمتوں کا اصل حقدار ''اہل تقویٰ'' کو قرار دیا گیا ہے اور اہل تقویٰ کی امتیازی خصوصیت ''اَلْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ'' (غصہ پی جانے والے) بتائی گئی ہے۔

(۳) تکبر وغرور

غیبت میں ابتلاء کا بہت بنیادی سبب تکبر اور غرور کی لعنت ہے، قرآن وسنت میں بار بار اور جگہ جگہ دوسروں کو حقیر سمجھنے اور گھمنڈ پر سخت وعیدیں آئی ہیں، تکبر اور غرور اور دوسروں کی تحقیر کا عمل نسب وخاندان کی بنیاد پر ہو، حسن وجمال کی بنیاد پر ہو، مال ودولت اور عہدہ ومنصب کی بنیاد پر ہو، انسان کو اللہ کی نگاہ میں بھی مبغوض بناتا ہے اور انسانوں کی نگاہ میں بھی مبغوض بناتا ہے۔

دوسروں پر تبصرہ وتنقید کرنے والے اور غیبت وطنز کرنے والے عام طور پر تکبر اور گھمنڈ میں یہ حرکتیں انجام دیتے ہیں، اور یہی چیز ان کی تباہی اور ناکامی کا باعث ثابت ہوتی ہے۔

(۴) کثرت عبادت پر فخر اور عُجب

بہت بار ایسا ہوتا ہے کہ ایک انسان اللہ کی توفیق سے عبادات کی کثرت کی سعادت سے بہرہ ور ہوجاتا ہے، مگر بجائے اس کے کہ یہ عبادات اُس میں تواضع اور حسن اخلاق پیدا کریں، شیطان کی مداخلت سے اس میں عجب اور ناز وفخر کے جذبات پیدا ہوجاتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی زبان بے لگام ہوجاتی ہے، وہ دوسروں کی کمی تلاش کرنے لگ جاتا ہے، اب جو اسے عبادت میں مشغول نظر نہیں آتا یا جس کے اندر عبادات کی ادائیگی میں کوتاہی دکھائی دیتی ہے، یہ اس کی غیبت اور برائی میں لگ جاتا ہے۔

شریعت کی ہدایت یہ ہے کہ کسی بھی شخص کے لئے اپنی عبادتوں اور نیکیوں پر مغرور ہونا

اور دوسروں کے گناہوں کی وجہ سے تحقیر کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، اس لئے کہ آخرت کی نجات و فلاح کا تمام تر مدار و انحصار حسن خاتمہ پر ہے، بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ پوری زندگی نیکیوں میں لگے رہنے والے کا انجام برا ہوتا ہے اور پوری زندگی گناہوں میں مبتلا شخص کو آخر میں توبہ کی توفیق مل جاتی ہے اور حسن خاتمہ نصیب ہو جاتا ہے۔

(۵) برے ہم نشینوں کی رفاقت

ایسے ہم نشین جو غیبت کے عادی ہوں ان کی رفاقت، اور غیبت کی مجلسوں اور محفلوں میں شرکت انسان کو غیبت میں مبتلا کرنے والے اسباب میں بہت مضبوط سبب ہے، ابتداء میں انسان ایسے رفقاء اور مجلسوں میں صرف سنتا ہے، خاموش رہتا ہے، مگر پھر دھیرے دھیرے اس کی زبان غیبت وتبصرے کے گناہ سے آلودہ ہونے لگتی ہے، اور پھر ایک مرحلہ یہ بھی آتا ہے کہ غیبت کی قباحت کا احساس بھی دل سے جاتا رہتا ہے، اسی لئے شریعت اسلام نے بری رفاقت اور برائی کی محفلوں میں شرکت پر سختی سے قدغن لگائی ہے اور نیک لوگوں کی رفاقت وصحبت کی تاکید کی ہے بلکہ واضح کر دیا ہے کہ تقویٰ کی منزل تک رسائی جبھی ہوسکتی ہے جب اللہ کے نیک اور سچے بندوں کی صحبت میسر آئے۔

انسان احباب کی مجلسوں میں بسا اوقات غیبت سن کر ہاں میں ہاں ملانے لگتا ہے، وہ سوچتا ہے کہ اگر میں خاموش رہوں گا تو کہیں میرے دوست ناراض نہ ہو جائیں، حالاں کہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہمہ وقت پیش نظر رہنا چاہئے:

مَنْ أَسْخَطَ اللّٰهَ فِي رِضَا النَّاسِ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَأَسْخَطَ عَلَيْهِ مَنْ أَرْضَاهُ فِي سُخْطِهِ. (الترغیب والترہیب: ۳/۱۳۹)

جو شخص لوگوں کو خوش کرنے کے لئے اللہ کو ناراض کرے، تو اللہ اس سے خود بھی ناراض ہوگا اور اس نے جسے خوش کرنے کے لئے اللہ کو ناراض کیا تھا، اللہ اسے بھی ناراض کر دے گا۔

(٦) علمائے سوء سے تعلق اور ان کی صحبت

دین کا علم رکھنے والوں میں ایک طبقہ ''ربانیین'' (مخلص اللہ والوں) کا ہوتا ہے، احادیث میں ان کے لئے وارد ہوا ہے:

إِنَّ خَيْرَ الْخَيْرِ خِيَارُ الْعُلَمَاءِ. (مشكوة المصابيح:العلم: ٢٦٧)

سب سے بڑا خیر بہتر علماء ہیں۔

دوسرا طبقہ ''علمائے سوء'' (دنیادار، مفاد پرست، بے عمل اور ریا کار علماء) کا ہے، جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

أَلَا إِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ. (ايضاً)

سنو! سب سے بڑا شر برے علماء ہیں۔

حضرت حسن بصریؒ کے بقول ایسے افراد کا علم ان کے لئے وبال اور ان کے خلاف حجت ہوتا ہے۔ (ایضاً: العلم: ۲۷۰)

آپ ﷺ کی صراحت کے مطابق:

عُلَمَاءُ هُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ، مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَ فِيهِمْ تَعُودُ. (ايضاً: العلم: ٢٧٦)

ایسے علماء روئے زمین پر آسمان کے نیچے سب سے بدتر لوگ ہوتے ہیں، فتنے انہیں سے شروع ہوتے ہیں اور انہیں میں لوٹ جاتے ہیں۔

ایسے برے علماء کا سب سے محبوب مشغلہ غیبت، چغلی، بہتان، تہمت، تبصرہ، حسد اور بغض جیسے بدترین رذائل اور کبائر میں انہماک ہوتا ہے، اب جو لوگ ان علماء کے پاس آتے جاتے ہیں، تعلق رکھتے ہیں اور مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں، وہ ان علماء کی موافقت اور نقل میں خود غیبت وغیرہ گناہوں پر دلیر ہو جاتے ہیں، اور کوئی ٹوکتا ہے تو وہ ان علماء کا حوالہ دے کر

سند جواز فراہم کرتے ہیں، اسی لئے شریعت میں علماء ربانیین سے تعلق بڑھانے اور علماءسوء سے کناہ کش رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(۷) حسد

غیبت کا ایک بنیادی سبب ''حسد'' کا مرض ہے، حسد کی حقیقت یہ ہے کہ انسان دوسرے کی ترقی اور نعمت کو دیکھ کر جلنے اور کڑھنے لگے اور دل میں یہ تمنا پیدا ہو جائے کہ اس کی نعمت چھن جائے اور ترقی رک جائے۔

جب دل میں یہ روگ پیدا ہوتا ہے تو لازمی طور پر غیبت اور تبصرے کے گناہ میں آدمی مبتلا ہو جاتا ہے، اسی لئے قرآن وحدیث میں بار بار حسد کے نقصانات اور تباہ کاریوں کا ذکر کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ حسد انسان کی دنیا بھی برباد کرتا ہے اور عاقبت بھی، اور اس کی وجہ سے بہت سے گناہوں میں مبتلا ہونا پڑتا ہے، اس لئے اس سے حد درجہ اجتناب اور گریز کی ضرورت ہے۔

(۸) بغض وعداوت

بالعموم بغض وعداوت اور کینہ واختلاف جیسے رذائل کی بنیاد پر انسان غیبت کے گناہ کا شکار ہو جاتا ہے، انسان کو جب کسی سے بغض ہو جاتا ہے اور عداوت کی گرہ پڑ جاتی ہے تو زبان پر شکوے، تبصرے اور غیبت کے بول کثرت سے آتے ہیں۔

اسلام اپنے پیروکاروں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے دل بغض اور عداوت کی گندگی سے پاک رکھیں، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دل بھی پاک رہے گا اور زبان بھی غیبت کی باتوں اور برے بولوں سے محفوظ اور سلامت رہے گی، شریعت کا حکم یہ ہے کہ اپنے مخالفین کے ساتھ برا سلوک کرنے کے بجائے اچھا سلوک کیا جائے تو اللہ کی رحمتِ خاص متوجہ ہوتی ہے۔

(۹) تمسخر واستہزاء

بسا اوقات دوسروں کا مذاق اڑانے، تمسخر کرنے، طنز کرنے اور ہنسانے کی عادت

انسان کو غیبت جیسے سنگین جرم میں مبتلا کر دیتی ہے، پھر ایسا شخص نہ دنیا میں با عزت رہتا ہے کہ دوسروں کے ساتھ تمسخر کی نقد سزا دنیا میں اسے مل کر رہتی ہے، اور نہ وہ آخرت میں با عزت رہ سکے گا، سر محشر اللہ کی طرف سے اس کے مقدر میں رسوائی آکر رہے گی۔

(۱۰) بدگمانی

بدگمانی بدزبانی کا بہت بڑا سبب ہوتی ہے، حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ نے تحریر فرمایا ہے:

"سمجھنا چاہئے کہ مسلمان سے بدگمانی رکھنا اور اس کی غیبت کرنا منع ہے کیونکہ بدگمانی اگر بغیر کسی کے کہنے کے ہے تو ایسی بدگمانی لائق حماقت ہے کیونکہ واقع کا حال معلوم نہیں، شاید جس بات کا ہم گمان کرتے ہیں اس مسلمان میں نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "اَلظَّنُّ یُخطِئُ وَیُصِیبُ" (گمان کبھی سچا ہوتا ہے اور کبھی غلط ہوتا ہے) لہذا فقط گمان پر اعتماد نہ کرنا چاہئے، اس کو ابن مردویہ نے روایت کیا ہے اور سیوطیؒ نے تفسیر درمنثور میں نقل کیا ہے، اور اگر کسی شخص نے اس مسلمان کا کچھ عیب بیان کیا جس کی وجہ سے بدگمانی ہوئی تو سمجھنا چاہئے کہ بیان کرنے والے کی سچائی کہاں سے معلوم ہوئی کیونکہ اس پر وحی نہیں آئی، شاید وہ بھی جھوٹ کہتا ہو، اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ جس نے اس مسلمان کی صفت کو نقل کیا اس نے غیبت کی، اور غیبت کرنے والا فاسق ہوتا ہے، اور فاسق کے قول کا اعتبار نہیں ہے، اور اگر خود کسی کو کسی کام میں مبتلا دیکھا مثلاً کسی کو دیکھا کہ وہ زنا کرتا ہے تو اس سبب سے بدگمانی ہوئی کہ وہ شخص زانی ہے تو اس کا دفع یوں کرنا چاہئے کہ شاید اس نے ایک مرتبہ توبہ کر لی ہو اور ایک مرتبہ اس پر شیطان غالب ہو گیا پھر وہ ابلیس پر غالب ہو گیا ہو، اور اگر کسی مسلمان سے کوئی ایسا کلمہ صادر ہوا کہ اس سبب سے بدگمانی ہوئی تو اس کا دفعیہ یہ ہے کہ شاید اس مسلمان کے اس قول سے کوئی اور بات مراد ہو کیونکہ جب تک کلام کا ایک

مطلب صحیح بھی نکلتا ہو اس سے محض غلط بات ہی نکالنا غلط ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا تَظُنَّ بِكَلِمَةٍ خَرَجَتْ مِنْ أَخِيكَ سُوْءً وَ أَنْتَ تَجِدُلَهَا فِيْ الْخَيْرِ مَحْمِلاً.

جو بات تیرے بھائی کی زبان سے نکلے جب تک اس کا مطلب خیر نکل سکتا ہے مطلب باطل پر اس کو محمول نہ کرنا چاہیئے، اس کو در منثور نے احمد بن حنبلؒ کی روایت سے نقل کیا ہے''۔(غیبت کیا ہے:۱۹۶-۱۹۷)

(۱۱) تذلیل وتحقیر کی بری نیت

آدمی اگر کسی کی تذلیل وتحقیر کا ارادہ کرتا ہے تو اپنی زبان سے اس کی غیبت اور شکایت شروع کر دیتا ہے، تذلیل وتحقیر کی نیت انسان کے غیبت میں مبتلا ہونے کا بہت بڑا سبب ہوتی ہے، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ ایسا کرنے والا اپنی آخرت برباد کر بیٹھتا ہے، آج ہم جسے ذلیل کرنے کے ارادے سے تبصرے اور غیبت کرتے ہیں، کل روزِ قیامت اللہ اسے عزت عطا فرمائے گا اور ہمارے حصے میں وہاں کی رسوائی ہی آئے گی، بلکہ اس کے گناہ بھی ہمارے اوپر ڈال دیئے جائیں گے۔

(۱۲) اپنے عیوب اور گناہوں سے بے فکری اور دوسروں کے عیوب کی تلاش

آدمی جب اپنے عیوب اور گناہوں کی طرف سے بے فکر ہو جاتا ہے، اور اس کی نگاہ ہمیشہ دوسروں کی کمیوں اور عیوب پر رہتی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی زبان غیبت اور تبصرے کی عادی ہو جاتی ہے، عربی کی مشہور مثل ہے:

كُلُّ إِنَاءٍ يَتَرَشَّحُ بِمَا فِيهِ.

جو برتن میں ہوتا ہے وہی نکلتا ہے۔

معروف شیخ طریقت حضرت حاجی شکیل احمد صاحب مدظلہ کے مواعظ میں ایک جگہ مذکور ہے:

''سب سے زیادہ غیبت وہ شخص کرتا ہے جو سب سے زیادہ لوگوں کی برائیوں پر نظر رکھتا ہے اس لئے کہ وہ دن بھر لوگوں کے عیبوں کو دیکھ کر اور سن کر انہیں اپنے اندر سماتا رہتا ہے، پھر وہ جہاں کہیں بیٹھتا ہے تو انہیں اندر کے عیبوں اور برائیوں کو باہر نکالتا ہے کیوں کہ ہمارا دماغ بھی ایک کمپیوٹر ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اب تک کمپیوٹر میں جتنے پروگرام بنائے گئے یا بنائے جارہے ہیں وہ درحقیقت انسانی دماغ پر ریسرچ کرکے بنائے جارہے ہیں بلکہ ماہرین تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اب تک اس انسانی دماغ کا صرف پندرہ فیصد حصہ استعمال ہوا ہے جس کا نتیجہ اتنی ساری سائنسی تحقیقات وایجادات کی شکل میں ظاہر ہوا ہے اور بقیہ پچاسی فیصد حصہ بھی بعینہ اسی طرح کام کررہا ہے لیکن اس کا استعمال اب تک ہماری دسترس سے باہر ہے، اور کمپیوٹر کے جاننے والے حضرات یہ جانتے ہیں کہ جو پروگرام کمپیوٹر میں ڈالے جاتے ہیں انہیں کمپیوٹر کی اصطلاح میں اِن پُٹ اور باہر آنے والے پروگراموں کو اصطلاحاً آؤٹ پُٹ کہا جاتا ہے، یعنی جو اِن پُٹ میں ڈالا جاتا ہے وہی آؤٹ پُٹ میں نکلتا ہے کبھی اس کے خلاف نہیں ہوتا کہ اِن پُٹ میں کوئی پروگرام ڈالا گیا ہو اور آؤٹ پُٹ میں کوئی دوسرا پروگرام نکلا ہو، ٹھیک اسی طرح ہمارا دماغ بھی ہے کہ جو چیزیں اس میں ڈالی جاتی ہیں وہی چیزیں باہر نکلتی ہیں، اب جو شخص دن بھر لوگوں کی برائیوں کو دیکھتا یا سنتا رہتا ہے تو اس کے دماغ میں یہی برائیاں جمع ہوتی رہتی ہیں پھر یہ شخص جہاں کہیں بیٹھتا ہے تو انہیں جمع شدہ برائیوں کو باہر نکالتا ہے، یعنی برائیوں کے ساتھ ہی لوگوں کا تذکرہ کرتا ہے، اس کے برخلاف وہ شخص جو لوگوں کی بھلائیوں پر نظر رکھتا ہے تو بھلائیوں پر نگاہ رکھنے کی وجہ سے وہی بھلائیاں اس کے اندر جمع ہوتی رہتی ہیں پھر یہ

جہاں کہیں بیٹھتا ہے تو انہیں جمع شدہ بھلائیوں کو باہر نکالتا ہے یعنی بھلائی کے ساتھ ہی لوگوں کا تذکرہ کرتا ہے۔

اس لئے ہمیں چاہیے کہ لوگوں کے عیوب سے چشم پوشی کرتے ہوئے ان کی بھلائیوں پر نگاہ رکھیں تا کہ ان کی بھلائیاں ہمارے اندر منتقل ہوں، یہ میں نہیں کہتا بلکہ میں نے ایک کتاب میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا یہ ملفوظ پڑھا کہ جب کوئی تمہارے سامنے کسی کا برائی سے تذکرہ کرے تو تم اس کے اندر سے کھنگال کر کسی اچھائی کو نکال لو تو وہی اچھائی آج تمہارے اندر منتقل ہوگی، اسی طرح روزانہ ہر شخص کی ملاقات پر اس کے اندر سے اچھائی تلاش کرنے کی فکر کرتے رہو کیونکہ ہر شخص کے اندر اللہ پاک نے کوئی نہ کوئی خوبی ضرور رکھی ہے، اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس کی برائیوں سے نگاہ ہٹاتے ہوئے اس کی خوبیوں کو تلاش کریں، جب ہم اس پر عمل کریں گے تو دن بھر جتنے لوگوں سے ہماری ملاقات ہوگی ان شاء اللہ اتنی بھلائیاں اور خوبیاں ہمارے اندر منتقل ہوں گی اور پھر جہاں کہیں ہم بیٹھیں گے تو لوگوں کی انہیں بھلائیوں اور خوبیوں کا تذکرہ کریں گے"۔ (درآب دار الضیافۃ الابرار: ۱/۲۳۰-۲۲۹)

(۱۳) وقت گزاری اور مجلس آرائی

بالعموم لوگ اپنی مجلسوں میں مجلس آرائی کے طور پر، وقت گزاری کے لئے اور مجلسوں کو رنگارنگ بنانے کے لئے غیبت اور دوسروں پر تبصروں کا بازار گرم رکھتے ہیں، حالانکہ ہمت کر کے اور اپنے عیوب کا استحضار کر کے اگر اس سے بچنے کی کوشش کی جائے تو اللہ کی توفیق سے کچھ وقت گزرنے کے بعد ایسے گناہ سے حفاظت ہو جاتی ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم فرماتے ہیں:

"میں نے ایک مرتبہ غیبت کے بارے میں ایک مضمون لکھا، ایک یونیورسٹی کے پروفیسر صاحب نے وہ مضمون پڑھ کر مجھے ایک خط لکھا کہ آپ نے اس مضمون میں غیبت کی

بہت برائی بیان کی کہ یہ غیبت گناہ کبیرہ ہے، حرام اور ناجائز ہے، اس کو چھوڑنا چاہئے۔ میں نے اس غیبت پر بہت غور کیا، میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اگر ''غیبت'' کو زندگی سے نکال دیں تو یہ زندگی پھیکی ہے، اس میں پھر کوئی مزہ ہی نہیں ہے، اس لئے کہ جب ہم دو چار آدمی ملکر بیٹھتے ہیں اور کوئی بات چیت چلتی ہے تو اس بات چیت میں غیبت شامل نہ ہو تو ہم پھر کسی موضوع پر بات چیت کریں؟ بس پھر تو ''اللہ اللہ'' ہی کریں، اور کوئی ہنسی مذاق کی بات، کوئی تفریح کی بات، کوئی دل لگی کی گفتگو تو ہو ہی نہیں سکتی، آپ نے اتنا لمبا چوڑا مضمون لکھا اور اس کی اتنی برائیاں بیان کیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ یہ چاہتے ہیں کہ سب لوگ اپنی تفریح وغیرہ سے دست بردار ہو جائیں اور زندگی کا لطف ہی ختم کر دیں، چونکہ وہ پروفیسر صاحب تھے، اس لئے اپنی ذہنی سوچ کے مطابق آخر میں یہ کہا کہ میں نہیں سمجھتا کہ اسلام ایسی چیز کو منع کرے گا جس کو انسان ہر وقت کرتا ہے، اور اگر نہ کرے تو مزہ ہی نہ رہے، یہ خط لکھ کر بھیجا۔

میں نے اس خط کے جواب میں لکھا کہ یہ جو آپ فرما رہے ہیں کہ اگر غیبت کو زندگی سے نکال دیا جائے تو زندگی کا مزہ ہی ختم ہو جائے، تو آپ کی زندگی کا مزہ تو ''غیبت'' نہ کرنے کی وجہ سے ختم ہو جائے گا، لیکن جب دوسرا شخص آپ کی غیبت کر رہا ہو، اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ جب آپ کو پتہ چلے کہ پروفیسر صاحب کے بارے میں فلاں شخص نے فلاں مجلس میں یہ بات کہی، فلاں شخص نے فلاں مجلس میں یہ بات کہی، تو اس وقت آپ کو زندگی کا لطف آئے گا یا کیا حال ہوگا؟

بات دراصل یہ ہے کہ ہر انسان اپنے لطف اور مزہ کو دیکھتا ہے، لیکن یہ نہیں دیکھتا کہ جو کام میں دوسرے کے ساتھ کر رہا ہوں، اگر دوسرا میرے ساتھ کرے تو مجھ پر کیا گزرے؟ مجھ پر کیا بیتے؟'' (اصلاحی مجالس: ۱/۱۲۴-۱۲۵)

''رہا یہ سوال کہ ''اگر ہم دوسروں کے متعلق بات نہ کریں تو پھر کیا کریں'' یا یہ خیال کہ

''اگر دوسروں کے ذکر کو نکال دیا جائے تو ہماری روزانہ کی گفتگو میں کچھ نہ رہے گا'' تو ظاہر ہے کہ یہ باتیں مبالغے پر مبنی ہیں، کیا واقعی دوسروں کی برائی کے سوا ہمارے پاس بات کرنے کیلئے کوئی موضوع نہیں ہے؟ اصل بات تو یہ ہے کہ اگر اللہ تعالی ہمیں خود اپنے عیوب کی اصلاح کی فکر عطا فرمادے تو شاید ہمارے پاس بولنے ہی کے لئے نہیں سوچنے کے لئے بھی کوئی اور موضوع نہ رہے، جو شخص خود کسی شدید درد یا مہلک بیماری میں مبتلا ہو، وہ دوسرے کے نزلے کھانسی کا تذکرہ کرے گا یا اپنے درد اور تکلیف کا؟ لیکن اگر اس اعلی مقام سے بھی تھوڑی دیر کے لئے صرف نظر کر لیں تب بھی غیبت کو چھوڑنا دو وجہ سے مشکل معلوم ہوتا ہے، ایک تو اس لئے کہ غیبت کی صحیح حقیقت معلوم نہیں ہوتی، اور بعض مرتبہ اس بات کو بھی غیبت سمجھ لیا جاتا ہے جو درحقیقت غیبت نہیں ہے، یا غیبت تو ہے لیکن حرام نہیں ہے، دوسروں پر ہر تنقید غیبت نہیں ہوتی، صرف وہ تنقید غیبت ہے جو کسی جائز وجہ کے بغیر اس طرح کی جائے کہ وہ متعلقہ شخص کو ناگوار ہو، یا اس کی دل آزاری کا سبب بنے، لوگ ہر قسم کی تنقید کو غیبت اور حرام سمجھ کر یہ سوچنے لگتے ہیں کہ غیبت کو چھوڑنا قابل عمل نہیں ہے، اور پھر ہر قسم کی غیبت کا بے محابا ارتکاب کرتے چلے جاتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب کسی بیماری کی وجہ سے ذائقہ خراب ہو جائے (یا کسی فکری یا نفسیاتی بیماری سے ذوق بگڑ جائے) تو کڑوی چیز میٹھی اور میٹھی چیز کڑوی معلوم ہونے لگتی ہے، پھر کڑوی چیز کو چھوڑنا مشکل معلوم ہوتا ہے، اس کا علاج یہ نہیں کہ کڑوی چیز کو میٹھی ثابت کرنے کی کوشش کی جائے، بلکہ اس کا علاج یہ ہے کہ اس بیماری کے ازالے کی فکر کی جائے جس نے ذوق یا ذائقہ بگاڑ رکھا ہے۔ اس کے لئے کسی ایسے ماہر طبیب کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے جو بیماری کی تشخیص کر کے اس کا علاج کرے، اور یہ بھی سوچنا پڑتا ہے کہ بیماری کی وجہ سے فیصلہ میرا صحیح نہیں، صحیح فیصلہ اس ماہر طبیب ہی کا ہے، خواہ وہ مجھے بظاہر کتنا غلط یا مشکل معلوم ہوتا ہو، جب انسان اس طبیب کے کہنے پر عمل کرتا ہے، تو رفتہ رفتہ بیماری دور ہو جاتی ہے۔

انسان کا حال یہی ہے کہ مختلف بیرونی عوامل سے اس کا ذوق اور ذائقہ بگڑتا رہتا ہے، اور وہ مہلک چیزوں کو لذیذ سمجھنے لگتا ہے، ایسے ہی مواقع پر قرآن وحدیث اس کے لئے طبیب کا کام کرتے ہیں، جوان کی بات مان کر عمل کر لیتا ہے، اس کی بیماری دور ہو جاتی ہے، اور پھر اسے زندگی کا لطف گناہوں میں نہیں، گناہوں سے بچنے میں حاصل ہوتا ہے، اور اسے پتہ چلتا ہے کہ گناہوں کی لذت درحقیقت ایسی لذت ہے جیسے ایک خارش زدہ شخص کو اپنی خارش کی جگہ کھجانے میں لذت محسوس ہوتی ہے، لیکن وہ محض دھوکے کی لذت ہے جو صحت اور تندرستی کی لذت کے آگے کوئی حقیقت نہیں رکھتی''۔(ذکر وفکر:۲۰۶-۲۰۷)

(۱۴) مال وجاہ کا حصول

بسا اوقات دنیا کی وجاہت، منصب واقتدار، اصحاب اقتدار کا قرب اور مال ودولت حاصل کرنے کی ہوس انسان کو غیبت کے راستے پر لے جاتی ہے، بطورِ خاص اہل دولت وثروت اور اہل منصب واقتدار کے حاشیہ برداراور درباری مقربین کا تو خاص مشغلہ اور پیشہ یہی ہوتا ہے۔

حالانکہ دنیا کے یہ منافع وقتی ہوتے ہیں، پھر اپنے کیے کا انجام عام طور پر دنیا ہی میں سامنے آتا ہے، اس لئے قرآن وسنت میں بار بار ایسی غلط حرکتوں سے روکا گیا ہے۔

(۱۵) اپنی صفائی پیش کرنا

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان سے کوئی غلطی یا گناہ ہو جاتا ہے، پھر وہ اپنی برأت کے لئے دوسرے ایسے افراد کا تذکرہ شروع کر دیتا ہے جنہوں نے وہی غلطی اور گناہ کیے ہوں، جب کہ اسے صرف اپنی برأت پیش کرنے کا حق ہے، دوسرے افراد کے گناہوں کا تذکرہ کرنے اور غیبت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

(۱۶) ماتحتوں کی حکم عدولی

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کسی شعبے کا ذمہ دار ہوتا ہے، اس کا ماتحت عملہ ہوتا ہے،

ماتحتوں میں سے کچھ افراد حکم عدولی کرتے ہیں، تو اب یہ ذمہ دار شخص ان کی لوگوں کے سامنے شکایتیں شروع کردیتا ہے، ذمہ دار کا متعلقہ شخص سے اصلاح کے لئے شکایت کرنا تو بجا اور درست ہے، لیکن ہر ایک کے سامنے اس کی برائی کرنا، اور غیر متعلق افراد کے سامنے بھی اس کے عیوب اور کمیاں ظاہر کرنا بالکل درست نہیں ہے، ایسے مواقع پر درست طریقہ یہ ہے کہ آدمی حکم عدولی کرنے والوں سے براہِ راست اس معاملے میں گفتگو کرے اور ان کو نصیحت اور تنبیہ بھی کردے کہ اگر آئندہ حکم عدولی یا نافرمانی کروگے تو مسائل پیدا ہوں گے، اور ایک آدھ مرتبہ معاف بھی کردے، نہ تو حد سے زیادہ غصے کا اظہار کرے اور نہ کوئی ظلم کرے، حسب موقع اصلاح کے لئے اعتدال کی حدود میں رہتے ہوئے کوئی سزا دیدے اور ہرگز ان افراد کی برائی کسی غیر متعلق شخص سے نہ کرے، اس لئے کہ ملازم کو بدنام کرنا اور اس کی غیبت کرنا بھی گناہ میں شامل ہے۔

غیبت کا کفارہ اور اس سے حفاظت کی مؤثر تدبیریں

توبہ واستغفار اور صاحب معاملہ سے معافی تلافی

غیبت بدترین اور مہلک ترین کبیرہ گناہ ہے، جس انسان سے یہ جرم صادر ہوجائے اسے نڈر اور مصر ہونے کے بجائے پہلی فرصت میں اسے معاف کرانے اور اپنے دامن کو اس سے صاف کرنے کی فکر کرنی چاہیئے، اس سلسلہ میں سب سے پہلا مرحلہ اللہ کی بارگاہ میں سچی پکی توبہ کا ہے، چنانچہ ایسے شخص کو سچی ندامت کے ساتھ فوراً اس گناہ سے رک جانا چاہیئے اور آئندہ ایسا گناہ کبھی نہ کرنے کا سچا اور پختہ عزم کرنا چاہیئے، پھر چونکہ غیبت حقوق العباد سے براہ راست متعلق گناہ ہے، اس لئے صاحب معاملہ (جس کی غیبت کی گئی ہے) سے معافی تلافی بھی ضروری ہے جو دوسرا مرحلہ ہے۔

صاحب معاملہ سے معافی تلافی کے مرحلے میں شرعی اور فقہی اعتبار سے تفصیل ہے، جس کا حاصل مختصر الفاظ میں یہ ہے:

(۱) اگر صاحب معاملہ کو اپنی غیبت کی پوری تفصیل معلوم ہے اور اس سے ملاقات یا رابطہ ممکن ہے تو غیبت کرنے والے کی ذمہ داری ہے کہ اس سے براہ راست ملاقات یا رابطہ کرے، اور صاف صاف اپنے قصور کا اعتراف کرے، اور پوری تفصیل بیان کر کے صدق دل سے دست بستہ معافی کا طلبگار ہو۔

(۲) اگر صاحب معاملہ کو مختصراً غیبت کا علم ہو، تفصیل معلوم نہ ہو، تو غیبت کرنے والا اس سے تفصیل بیان نہ کرے، اس لئے کہ تکدر اور ملال بڑھ سکتا ہے، بلکہ اجمالاً اپنے گناہ اور

قصور کا ذکر کر کے معافی طلب کرے، احادیث میں صراحت آئی ہے:

إِنَّ صَاحِبَ الْغِيْبَةِ لا يُغْفَرُ لَهُ حَتَّى يَغْفِرَ لَهَا صَاحِبُهُ. (موسوعة ابن ابی الدنیا: ذم الغیبة: ۱/۲٤۸)

بلاشبہ غیبت کرنے والے کو معافی نہیں ملتی جب تک صاحب معاملہ اسے معاف نہ کردے۔

البتہ اگر صاحب معاملہ کسی حکمت سے تفصیل دریافت کرلے تو تفصیل بتائی جاسکتی ہے، حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے تھے:

''جب کوئی شخص مجھ سے یہ کہتا ہے کہ میں نے آپ کی غیبت کی ہے، مجھے معاف کردو، تو میں اس سے کہتا ہوں کہ میں معاف تو ضرور کردوں گا، لیکن پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ کیا غیبت کی تھی؟ ظاہر ہے کہ صاحب حق کو یہ پوچھنے کا حق ہے کہ کیا غیبت کی تھی؟ فرماتے تھے کہ اس سوال سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات غیبت سچی ہوتی ہے، اس لئے کہ غیبت کے اندر یہ ضروری نہیں کہ غلط ہی ہو، تو اس کے بتانے سے اپنی غلطی کا پتہ لگ جاتا ہے۔

دوسرے اس کے ذریعہ یہ پتہ چل جاتا ہے کہ تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا غیر جانبدارانہ تبصرہ کیا ہے؟

کہتی ہے تجھے خلقِ خدا غائبانہ کیا

کیونکہ جو لوگ تمہارے اردگرد رہتے ہیں وہ تو تمہاری تعریف ہی کریں گے، تمہیں اچھا ہی کہیں گے، لیکن پیٹھ پیچھے تمہیں لوگ کیا کہتے ہیں اور تمہارے بارے میں کیا خیال کرتے ہیں، کیا تصور رکھتے ہیں اس کا علم ہو جانا بھی مفید ہوتا ہے، کیونکہ اگر سب لوگ تمہاری تعریف کرتے رہیں تو اس کے نتیجے میں بعض اوقات آدمی کے دل میں عجب پیدا ہو جاتا ہے، اور یہ سوچتا ہے کہ یہ ساری مخلوق جو میری تعریف کررہی ہے تو ضرور میرے اندر کمال ہے جس کی وجہ سے یہ ساری مخلوق میرے پیچھے پڑی ہوئی

ہے، اس طرح دل میں عجب پیدا ہو جاتا ہے۔

اس عجب کا علاج یہ ہے کہ تم یہ دیکھو کہ جو لوگ تمہارے پیچھے رہنے والے ہیں، وہ تمہیں کیا کہتے ہیں؟ اور تمہارے بارے میں ان کی کیا رائے ہے؟ اس کے ذریعہ انسان کے عجب کا علاج ہوتا ہے، اس لئے حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ جب میرے پاس کوئی معافی مانگنے آتا تو میں اس سے کہتا کہ میں معاف تو کردوں گا، لیکن پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ کیا غیبت کی تھی؟ جب بتاؤ گے تو میں معاف کردوں گا''۔ (اصلاحی مجالس: ۱/ ۱۷۸-۱۷۹)

(۳) اگر صاحب معاملہ کو غیبت کا علم تھا مگر وہ دنیا سے جا چکا ہے یا اس سے ملاقات اور رابطہ کسی وجہ سے ممکن نہیں رہا، تو اب غیبت کرنے والا اس کے لئے دعائے خیر و مغفرت کرے اور لوگوں کے سامنے اس کی تعریف اور ذکر خیر کرے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

''اگر وہ شخص مر گیا ہو جس کی غیبت کی ہے، تو اب معاف کرانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے لئے دعا و استغفار کرتے رہو، یہاں تک کہ دل گواہی دیدے کہ اب وہ تم سے راضی ہو گیا ہوگا''۔ (اصلاحی مجالس: ۱/ ۱۸۳)

(۴) اور اگر صاحب معاملہ کو غیبت کا علم نہ ہو، تو اب راجح قول کے مطابق غیبت کرنے والا اس سے ذکر نہ کرے بلکہ اللہ کے دربار میں خوب توبہ و استغفار اور اس کے لئے دعائے خیر و مغفرت اور مجمع میں اس کا ذکر خیر کرے، اور یہ عزم رکھے کہ اب کبھی اس کی غیبت نہیں کروں گا، حضرت عبداللہ بن المبارکؒ فرماتے ہیں:

إِذَا اغْتَابَ رَجُلٌ رَجُلاً فَلاَ يُخْبِرُ بِهِ وَ لٰكِنْ يَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ. (الدر المنثور للسیوطی: ۷/ ۵۷۷)

اگر کوئی آدمی کسی کی غیبت کرے (اور صاحب معاملہ کو علم نہ ہو) تو صاحب معاملہ کو خبر نہ کرے (اس لئے کہ اس سے تکدر اور اذیت ہوتی ہے) بلکہ اللہ سے مغفرت کا طلبگار رہو۔

صاحب معاملہ (جس کی غیبت کی گئی ہو) کا انتقال ہوجانے کی صورت میں معاملہ بہت مشکل ہوجاتا ہے، امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے:

''جب قرض کے متعلق حدیث میں یہ وارد ہے کہ جب تک میت کے ذمہ قرض رہتا ہے، اس کی روح معلق رہتی ہے تو غیبت کا کیا حال ہوگا، کیونکہ قرض کو تو ادا کرنے کی بھی صورتیں ہیں، وارث بھی میت کی طرف سے ادا کر سکتے ہیں اور غیبت کا دَین ادا نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اگر کسی شخص کا دَین ہمارے ذمہ ہو اور وہ مر جائے تو ہم اس کے وارثوں کو ادا کر کے یا معاف کرا کے اس سے بری ہو سکتے ہیں، لیکن اگر ہم نے کسی کی غیبت کی اور اس کا انتقال ہوگیا تو ہم اگر اس کے سارے وارثوں کو بلکہ ساری دنیا کو راضی کرلیں اور سب سے معافی مانگتے پھریں، اس کا مطالبہ ہم سے ساقط نہیں ہوسکتا، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی آبرو اس کے مال سے زیادہ واجب الاحترام ہے''۔ (کشکول: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ: ۹۷)

تاہم اس مشکل کا صرف یہی حل ہے کہ توبہ، استغفار، اور صاحب معاملہ کا ذکر خیر اور اس کے لئے دعا کی کثرت کا اہتمام کیا جائے۔

بہر حال صاحب معاملہ سے معافی تلافی بہت اہم ہے، خود حضور اکرم ﷺ نے مختلف مواقع پر صحابہ سے فرمایا کہ جس کا مجھ پر کوئی بھی حق ہو وہ وصول کرلے، مرض الوفات میں ۸/ ربیع الاول ۱۱ھ جمعرات کو آپ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی، آپ کی امامت میں یہ آخری نماز صحابہ نے ادا کی، نماز کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''مجھ پر کسی کا حق ہو تو وہ مجھ سے لے لے، میں نے کسی کی پیٹھ پر مارا ہو تو پیٹھ حاضر ہے، انتقام لے لے، کسی کی عزت کے خلاف کچھ کہا ہو وہ مجھے کہہ لے، کسی کا مال لیا ہو آ کر وصول کرلے، میرا سینہ کینہ سے پاک ہے، جو مجھ سے اپنا حق لے گا وہ مجھے محبوب ہوگا، میں اپنے رب سے پاک صاف ہو کر ملوں گا''۔ (الرحیق المختوم: ۲۷، الوفا: لابن الجوزی: ۷۹۴)

غور کیجیے: ان جملوں سے حقوق العباد کی اہمیت کس درجہ اجاگر کی جا رہی ہے، اور یہ سبق دیا جا رہا ہے کہ انسان دنیا سے اس حال میں رخصت ہو کر اپنے رب کے حضور حاضر ہو کہ اس کے دامن پر حق تلفی اور ظلم کا کوئی دھبہ نہ ہو۔

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

''میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جب دل کا دورہ پڑا، اسپتال میں بستر پر لیٹے ہوئے تھے، جب ہوش آیا تو پہلا کام جو مجھ سے فرمایا، وہ یہ تھا کہ:

میری طرف سے میرے تمام متعلقین کو ایک تحریر لکھ کر بھیج دو کہ جس کسی کا کوئی حق مجھ سے فوت ہوا ہو، یا کسی کی غیبت کی ہو، یا برائی کی ہو تو وہ مجھ سے بدلہ لے لے یا مجھے معاف کر دے۔ چنانچہ میں نے وہ تحریر لکھی اور '' کچھ تلافیٔ مافات'' کے نام سے پہلے ''البلاغ'' میں شائع کی، اور پھر اس کو ایک پمفلٹ کی صورت میں شائع کر کے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جتنے متعلقین تھے، ان سب کے پاس بھیجا۔

بہر حال، حقوق العباد کی معافی کیلئے صرف زبانی توبہ کافی نہیں، بلکہ صاحب حق سے معاف کرانا ضروری ہے، اور غیبت کرنا حق العبد کو ضائع کرنا ہے، لہذا جس کی غیبت کی ہے اس سے معافی مانگنا ضروری ہے''۔ (اصلاحی مجالس: ۱/۱۸۱)

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ کے مواعظ میں ہے:

''اب رہا یہ سوال کہ جو غیبتیں ہوگئی ہیں ان کا کیا کیا جائے؟ اس کے عذاب سے بچنے کے لئے یہ سوچیں کہ بالغ ہونے کے بعد اب تک کن کن لوگوں کی غیبت آپ سے ہوئی ہے، ان میں سے جو لوگ زندہ ہیں اور ان سے بے تکلفی کا معاملہ ہے انہیں یہ نہ بتائیں کہ میں نے آپ کی غیبت کی ہے، کیونکہ بتانے سے انہیں تکلیف ہوگی اس لئے بتائے بغیر صرف یہ کہہ دیں: ہمارا اور آپ کا عرصے تک ایک ساتھ اٹھنا بیٹھنا رہا ہے، ہو سکتا ہے کہ ایک دوسرے کے حق میں کوئی کوتاہی ہوگئی ہو، لہذا میری طرف سے

جو کوتاہیاں ہوئی ہوں معاف کر دیں، اور جو لوگ اب زندہ نہیں رہے یا ان کے ساتھ بے تکلفی کا معاملہ نہیں ان کے لئے مغفرت کی دعاء اور روزانہ تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر ایصال ثواب کا معمول بنالیں، ان شاء اللہ تعالی اس طرح کرنے سے لوگوں کے وہ حقوق جو غیبت کی وجہ سے آپ کے ذمہ اور آپ پر عذاب ہیں ان کی تلافی ہو جائے گی، اللہ تعالی سے بھی استغفار کریں اور جن کے سامنے غیبت کی ہے ان کے سامنے توبہ بھی کریں، اگر ایسے سب افراد کا علم نہ ہو یا ہر فرد کے پاس پہنچنا مشکل ہو تو توبہ کا عام اعلان کریں''۔(غیبت پر عذاب:۳۳،۳۴)

ممتاز عالم دین حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے اپنے ایک مکتوب میں حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ کے نام لکھا تھا:

''آخر میں ایک بات خاص طور سے لکھتا ہوں، ہماری بدقسمتی سے دارالعلوم سے متعلق جو واقعات پیش آئے اور جو اختلاف پیدا ہوا، غالب گمان ہے کہ اس سلسلے میں کبھی آپ کے متعلق کوئی ایسی بات بھی کی ہوگی جو غیبت کی حد میں آئی ہوگی، اور غیبت سنی بھی ہوگی، میں آپ سے اس کی معافی چاہتا ہوں، آپ معاف کر دیں تو مجھ پر بڑا احسان ہوگا، واللہ یحب المحسنین''۔(لالہ وگل:۲۱۰)

غیبت سے حفاظت کے نسخے

غیبت سے بچنے کی جو تدبیریں اور نسخے بے حد مؤثر اور کارگر ہوتے ہیں ان میں سے چند کا یہاں مختصراً ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) آخرت میں جواب دہی کی فکر اور استحضار

اگر دل میں آخرت کا سچا یقین ہو اور یہ استحضار ہو کہ میدان محشر میں اپنے ہر چھوٹے بڑے قول وعمل اور نقل وادا کا برسر عام اللہ کے سامنے جواب دینا ہے، اور اگر دنیا میں کسی کی برائی یا تبصرہ کر دیا تو قیامت میں یہ عمل سامنے آکے رہے گا اور صاحب معاملہ کو اپنی نیکیاں عوض

میں دینی پڑیں گی یا اس کے گناہ اپنے ذمے لینے پڑیں گے، اگر یہ فکر پیدا ہوجائے تو انسان غیبت چھوڑنے میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہ کرے، اور جس کی برائی کر چکا ہے اس سے بلا تاخیر معافی تلافی کرلے اور معاملہ صاف کرلے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

''پھانسی کے ملزم کو معمولی مقدمہ والوں کی غیبت کرتے نہ دیکھا ہوگا اور کوڑھ کے مرض والوں کو زکام والے پر ہنستے نہ دیکھا ہوگا، پس قیامت کی ہولناک پیشی اور انجام پر نظر رکھنے والے دوسروں پر ہنسا نہیں کرتے، نہ غیبت کی انہیں فرصت نہ ہمت''۔

(اصلاح اخلاق: از مولانا حکیم محمد اختر صاحب: ۵۹-۶۰)

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحبؒ فرماتے ہیں:

''اپنی زندگی کا محاسبہ کیا جائے کہ بالغ ہونے کے بعد اب تک کتنے لوگوں کی غیبت کر چکے ہیں، سوچنے پر یہ معلوم ہوگا کہ ایسے لوگوں کی تعداد بے حساب ہے، جن کی غیبت آپ کر چکے ہیں، آپ کے نیک اعمال کی مقدار جتنی ہے اس سے کئی گنا زیادہ آپ نے غیبت کی ہوگی، اس محاسبہ کے بعد سوچئے کہ اولاً تو ہمارے نیک اعمال ہیں ہی کتنے؟ اور جو کچھ ہیں وہ غیبت کی وجہ سے آخرت میں ہمارے کام نہیں آئیں گے، بلکہ ان لوگوں کو دے دیئے جائیں گے جن کی غیبت کی ہے، اس طرح ہم انہیں فائدہ پہنچا رہے ہیں اور اپنا نقصان کررہے ہیں، اپنی پوری محنت اور ساری کمائی دوسروں کو دے دی اور ایسے کٹھن وقت میں دی جب کہ ہم خود بہت سخت محتاج تھے، غیبت پر جتنے عذاب بیان کئے گئے ہیں ان کا روزانہ مراقبہ کیا جائے، یہ نسخے استعمال کرنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ غیبت چھوڑنے کی ہمت پیدا ہوگی''۔ (غیبت پر عذاب: ۲۸-۲۹)

(۲) تواضع اور اپنے عیوب پر نظر

غیبت سے محفوظ رہنے کا ایک مؤثر طریقہ یہ ہے کہ انسان تواضع اختیار کرے اور ہمہ

وقت اپنے عیوب اور کمیوں کو پیش نگاہ رکھے، جس کی نگاہ اپنے عیوب پر ہوتی ہے وہ دوسروں کے عیوب پر نہ نظر رکھتا ہے اور نہ تبصرہ کرتا ہے، حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد ہے:

إِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَذْكُرَ عُيُوبَ صَاحِبِكَ فَاذْكُرْ عُيُوبَكَ.

(موسوعة ابن ابی الدنیا: ۱/۲۵۳)

جب تم اپنے ساتھی کے عیوب کا تذکرہ کرنے کا ارادہ کرو تو فوراً اپنے عیوب یاد کرلو۔

مشائخ تصوف کی ہدایت ہوتی ہے کہ آدمی اپنے کو دوسروں سے کمتر سمجھے اور دوسروں کو اپنے سے بہتر سمجھے، حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا ملفوظ ہے:

''جب بندہ اپنی نظر میں برا اور حقیر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نظر میں اچھا ہوتا ہے، اور جب اپنی نظر میں اچھا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نظر میں برا ہوتا ہے''۔ (اصلاح اخلاق: حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب: ۳۱، بحوالہ کمالات اشرفیہ)

دوسروں پر تبصرہ کرنے سے پہلے یہ استحضار کرلیا جائے کہ دوسروں کی نگاہ میں ہم کیسے ہیں، تو یہ استحضار بھی غیبت کے گناہ سے بچانے کے لئے کافی ہوسکتا ہے، بقول شاعر ؎

تنقید حالِ غیر پہ کرنے سے پیشتر
خود کو نگاہِ غیر سے دیکھا کرے کوئی

حضرت تھانویؒ کے ملفوظات میں ملتا ہے کہ غیبت کا اصل علاج تواضع ہے، حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

''غیبت انسان سے سرزد ہی نہ ہو، اس کا اصل علاج یہ ہے کہ دل میں تواضع پیدا کرو، ہمیشہ یاد رکھو! غیبت تواضع کے فقدان کی وجہ سے ہوتی ہے، جب آدمی اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور تکبر میں مبتلا ہوتا ہے، تب دوسرے کی غیبت کرتا ہے، جس شخص کو اپنے عیوب کا دھیان ہو، اس کی اصلاح کی فکر ہو، اس کو دوسروں کے عیوب بیان

کرنے کی کہاں فرصت، وہ تو اپنے درد میں مبتلا ہے کہ میرے اندر یہ عیب ہے، میرے اندر یہ خرابی ہے، کس طرح ان کو دور کروں، بس اسی ادھیڑ بن میں مبتلا ہے، وہ دوسروں کے عیوب کو کہاں دیکھتا پھرے گا، ہاں! اگر دل میں تکبر اور بڑائی ہے اور دوسروں کی تحقیر ہے، اس کو اپنی فکر نہیں ہے، اس لئے وہ دوسروں کے عیوب کو دیکھتا پھرتا ہے کہ اس میں فلاں برائی ہے، اس میں فلاں برائی ہے، پھر ان برائیوں کو دوسروں کے سامنے بیان کرتا رہتا ہے، لہذا غیبت کی اصل جڑ عجب اور تکبر ہے، جب یہ تکبر اور عجب ختم ہو جائے گا تو پھر غیبت کبھی سرزد ہی نہیں ہوگی، اس لئے غیبت کا اصل علاج تکبر کا ختم کرنا اور تواضع کا پیدا کرنا ہے۔

حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحبؒ ایک مرتبہ دارالعلوم میں تشریف لائے، ان کی زبانی ایک واقعہ سنا کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ (جامعہ خیر المدارس ملتان کے بانی) نے فرمایا کہ جب میں حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں جاتا تو بلا مبالغہ مجھے یہ محسوس ہوتا تھا کہ اس مجلس کے اندر جتنے لوگ موجود ہیں، ان میں سب سے کمتر اور حقیر اور بدحال میں ہوں، اور یہ سب مجھ سے افضل ہیں، بلکہ یہ سب انسان ہیں اور میں بیل ہوں، پھر مجھے خیال پیدا ہوا کہ میری یہ حالت درست ہے یا نہیں؟ چنانچہ میں حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جامعہ اشرفیہ لاہور کے بانی) کی خدمت میں حاضر ہوا، اور جا کر عرض کیا کہ میرا یہ معاملہ ہے کہ جب میں حضرت والا کی مجلس میں آتا ہوں تو مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس مجلس میں سب سے کمتر اور حقیر میں ہوں، مجھ سے زیادہ حقیر اور کمتر کوئی اور نہیں ہے، حضرت مفتی صاحبؒ فرمانے لگے کہ یہ حالت تو میری بھی ہے کہ جب میں مجلس میں جاتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ سب حاضرین سے زیادہ کمتر اور بدحال میں ہی ہوں تو حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ نے فرمایا کہ تم بھی میرے ساتھ اس حال میں شریک ہو گئے، چلیں حضرت والا سے اپنی یہ حالت بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ یہ دونوں حضرات حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے اور عرض

کیا کہ جب ہم مجلس میں بیٹھتے ہیں تو ہمیں یہ خیال ہوتا ہے کہ اس مجلس کے اندر جتنے حاضرین ہیں وہ سب ہم سے افضل ہیں اور ہم سب سے کمتر اور ذلیل ہیں اور حقیر ہیں، حضرت والا نے فرمایا کہ کچھ فکر نہ کرو، ارے بھائی! میرا بھی یہی حال ہے، جب میں مجلس میں بیٹھتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ میں ان سب کے مقابلے میں کمتر ہوں، سب مجھ سے افضل ہیں۔

تواضع یہ نہیں ہے کہ آدمی صرف اپنی زبان سے یہ کہہ دے کہ احقر نا کارہ ہے، نا چیز ہے، بلکہ تواضع یہ ہے کہ واقعتاً اپنے عیوب پر اتنی نگاہ ہو کہ اپنے عیوب کے مقابلے میں دوسروں کے عیوب نظر ہی نہ آئیں، جس دن یہ تواضع پیدا ہوگئی تو پھر انشاء اللہ غیبت پاس بھی نہیں پھٹکے گی، اس لئے کہ جب انسان اپنے کو دوسروں سے کمتر سمجھ رہا ہے اور اس کو اپنے عیوب کا استحضار ہے تو وہ دوسروں کے عیوب کو کیسے دیکھے گا؟ لہٰذا اگر ''غیبت'' کا جڑ سے بالکلیہ خاتمہ کرنا ہے تو اپنے اندر تواضع پیدا کرو۔

اب تواضع کیسے پیدا کریں؟ تواضع پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے عیوب کا استحضار کرو، یہ جو ہر وقت اپنی بڑائی کا خیال دل میں جمارہتا ہے کہ ''ہم چوں ما دیگرے نیست'' (ہم جیسا کوئی دوسرا نہیں) اور یہ جو ہمیں کبھی اپنے علم پر گھمنڈ، کبھی اپنے تقویٰ پر گھمنڈ، کبھی اپنے مال و دولت پر گھمنڈ، کبھی اپنی صحت پر گھمنڈ، کبھی اپنی شکل وصورت پر گھمنڈ رہتا ہے، یہ گھمنڈ ہی انسان کو تباہ کردیتا ہے۔

ایک بزرگ سے ایک نوجوان نے کہا کہ جانتے نہیں، میں کون ہوں؟ ان بزرگ نے فرمایا: ہاں! میں جانتا ہوں کہ تم کون ہو، کہو تو بتادوں؟ چنانچہ ان بزرگ نے فرمایا:

أَوَّلُکَ نُطفَةٌ قَذِرَةٌ ، وَآخِرُکَ جِیفَةٌ قَذِرَةٌ، وَأَنْتَ فِیمَا بَیْنَ ذٰلِکَ تَحْمِلُ الْعذُرَةَ.

تیرا آغاز تو یہ ہے کہ تو ایک گندے نطفے سے پیدا ہوا ہے، اور تیرا انجام یہ ہے کہ تو بدبودار مردار ہو جائے گا حتی کہ تیرے گھر والے بھی تجھے رکھنے کو تیار نہیں ہوں گے، اور

ولادت سے وفات تک جو درمیان کا عرصہ ہے، اس میں تو گندگی کے ٹوکرے اٹھائے اٹھائے پھر رہا ہے۔

جو کھال جسم پر ہے، اس کھال کو اللہ تعالیٰ نے ''ساتر العیوب'' بنا رکھا ہے، اگر یہ کھال ذرا سی چھل جائے تو اندر نجاست ہی نجاست بھری ہوئی ہے، کہیں خون ہے، کہیں پیپ ہے، کہیں پیشاب ہے، کہیں پاخانہ ہے، یہ سب نجاستیں اٹھائے پھر رہا ہے، یہ حقیقت ہے ہماری، مگر خود کو بڑا سمجھ رہا ہے، اور تکبر کے یہ خیالات پھر انسان کو غیبت پر آمادہ کرتے ہیں۔

لہٰذا غیبت کا اصل علاج یہ ہے کہ اپنے اندر تواضع پیدا کرے، جب تواضع پیدا ہو جائے گی تو پھر ان شاء اللہ کسی کی غیبت نہیں ہوگی''۔ (اصلاحی مجالس: ۱/۲۰۱-۲۰۵)

(۳) سزا یا مالی تاوان کا التزام

مشہور محدث وفقیہ امام ابن وہبؒ فرماتے ہیں:

''میں نے غیبت سے بچنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جس دن کسی کی غیبت کر دیتا، اگلے دن نفس کو سزا دینے کے لئے روزہ رکھتا، لیکن بات نہیں بنی، روزہ رکھنا عادت سی بن گئی، اور سزا کی تلخی کے بجائے اس میں لطف محسوس ہونے لگا، ظاہر ہے کہ جس چیز میں لطف ہو، وہ سزا کیسے ہو سکتی ہے؟ اس لئے میں نے روزہ کے بجائے ہر غیبت کے عوض ایک درہم صدقہ کرنا شروع کیا، یہ سزا نفس کو شاق معلوم ہوئی اور یوں غیبت کے روگ سے نجات ملی''۔ (کتابوں کی درسگاہ میں: از مولانا ابن الحسن عباسی: ۴۶)

حضرت تھانویؒ کے ملفوظات میں ملتا ہے کہ:

''غیبت ایک اختیاری امر ہے، اس کا طریق علاج ہمت واستحضار ہے اور معینِ طریق یہ ہے کہ جب ایک بار ایسا ہو جائے ایک وقت فاقہ کرے''۔ (انفاس عیسیٰ: ۱۵۰)

دوسری جگہ فرمایا:

''دو رکعت نفل صلاۃ التوبہ کی نیت سے پڑھے''۔ (ایضاً: ۱۵۲)

متعدد اہل باطن مشائخ کے مواعظ وملفوظات میں یہ بات ملتی ہے کہ گناہوں بطور خاص غیبت کے گناہ سے حفاظت کا مجرب نسخہ ''معاقبہ'' اپنے کو سزا دینا ہے، خواہ وہ جسمانی عبادات کی شکل میں ہو یا فاقے کی شکل میں، یا مالی تاوان کی شکل میں، اور اوپر مذکور امام ابن وہبؒ کے تجربے نے ثابت کر دیا کہ مالی تاوان لازم کرنے کی افادیت زیادہ ہوتی ہے۔

(۴) جس کی غیبت کی گئی ہے اس کا برملا ذکر خیر

مشہور تابعی حضرت مجاہدؒ کا ارشاد ہے:

كَفَّارَةُ أَكْلِكَ لَحمَ أَخِيكَ أَنْ تُثْنِيَ عَلَيْهِ بِخَيْرٍ وَتَدْعُوَلَهُ.

(احیاء علوم الدین:۳/۳۰٤)

اگر تم سے اپنے بھائی کی غیبت ہو جائے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ تم اس کا ذکر خیر اور تعریف کرو اور اس کے حق میں دعا کرو۔

معلوم ہوا کہ غیبت کی تلافی کی ایک نمایاں صورت اور آئندہ غیبت کے جرم سے حفاظت کی مؤثر تدبیر یہ ہے کہ انسان اپنا یہ معمول بنالے کہ جس کی غیبت سے اس کی زبان آلودہ ہوئی ہے برسرِ عام اس کے محاسن پیش کرے، اس کا ذکر خیر کرے اور بطور خاص جن لوگوں کے سامنے غیبت کی تھی، انہیں کے سامنے اس کی تعریف وتوصیف کرے۔

(۵) جس کی غیبت کی ہو اس کے حق میں دعا کا اہتمام

ارشاد نبوی ہے:

كَفَّارَةُ الْغِيبَةِ أَنْ تَسْتَغْفِرَ لِمَنِ اغْتَبْتَهُ. (الدر المنثور:۷/۵۷۷)

غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ تم نے جس کی غیبت کی ہو اس کے لئے دعائے خیر کرو۔

واقعہ یہ ہے کہ غیبت بدخواہی کا کام ہے، اس لئے غیبت کے گنہگار کو تلافی کے طور پر خیرخواہی کا مظاہرہ کرنا چاہیئے، اوراس کی زبان سے جس کی غیبت ہوئی ہے، اس کے حق میں خیرخواہی کی ایک نمایاں صورت یہ ہے کہ اس کے لئے دعائے خیر کا اہتمام کیا جائے، اگرایسا کیا جائے تو یہ غیبت کرنے والے کی جانب سے بدخواہی کے بعد خیرخواہی کا ایسا معاملہ ہوگا جواس کے جرم کا کفارہ ثابت ہوجائے گا۔

ایک صاحب قلم کے بقول:

''اجتماعی زندگی میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کی زبان سے دوسرے کے لئے کچھ برے الفاظ نکل جاتے ہیں، جو غیبت کی تعریف میں آتے ہیں، جس کو اگر صاحب معاملہ سنے تو اس کو سخت تکلیف ہوگی، غیبت کو خدا کے دین میں گناہ بتایا گیا ہے، ایسی حالت میں وہ شخص کیا کرے جس کی زبان سے اپنے بھائی کے لئے غیبت والے الفاظ نکل گئے ہیں، اس نے اپنے بھائی کے حق میں اس کی غیر موجودگی میں ایسے کلمات کہہ دیئے ہیں کہ اگر وہ اس کو سنے تو اس کے دل کو تکلیف پہنچے گی۔

اس کا حل دین میں یہ بتایا گیا ہے کہ آدمی اس کے حق میں دعا کرے جس کے خلاف غیبت کے الفاظ اس کی زبان سے نکل گئے ہیں۔ وہ اپنے لئے خدا سے بھلائی مانگے اور اپنے بھائی کے لئے بھی خدا سے بھلائی کی درخواست کرے، وہ اپنی اصلاح کا طالب بھی ہو اور اپنے بھائی کی اصلاح کا طالب بھی، اس قسم کی دعا سادہ طور پر کچھ الفاظ بولنے کا نام نہیں، وہ اس شخص کے حق میں خیرخواہی کا اظہار ہے جس کے خلاف غیبت کا فعل ہوا تھا، غیبت اپنی حقیقت کے اعتبار سے نفرت اور بدخواہی کا عمل ہے، اگر کسی سے اس قسم کا عمل سرزد ہوجائے تو آدمی کو چاہیئے کہ وہ اپنے دل سے نفرت اور بدخواہی کے جذبات کو نکالے اور اس کی جگہ متعلق شخص کے حق میں محبت اور خیرخواہی کے جذبات پیدا کرے، اسی محبت اور خیرخواہی کا ایک اعلیٰ اظہار وہ ہے جس کو اس حدیث میں دعا کہا گیا ہے۔

جس سماج میں غیبت عام ہو جائے وہ سماج نفرت اور بے اعتمادی کا سماج بن جائے گا، کسی سماج کو اس بگاڑ سے بچانے کی تدبیر یہ ہے کہ لوگوں کے اندر یہ اسپرٹ پیدا کی جائے کہ جب بھی ان کی زبان سے غیبت کے الفاظ نکل جائیں تو اس کے بعد وہ نیک دعاؤں سے دوبارہ اس برائی کو دھو دیں‘‘۔ (مطالعۂ حدیث: از مولانا وحید الدین خاں: ۲۳۴)

(۶) غیر موجود کے تذکرے سے مطلق گریز

بہت سے اکابر و مشائخ کا یہ مجرب نسخہ رہا ہے کہ غیبت کے گناہ سے محفوظ رہنے کی بہت کارگر تدبیر اپنی مجلسوں میں غیر موجود افراد کے کسی بھی قسم کے تذکرے سے مکمل گریز ہے، جب مجلس میں دوسروں کا ذکر ہی نہیں ہوگا تو برائی کرنے اور تبصرہ کرنے کی ہی نوبت نہیں آئے گی اور انسان غیبت سے محفوظ رہے گا۔

حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے:

لا تَشْغَلُوا أَنْفُسَكُمْ بِذِكْرِ النَّاسِ فَإِنَّهُ بَلاءٌ، وَعَلَيْكُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ فَإِنَّهُ رَحْمَةٌ. (موسوعة ابن ابی الدنيا: ۱/ ۲۵۳)

اپنے آپ کو لوگوں کے تذکرے میں مشغول نہ رکھو کیونکہ یہ آزمائش ہے، اللہ کے ذکر کو لازم پکڑو اس لئے کہ یہ رحمت ہے۔

(۷) سوچ کر اور تول کر بولنے کی عادت

غیبت اور زبان کی بے احتیاطیوں سے حفاظت کی ایک تدبیر یہ ہے کہ بے سوچے سمجھے بولنے کی عادت ختم کی جائے اور جو بھی بولا جائے خوب سوچ سمجھ کر اور تول کر بولا جائے۔

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

’’حضرت والا (حکیم الامت حضرت تھانویؒ) نے غیبت سے بچنے کے لئے ایک اصول ارشاد فرمایا، وہ یہ ہے کہ ’’بے سوچے ہرگز کوئی کلام نہ کیا جائے، اگرچہ بعض

اوقات یہ بھی نہ یاد رہے گا کہ سوچ کر بولوں، مگر خیال رکھنے سے اکثر اوقات یاد رہے گا کہ سوچ کر بولوں، پھر ان شاء اللہ ڈھول نہ ہوگا، پس جب سوچ کر بولا جائے تو ہر کلام سے پہلے یہ سوچ لینا چاہیئے کہ اس کلام سے گناہ تو نہ ہوگا، ان شاء اللہ تعالی اس سے بہت کچھ اصلاح ہو جائے گی۔''

یعنی بے سوچے سمجھے بولنے کی جو عادت پڑی ہوئی ہے، اس کو ختم کرو، بولو تو سوچ کر بولو، اور یہ سوچو کہ جو کلمہ میں زبان سے نکالنا چاہتا ہوں، وہ کہیں مجھے گناہ میں اور اللہ کی نافرمانی میں مبتلا نہ کردے۔ (اصلاحی مجالس: ۱/ ۱۳۹)

حضرت فرماتے ہیں کہ چونکہ زبان کو تو ہر وقت چلنے کی عادت پڑی ہوئی ہے، وہ رکنے کا نام نہیں لیتی، تو اب کس وقت کس طرح سوچے؟ حضرت فرماتے ہیں کہ ہر کام مشق کرنے سے ہوتا ہے، لہذا مشق کرو، اور شروع میں تو سوچنے کا خیال ہی نہیں آئے گا، لیکن سوچنے کا تھوڑا سا اہتمام کرو تو رفتہ رفتہ عادت پڑ جائے گی، اگر شروع میں سوچنا بھول جاؤ تو جب یاد آئے اس وقت سوچو، پھر یاد آئے، پھر سوچو، اس طرح کرتے کرتے سوچنے کی عادت پڑ جائے گی، پھر بے تکلف سوچنا آئے گا، اور سوچنے کے لئے کسی خاص اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی، بلکہ پھر جو بات نکالو گے بالکل درست نکلے گی۔ غیبت، جھوٹ اور دل آزاری سب سے بچنے کا واحد راستہ یہی ہے''۔
(اصلاحی مجالس: ۱/ ۱۵۱-۱۵۲)

(۸) صاحب معاملہ کو اطلاع

غیبت کا گناہ ہو جائے تو اس کی معافی کا راستہ توبہ اور صاحب معاملہ سے عفو خواہی ہے، مگر آئندہ غیبت سے حفاظت رہے اس کی بھی تدبیر یہ ہے کہ جس کی غیبت کی ہے اسے اطلاع کردے، حضرت تھانویؒ نے فرمایا:

''غیبت کا ایک عجیب وغریب عملی علاج یہ ہے کہ جس کی غیبت کرے، اس کو اپنی

اس حرکت کی اطلاع کردیا کرے، تھوڑے دن اس پر مداومت سے ان شاء اللہ یہ مرض بالکل دفع ہوجائے گا‘‘۔(اصلاحی مجالس:۱/۲۱۲)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

’’جب کسی شخص کی غیبت ہوجائے، جاکر اس کو بتادو کہ آج میں نے تمہاری غیبت کی ہے، جس وقت جاکر یہ بتائے گا اس وقت دل پر آرے چل جائیں گے، لیکن یہ ’’آرا‘‘ ہی اس بیماری کا آپریشن کرے گا، اگر چند مرتبہ یہ عمل کرلیا تو ان شاء اللہ یہ بیماری جڑ سے نکل جائے گی اور دوسری بات یہ ہے کہ جب آدمی دوسرے سے جاکر کہے گا کہ میں نے تمہاری غیبت کی تھی، اس دوسرے آدمی کے دل میں بھی نرمی پیدا ہوگی کہ یہ شخص چونکہ ندامت اور پشیمانی کے ساتھ میرے پاس آیا ہے، چلو اس کو معاف کردو، چنانچہ غیبت کے نتیجے میں جو عداوت اور دشمنی اور اشتعال پیدا ہوتا ہے، وہ اشتعال پیدا نہیں ہوگا‘‘۔(ایضاً)

حکیم الامت کا نسخۂ حکمت

حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے کسی نے غیبت کا علاج پوچھا تو آپ نے چار چیزوں کے التزام کی تاکید کی:

(۱)غیبت کے انجام کا تصور

(۲)بولنے سے قبل سوچنے کا اہتمام

(۳)غیبت کے بعد معافی چاہنا

(۴)اپنے اوپر نقد یا نوافل کا جرمانہ

(تاریخ اسلام کی عظیم شخصیات: ناعمہ صہیب:۲/۲۰۰-۲۰۱)

غیبت کے جواز کی بنیادی استثنائی صورتیں

شریعت اسلامی کا توازن اور اعتدال یہ ہے کہ انسانی ضروریات کے پیش نظر مختلف مواقع ایسے ہی جن میں غیبت اور دوسروں کے معائب اور کمیوں کے تذکرے کو جائز قرار دیا گیا ہے، ملحوظ رہے کہ جائز صورتوں میں بھی انسان کو:

(۱) اپنی نیت خالص رکھنی ضروری ہے، لہذا دوسروں کی کمیوں کا ایسے موقعوں پر تذکرہ انتقام اور تذلیل کی نیت سے نہیں ہونا چاہئے۔

(۲) حتی المقدور یہ کوشش ہونی چاہئے کہ نام کی صراحت کے بغیر تذکرہ کر دیا جائے، مگر اضطراری حالات میں نام لینے کی بھی گنجائش ہے۔

(۳) ایسے موقعوں پر حقیقی عیوب اور کمیوں کے ذکر پر اکتفا کی جائے اور کسی بھی صورت اضافہ اور حد سے تجاوز اختیار نہ کیا جائے۔

(۴) اس بات کا خوب دھیان رکھا جائے کہ اگر چہ دوسرے کے عیوب کا تذکرہ شدید ضرورت پر ہو رہا ہے اور شرعاً گنجائش ہے، مگر اس تذکرے کی وجہ سے زیادہ بڑا فتنہ پیدا نہ ہونے پائے، اگر ایسے تذکرے کی صورت میں زیادہ خطرناک فتنہ برپا ہونے کا اندیشہ ہو تو اس سے اجتناب ہونا چاہئے۔

جائز غیبت کے دائرے میں آنے والی اور کثرت سے پیش آنے والی جو صورتیں ہیں ان کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

(۱) ظالم کی شکایت اور ظلم کے اظہار کے لئے غیبت

اگر کوئی شخص مظلوم اور ستم رسیدہ ہے، اور وہ اپنا مقدمہ کسی با اثر شخص کے پاس لے جائے تا کہ اس پر ہونے والے ظلم پر روک لگ سکے، تو اس مرحلہ میں اس کے لئے ظالم کی شکایت اور ظلم کے اظہار کے لئے غیبت کی شرعاً اجازت ہے، قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

لا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظُلِمَ، وَکَانَ اللّٰہُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا. (النساء: ۱۴۹)

اللہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کسی کی برائی علانیہ زبان پر لائی جائے، الا یہ کہ کسی پر ظلم ہوا ہو، اور اللہ سب کچھ سنتا، ہر بات جانتا ہے۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ مظلوم اگر ظالم کی شکایت لوگوں کے سامنے کرتا ہے اور اس کے ظالمانہ عمل کا ذکر کرتا ہے تو یہ غیبتِ حرام میں داخل نہیں ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ مظلوم کے لئے ظالم کی غیبت جائز ہے، کیوں کہ اس کا مقصد اپنے کو ظلم سے بچانا ہے۔ (شرح النووي علی مسلم: ۳۲۲/۲، باب تحریم الغیبۃ)

(۲) دینی ضرورت کے پیش نظر غیبت

کسی دینی ضرورت کے پیش نظر غیبت کی شرعاً اجازت ہے، حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

"اگر دینی ضرورت ہو تو پھر غیبت بھی مباح ہے، جیسے محدثین نے رواۃِ حدیث پر جرح کی ہے"۔ (اصلاحی مجالس: ۱۹۳/۱)

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم اس کی تشریح یوں فرماتے ہیں:

"یعنی دینی ضرورت سے کسی کا عیب یا برائی بیان کرنا جائز ہے، چنانچہ تمام محدثین حضرات کا تو کام ہی لوگوں کے حالات کی تحقیق کرنا تھی کہ فلاں راوی کیسا ہے

اور فلاں راوی کیسا ہے؟ چنانچہ جب کوئی شخص ان سے راوی کے بارے میں سوال کرتا تو وہ بتا دیتے کہ یہ راوی ضعیف ہے، اور یہ راوی جھوٹا ہے، یہ راوی کذاب ہے، یہ راوی شتّام ہے، لیکن یہ بیان کرنا ان کے ذمے واجب تھا، اگر بیان نہ کرتے تو گناہ گار ہوتے، کیونکہ حضور اقدس ﷺ کی احادیث کی حفاظت کا یہی طریقہ تھا کہ یہ معلوم کیا جائے کہ کونسا راوی کیسا ہے؟ لہٰذا یہ غیبت چونکہ دینی ضرورت کے لئے تھی اس لئے یہ جائز تھی۔

حضرت علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ بڑے اونچے درجے کے محدثین میں سے ہیں اور جرح و تعدیل کے امام ہیں، البتہ ان کے والد حدیث کے معاملے میں پوری طرح قابل اعتماد نہیں تھے، کسی نے ان سے پوچھا کہ اپنے والد کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ وہ حدیث میں قوی ہیں یا ضعیف ہیں؟ پہلے تو فرمایا کہ میرے والد کے بارے میں یہ بات دوسرے محدثین سے پوچھ لو، سوال کرنے والے نے کہا کہ ان کے بارے میں مجھے آپ کی رائے معلوم کرنی ہے، جب سوال کرنے والے نے اصرار کیا تو آپ نے سر جھکایا اور پھر فرمایا:

هُوَ الدِّيْنُ، إِنَّهُ ضَعِيفٌ.

یہ دین کی بات ہے، اس لئے یہ بتا رہا ہوں کہ میرے والد حدیث کے معاملے میں ضعیف ہیں۔

چونکہ دین کی بات ہے اور دین کی بات کو چھپانا نہیں ہے، چاہے وہ باپ کے خلاف ہو یا بیٹے کے خلاف ہو، وہ دین کی ضرورت کے تحت کہنی ہوگی۔

امام ابوداؤد سجستانی رحمۃ اللہ علیہ جو ''سنن ابی داؤد'' کے مصنف ہیں، اتنے بڑے جلیل القدر محدث اور اتنے بڑے امام ہیں، ان کا بیٹا ''ابن ابی الداؤد'' حدیث کے بارے میں ضعیف تھا، امام ابوداؤدؒ سے کسی نے پوچھا کہ اپنے بیٹے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا:

لاَ تَحِلُّ عَنْهُ الرِّوَايَةُ.

اس سے روایت کرنا حلال نہیں۔

دیکھئے! حضرات محدثین نے عیب کا اظہار کرنے میں نہ باپ کی پرواہ کی، نہ بیٹے کی پرواہ کی، اور نہ عزیز واقارب کی پرواہ کی، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کی احادیث کا معاملہ تھا اور راوی کی خامی کا اظہار کرنا دینی ضرورت تھی، اللہ تعالیٰ نے یہ محدثین کا گروہ پیدا ہی اسی مقصد کے لئے کیا تھا کہ ان کے ذریعہ احادیث کی حفاظت کا کام کرایا جائے، اس لئے حضرت والا فرماتے ہیں کہ جہاں دین کی ضرورت ہو، وہاں نہ صرف یہ کہ غیبت کرنا جائز ہے بلکہ بعض اوقات غیبت کرنا ضروری ہو جاتا ہے''۔ (اصلاحی مجالس: ۱/۱۹۴-۱۹۵)

(۳) عیوب کی اصلاح کے مقصد سے غیبت

کسی شخص کے عیوب اور کمیوں کی اصلاح کے مقصد سے ایسے شخص کے سامنے ان کا تذکرہ کرنا جو اسے سمجھا سکتا ہو اور روک سکتا ہو، حرام غیبت میں داخل نہیں ہے، شرعاً اس کی اجازت ہے، مثلاً اولاد کی کمیوں اور کوتاہیوں کا ذکر ان کے والدین سے، شاگردوں کی خامیوں کا ذکر ان کے اساتذہ سے، مریدین ومتوسلین کی بے اعتدالیوں کا تذکرہ ان کے مرشد و مصلح سے، کارکنان اور ماتحتوں کے نقائص کا تذکرہ ان کے ذمہ داروں سے، اگر اصلاح کی نیت سے ہو تو شرعاً اس کی گنجائش ہے۔

احادیث میں وارد ہوا ہے کہ مسنون مقدار سے کہیں زیادہ لمبی قرأت کر کے مقتدیوں کو اکتاہٹ میں مبتلا کرنے والے بعض اماموں کی شکایت آپ ﷺ کے سامنے مقتدیوں کے ذریعہ ہوئی اور آپ نے اماموں کو سمجھایا اور مسنون قرأت پر اکتفا کی تاکید فرمائی۔

منقول ہے کہ حضرت عمرؓ کے ایک عامل نے ملک شام سے انہیں ابوجندل نامی عادی شراب نوش کا تذکرہ لکھ بھیجا، حضرت عمرؓ نے ابوجندل کو نہایت دھمکی آمیز خط تحریر فرمایا جس میں سورۃ الغافر کی ابتدائی آیات کا حوالہ دیا، یہ خط پڑھ کر ابوجندل نادم وتائب ہوا، اور اپنی اصلاح کر لی۔ (احیاء العلوم: ۳/۳۰۲)

(۴) حیا دلانے کے لئے غیبت

کسی کے عیوب کا دوسروں کے سامنے اس مقصد سے تذکرہ کیا جائے کہ جب اسے یہ معلوم ہوگا کہ میرے عیوب کی تشہیر ہورہی ہے اور میں بدنام ہورہا ہوں، پھر وہ شرما کر ان عیوب سے باز آجائے گا، شریعت میں اس کی گنجائش ہے، روایات میں آتا ہے کہ ایک شخص نے خدمتِ نبوی میں اپنے پڑوسی کی طرف سے مسلسل ایذا رسانی کا شکوہ کیا، آپ ﷺ نے صبر کی ہدایت دی، کچھ عرصے بعد دوبارہ شکوہ کیا، آپ ﷺ نے پھر تحمل وضبط کا حکم دیا، تیسری بار جب پھر شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اپنے گھر کا سارا ساز وسامان راستے میں ڈال دو، تمہارا پڑوسی دیکھے گا تو شرما کر خود باز آجائے گا، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، ہر گزرنے والا ایسا کرنے کا سبب پوچھتا، وہ بتاتا کہ پڑوسی کی حرکتوں نے ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے، پڑوسی کو معلوم ہوا تو اسے حیا آئی اور آکر معذرت کی کہ تم اپنے گھر واپس جاؤ، میں آئندہ تمہیں تکلیف نہیں دوں گا۔ (احیاء العلوم: ۲/۳۱۰، حقوق الجوار)

(۵) استفتاء اور شرعی مسئلہ معلوم کرنے کی غرض سے غیبت

کسی معاملہ میں شرعی مسئلہ اور حکم جاننے کے لئے عالم یا مفتی کے سامنے کسی کے عیوب اور کمیوں کا تذکرہ حرام غیبت کے دائرے میں نہیں آتا، حضرت ابوسفیانؓ کی اہلیہ حضرت ہندہؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں اپنے شوہر کی شکایت کی تھی کہ وہ مصارف دینے میں بخل کا معاملہ کرتے ہیں، کیا میں ان کے علم میں لائے بغیر ان کی رقم استعمال کرسکتی ہوں؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے انہیں بقدرِ ضرورت اور حدِ اعتدال میں رہتے ہوئے استعمال کرنے کی اجازت دے دی۔ (بخاری: النفقات)

(۶) علانیہ کبیرہ گناہ کے عادی افراد کی غیبت

جو افراد علانیہ کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہوں، اور عادی مجرم ہوں، ان کی غیبت اور ان

کے جرائم کا تذکرہ حرام غیبت میں داخل نہیں ہے، اس لئے کہ ان کے جرائم کا تذکرہ ایک طرف ان کی عبرت اور باز آنے کا سبب بن سکتا ہے، دوسری طرف اس میں ان کی تذلیل ہے جس کے وہ بجا طور پر حقدار ہیں، پھر جب وہ عادی مجرم ہیں تو غالب ظن یہی ہے کہ انہیں اپنے جرائم کے تذکرے پر ناگواری بھی نہیں ہوگی، نیز بہت سے لوگوں کے لئے یہ غیبت ایسے افراد کی بری صحبت سے بچنے اور ایسے گناہوں سے دور رہنے کا محرک بھی ثابت ہوگی، جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے:

أُذْكُرُوْا الْفَاجِرَ بِمَا فِيْهِ كَمَا يَعْرِفُهُ النَّاسُ وَ يَحْذَرُهُ النَّاسُ.

(الدر المنثور للسیوطی: ۵۷۷/۷)

فاسق و فاجر کے جرائم کا ذکر کرو، تا کہ لوگ اسے جان لیں اور اس سے ہوشیار رہیں۔

روایات میں آتا ہے:

مَنْ أَلْقَى جِلْبَابَ الْحَيَاءِ عَنْ وَجْهِهِ فَلا غِيْبَةَ لَهُ.

جس نے حیا کی چادر خود اتار دی (اور علانیہ بدکاری اور سیہ کاری میں لگ گیا) اس کے جرم کا تذکرہ غیبت نہیں ہے۔ (احیاء العلوم: ۳۰۳/۳)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

ثَلاثَةٌ لا غِيْبَةَ لَهُمْ: صَاحِبُ الْهَوَىٰ، وَالْفَاسِقُ الْمُعْلِنُ بِفِسْقِهِ، وَالإِمَامُ الْجَائِرُ. (ایضاً)

تین لوگوں کی غیبت حرام نہیں ہے: (۱) خواہش نفس کا پورا غلام، (۲) علی الاعلان فسق و فجور میں مبتلا انسان، (۳) ظالم حکمراں۔

امام سفیان بن عیینہؒ کا ارشاد ہے:

ثَلاثَةٌ لَيُسَتُ لَهُمُ غِيُبَةٌ: اَلإِمَامُ الْجَائِرُ، وَالْفَاسِقُ الْمُعْلِنُ بِفِسُقِهِ، وَالْمُبْتَدِعُ الَّذِیُ يَدْعُو النَّاسَ إِلَىٰ بِدْعَتِهِ. (الدر المنثور للسیوطی: ۵۷۷/۷)

تین افراد ایسے ہیں کہ ان کی غیبت حرام نہیں ہے: (۱) ظالم حکمراں، (۲) علی الاعلان فسق و فجور میں مبتلا انسان، (۳) لوگوں کو اپنی بدعت اور گمراہی کی دعوت دینے والا۔

حضرت زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں:

إِنَّمَا الْغِيُبَةُ لِمَنُ لَمُ يُعْلِنُ بِالْمَعَاصِی. (ایضاً)

غیبت اس شخص کی حرام ہے جو علی الاعلان گناہ نہ کرتا ہو۔

(۷) اہل ایمان کو ضرر سے بچانے کے لئے غیبت

اگر کسی شخص کے ذریعہ کسی آدمی کو نقصان پہونچ سکتا ہو، اور اس آدمی کو اس کا اندازہ نہ ہو تو اس آدمی کو ضرر سے بچانے کے لئے ایسے شخص کی نیت و ارادہ، کمی اور گناہ کا ذکر کرنا حرام غیبت میں شامل نہیں ہے، حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے اس مضمون کی مکمل وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی شخص کے اندر کوئی برائی پائی جاتی ہے، اور اندیشہ اس بات کا ہے کہ اس برائی کی وجہ سے دوسرے شخص کو نقصان پہنچ جائے گا، مثلاً ایک آدمی دھوکہ باز ہے، لوگوں سے سودے کرتا ہے، معاملات کرتا ہے، اور اس میں ان کو دھوکے دیتا ہے، اب اگر یہ دھوکہ باز کسی کے پاس معاملہ کے لئے پہنچا، آپ نے دوسرے شخص کو بتا دیا کہ ذرا اس سے ہوشیار رہنا، یہ دھوکہ باز ہے، اس کے معاملات اچھے نہیں ہیں، یہ بہت سے لوگوں کو دھوکہ دے چکا ہے، اب دوسرے کو نقصان سے بچانے کے لئے اس کی برائی کی جائے تو یہ غیبت نہیں، اور اس میں غیبت کرنے کا گناہ

نہیں ہوگا، بلکہ دوسرے آدمی کی خیر خواہی کا ثواب ملے گا کہ آپ نے ایک مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کی اور اس کو نقصان سے بچالیا۔

اسی طرح ایک آدمی کسی دوسرے کے گھر میں ڈاکہ ڈالنے کا پروگرام بنا رہا ہے، اور آپ کو پتہ چل گیا، تو اگر آپ متعلقہ شخص کو بتادیں کہ ذرا ہوشیار رہنا فلاں آدمی تمہارے گھر میں ڈاکہ ڈالنے کا پروگرام بنا رہا ہے، اب یہ بیان کرنا بظاہر تو برائی ہے اور اس ڈاکہ ڈالنے والے کو تمہارا یہ بتانا ناگوار بھی گزرے گا کہ اس نے میرا پروگرام بتادیا، لیکن شریعت نے اس کو جائز قرار دیا ہے، اس لئے کہ اگر آپ دوسرے کو نہیں بتائیں گے تو دوسرا مسلمان پریشانی میں مبتلا ہو جائے گا، اس کو پریشانی سے بچانے کے لئے اگر آپ اس کی برائی بیان کریں تو یہ شرعاً جائز ہے، بلکہ آپ کا فرض ہے کہ آپ ضرور اس کو اطلاع کریں۔

اسی طرح اگر کسی نے شادی کے لئے کسی کے ہاں رشتہ بھیج دیا، اب لڑکی والے آپ سے مشورہ کررہے ہیں کہ فلاں کی طرف سے رشتہ آیا ہے، آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ اور آپ کو پتہ ہے کہ اس لڑکے کے اندر ایسی خرابیاں پائی جاتی ہیں جو آگے چل کر لڑکی کے لئے نقصان دہ ہوسکتی ہیں، اگر اس وقت آپ لڑکی والوں کو یہ بات بتادیں کہ اس لڑکے میں فلاں بات ہے ذرا سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا، یہ بتادینا غیبت میں داخل نہیں، اس لئے کہ اگر نہیں بتائیں گے اور لڑکی والے غلط فہمی میں رشتہ کرلیں گے تو لڑکی کی ساری زندگی پریشانی میں گزرے گی، اس پریشانی سے بچانے کے لئے اگر آپ اس کی حقیقی برائی بتادیں، یا آپ کو شبہ ہے تو اس شبہ کا اظہار کردیں تو یہ غیبت نہیں، اصول یہ ہے کہ کسی دوسرے کو کسی نقصان سے بچانے کے لئے کسی کی برائی بیان کرنی پڑے تو یہ نہ غیبت ہے، نہ گناہ ہے، بلکہ ایک مسلمان کے ساتھ خیر خواہی ہے، اور باعث اجر وثواب ہے، اب ہوتا یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کے سامنے ایسا موقع آتا ہے لیکن وہ سمجھتے ہیں کہ اگر میں بتاؤں گا غیبت ہو جائے گی اور اس وجہ سے وہ صحیح بات

بتانے سے اجتناب کرتے ہیں، یہ شریعت کا تقاضہ نہیں۔

ایک حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ایک آدمی دور سے آتا ہوا نظر آیا، آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ: ''بِئْسَ أَخُ الْعَشِيْرَةِ'' یہ اپنے قبیلہ کا برا آدمی ہے، لیکن جب وہ آپ کے پاس ملاقات کے لئے آیا تو آپ اس کے ساتھ بہت اچھے اخلاق سے پیش آئے، اچھا سلوک کیا جب وہ شخص چلا گیا تو میں نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ! آپ نے پہلے تو اس شخص کے بارے میں فرمایا کہ یہ بہت برا آدمی ہے، لیکن وہ جب آ گیا تو آپ نے اس کا اکرام کیا، اور بڑی خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آئے، اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! تم نے مجھے بداخلاق کب پایا؟ میں تو ہر ایک کے ساتھ خوش اخلاقی کا معاملہ کرتا ہوں لیکن میں نے اس کے بارے میں اس لئے بتا دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آئندہ کبھی یہ شخص تمہیں دھوکہ دے جائے، یعنی تم اس کو اچھا سمجھ کر اس کے ساتھ کوئی معاملہ کر بیٹھو اور بعد میں تمہیں پریشانی ہو، اس لئے میں نے تمہیں بتا دیا، لیکن جہاں تک میرے اپنے برتاؤ کا تعلق ہے، تو میرا برتاؤ تو ہر ایک کے ساتھ خوش اخلاقی کا ہے، کبھی تم نے مجھے ایسا پایا کہ میں نے کسی کے ساتھ بداخلاقی کی ہو؟ اب بظاہر دیکھنے میں یہ غیبت ہے، لیکن چونکہ آپ کو معلوم تھا کہ اگر یہ بات نہیں بتائی جائے گی تو اس آدمی سے حضرت عائشہؓ کو یا ان کے متعلقین کو نقصان پہنچ سکتا ہے، اس لئے آپ نے پہلے سے متنبہ فرما دیا''۔ (اصلاحی خطبات: ۱۷/۷۹-۸۱)

روایات میں آتا ہے کہ حضرت فاطہ بنت قیس کو جب ابو عمرو بن حفص نے طلاق دی تو حضرت معاویہؓ بن سفیان اور ابوجہم نے نکاح کا پیغام بھیجا، فاطمہ نے جناب رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: معاویہ فقیر ہیں ان کے ساتھ نکاح نہ کرو اور ابوجہم عورتوں کو بہت مارتا ہے، اپنے کندھے سے چھڑی نہیں اتارتا، بلکہ تم اسامہ بن زید کے ساتھ نکاح کرلو۔ (غیبت کیا ہے: ۵۶)

اوپر اس حدیث کا حوالہ آچکا ہے جس میں آپ ﷺ نے واضح فرمایا ہے کہ فاسق وفاجر کے عیوب کا تذکرہ ہو جانا چاہئے تاکہ بھولے بھالے لوگ اس کے شر اور ضرر سے محتاط اور چوکنا رہیں۔

اسی دائرے میں یہ صورت بھی آتی ہے کہ کسی مقدمے میں مدعی جھوٹے گواہ پیش کررہا ہو، اور مدعا علیہ کو گواہوں کا جھوٹا ہونا معلوم ہو، تو اسے قاضی کے سامنے گواہوں کا جھوٹا ہونا ثابت اور واضح کردینا چاہئے، تاکہ وہ ان کے شر سے بچ سکے اور مقدمہ غلط فیصل نہ ہو۔

(۸) دوسروں کو عبرت دلانے کے لئے غیبت

عام لوگوں کی اصلاح اور عبرت ونصیحت کے لئے کسی زندہ یا مردہ مجرم کے جرم اور سزا کا ذکر حرام غیبت کے ذیل میں نہیں آتا، حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ لکھتے ہیں:

''جس وقت یزید نے اس دار فانی سے کوچ کیا، معاویہ بن یزید کو لوگوں نے خلیفہ بنایا، معاویہ چونکہ نہایت متقی تھے، سلطنت ان کو پسند نہ تھی، مملکت انہیں اچھی نہ معلوم ہوئی، انہوں نے ایک خطبہ پڑھا اور حمد وصلوۃ کے بعد کہا کہ:

اے لوگو! میرے جد امجد معاویہؓ نے بہت بری بات کی کہ حضرت حسنؓ سے خلافت چھینی اور حضرت علیؓ سے لڑائی کی، پھر جب وقت مقرر آیا اور عزرائیل کا پیغام پہنچا تو قبر میں چلے گئے اور مال ومتاع چھوڑ گئے، اپنے اعمال پر نادم رہے، قبر میں اپنے افعال پر متحسر رہے، پھر حکومت میرے باپ یزید کی طرف منتقل ہوئی، میرے باپ نے رسول اللہ ﷺ کی نیابت نہ کی، اپنے نفس پر نہایت ظلم کیا، رسول اللہ ﷺ کی اولاد کی خدمت میں بیباکیاں کیں، نہایت سختیاں کیں، آخرکار میرے باپ کی مدتِ حیات ختم ہوئی، دنیا سے ان کی رحلت ہوئی، پھر قبر میں بدی ساتھ ہوئی، ندامت وحسرت ان کو حاصل ہوئی، اب مجھ کو معلوم نہیں کہ ان پر عذاب ہوا، یا اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا، لیکن میرا ظن کامل یہ ہے کہ ان کو قبر میں عذاب ہوا ہوگا (معاویہ اس مضمون کو بیان کرکے بہت

روئے) اس کے بعد کہنے لگے: اب میں تیسرا ہوا، میرا دل اس ملک سے برخاستہ ہوا، کیونکہ مجھ کو گناہوں میں پڑنا منظور نہیں ہے، اے لوگو! تم کسی کو خلیفہ بنالو، مجھ کو چھوڑ دو۔

یہ خطبہ پڑھ کر حضرت معاویہ بن یزید نے سلطنت چھوڑ دی اور اپنا زمانۂ حیات عبادت میں گذارا، اس کو دمیری نے حیات الحیوان میں نقل کیا ہے"۔ (غیبت کیا ہے: ۶۲-۶۳)

واضح رہے کہ معاویہ بن یزید کا مذکورہ پورا بیان منصب خلافت قبول کرنے سے اپنے اعتذار اور دوسروں کو عبرت دلانے ہی کے لئے تھا۔

کتب احادیث میں بار بار یہ روایت درج ہوئی ہے کہ آپ ﷺ کا گزر دو قبروں سے ہوا جنہیں عذاب ہو رہا تھا، آپ نے ان مردوں کے عیوب واضح فرمائے کہ ایک چغل خور تھا، اور دوسرا پیشاب کی چھینٹوں کے تعلق سے غیر محتاط تھا، پھر آپ نے ان کے حق میں دعا بھی کی، ان عیوب کا تذکرہ آپ ﷺ نے دوسروں کو عبرت دلانے ہی کے لئے فرمایا تھا۔

(۹) کسی کے تعارف کے لئے غیبت

اگر کوئی شخص کسی برے نام یا لقب سے متعارف ہو، اور اسے ذکر کئے بغیر اسے پہچانا نہ جاسکتا ہو، تو اس کا اسی نام سے تذکرہ جائز ہوگا، حرام غیبت میں شامل نہیں ہوگا، البتہ یہ ضروری ہے کہ برے نام سے اس کا تذکرہ اس کی عیب جوئی کے طور پر نہ ہو، صرف تعارف کی مجبوری سے ہو، پھر یہ بھی لحاظ رکھا جانا چاہئے کہ اس تذکرے سے اسے تکلیف نہ ہوتی ہو، اگر تکلیف ہوتی ہو تو اس سے بھی بچنا چاہئے۔

ایک جامع ہدایت نامہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ غیبت کے تعلق سے آخر میں وہ ہدایت نامہ بھی شامل کر دیا جائے جو محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ خلیفہ اجل حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی طرف سے مریدین، متوسلین، سالکین اور طالبینِ اصلاح کو دیا جاتا تھا اور اس کی

پابندی کے اہتمام کی تلقین کی جاتی تھی۔

اس ہدایت نامہ کا عنوان ہے ''اصلاح الغیبۃ یعنی غیبت کے نقصانات اور اس کا علاج'':

''آج کل غیبت کا بہت زور ہے، حالاں کہ یہ ایسی بری عادت ہے جس سے دنیا و دین دونوں کی رسوائی وخرابی کا قوی اندیشہ ہے، اس لئے بعض احباب کی خواہش پر مختصر طور پر اس کے کچھ نقصانات اور اس کا علاج بزرگوں کی کتب وارشادات سے مرتب کر کے شائع کیا جارہا ہے، ان باتوں کو بار بار سوچنے سے اور ان پر عمل کرنے سے ان شاء اللہ اس مرض کا ازالہ ہو جائے گا اور اس سے حفاظت رہے گی:

(۱) غیبت کا ضرر ونقصان یہ ہے کہ اس سے افتراق پیدا ہوتا ہے اور افتراق سے مقدمہ بازی لڑائی جھگڑے سب کچھ ہوتے ہیں اور اتفاق کے اندر جو مصالح ومنافع ہوتے ہیں افتراق کی صورت میں ان سے بھی محرومی ہو جاتی ہے۔

(۲) غیبت کرنے کے ساتھ ہی قلب میں ایسی ظلمت پیدا ہوتی ہے جس سے سخت تکلیف ہوتی ہے جیسے کسی نے گلا گھونٹ دیا ہو، جس کے دل میں ذرا بھی حس ہو اس کو یہ بات محسوس ہوتی ہے۔

(۳) غیبت کرنے سے دین و دنیا دونوں کا نقصان ہوتا ہے، دنیا کا نقصان یہ ہے کہ جس کی غیبت کی ہے وہ اگر سن پاوے تو غیبت کرنے والے کی فضیحت کر ڈالے گا، اگر بس چلے تو بری طرح سے خبر لے گا، دین کا نقصان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی گویا سامانِ دوزخ ہے۔

(۴) حدیث شریف میں ہے کہ غیبت زنا سے بھی زیادہ ضرر کا باعث ہے۔

(۵) غیبت کرنے والے کی اللہ تعالیٰ بخشش نہ فرمائیں گے جب تک بندہ معاف نہ کرے کیونکہ یہ حقوق العباد میں سے ہے۔

(۶) غیبت کرنا گویا اپنے مردار بھائی کا گوشت کھانا ہے، بھلا کون ایسا ہوگا جو اپنے مردار بھائی کا گوشت کھائے گا، جیسا اس کو برا و ناگوار خیال کیا جاتا ہے، اسی طرح

غیبت کے ساتھ معاملہ چاہئے۔

(۷) غیبت کرنے والا بزدل ڈرپوک ہوتا ہے، جبھی تو پیٹھ پیچھے برائی کرتا ہے۔

(۸) غیبت کرنے سے چہرہ کا نور پھیکا پڑ جاتا ہے اور ایسے شخص کو ہر شخص ذلت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

(۹) غیبت کا بڑا ضرر یہ ہے کہ قیامت کے دن غیبت کرنے والے کی نیکیاں جس کی غیبت کی ہے اس کو دے دی جائیں گی، اگر اس سے کمی پوری نہ ہوئی تو جس کی غیبت کی ہے اس کی بدیاں اس کی گردن پر لاد دی جائیں گی جس کے نتیجہ میں جہنم کا داخلہ ہوگا، ایسے شخص کو حدیث شریف میں دین کا مفلس فرمایا گیا ہے، لہٰذا دنیا ہی میں اس کی معافی کرالینی چاہئے۔

(۱۰) غیبت کا عملی علاج بھی کرنا چاہئے وہ یہ ہے کہ جب کوئی غیبت کرے اور منع کرنے پر قدرت ہو تو منع کردے، ورنہ وہاں سے خود اٹھ جانا ضروری ہے اور اس کی دل شکنی کا خیال نہ کرے، کیونکہ دوسرے کی دل شکنی سے اپنی دین شکنی (دین کو نقصان پہنچانا) زیادہ قابل احتراز ہے، یوں اگر نہ اٹھ سکے تو کسی بہانے سے اٹھ جائے یا قصداً کوئی مباح تذکرہ شروع کردیا جائے۔

(۱۱) غیبت کا عجیب وغریب ایک عملی علاج یہ ہے کہ جس کی غیبت کرے اس کو اپنی اس حرکت کی اطلاع کردیا کرے، تھوڑے دن اس پر مداومت سے ان شاء اللہ تعالیٰ یہ مرض بالکل دور ہو جائے گا۔

تنبیہ نمبر (۱): غیبت کے معنی یہ ہیں کہ کسی مسلمان کے پیٹھ پیچھے اس کے متعلق کوئی ایسی بات ذکر کرنا کہ اگر وہ سنے تو اس کو ناگوار گذرے، مثلاً کسی کو بے وقوف یا کم عقل کہنا، یا کسی کے حسب ونسب میں نقص نکالنا، یا کسی شخص کی کسی حرکت یا مکان یا مویشی یا لباس غرض جس شے سے بھی اس کا تعلق ہو اس کا کوئی عیب ایسا بیان کرنا جس کا سننا اسے ناگوار گذرے، خواہ زبان سے ظاہر کی جائے یا رمز وکنایہ سے یا ہاتھ اور

آنکھ کے اشارے سے یا نقل اتاری جائے، یہ سب غیبت میں داخل ہے۔

(۱۲) نفع کامل کے لئے ان باتوں کے ساتھ ساتھ کسی کامل مصلح سے اصلاحی تعلق بھی ضروری ہے تاکہ اگر ان تدابیر کا اثر ظاہر نہ ہو تو ان سے رجوع کیا جاسکے، واللہ اعلم۔

تنبیہ نمبر (۲): بعض صورتوں میں غیبت جائز ہے، مثلاً جہاں کسی شخص کی حالت چھپانے سے دین کا یا دوسرے مسلمانوں کا ضرر ہونے کا گمان غالب ہو تو وہاں اس کی حالت ظاہر کر دینا چاہئے، یہ منع نہیں ہے، یہ خیر خواہی و نصیحت میں داخل ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ جس کی غیبت کرنا چاہیں پہلے اس کے حالات لکھ کر عالم باعمل سے پوچھ لیں، اس کے فتویٰ کے بعد اس پر عمل کریں، اگر دینی ضرورت نہیں ہے بلکہ محض نفسانیت ہی نفسانیت ہے تو ایسی صورت میں واقعی بیان کرنا غیبت حرام میں داخل ہے، اور بلا تحقیق کسی عیب کا بیان کرنا تو بہتان ہے۔

تنبیہ نمبر (۳): اگر شیخ کی مجلس میں بھی غیبت ہونے لگے تو فوراً اٹھ جانا چاہئے، جیسے بارش عمدہ چیز ہے اس میں نہانا مفید ہے، مگر اولے پڑنے لگیں تو بھاگنا ہی چاہئے"۔ (ماخوذ از روح کی بیماریاں اور ان کا علاج: ۱/۱۵۴-۱۵۷)

خواجہ حالی کے اشعار

خواجہ حالی کے یہ اشعار موجودہ حالات کی سچی تصویر کشی ہیں:

مجالس میں غیبت کا زور اس قدر ہے
کہ آلودہ اس خون سے ہر بشر ہے

نہ بھائی کو بھائی سے یاں درگذر ہے
نہ ملا نہ صوفی کو اس سے حذر ہے

اگر نشۂ مے ہو غیبت میں پنہاں
تو ہوشیار پائے نہ کوئی مسلماں

خفیہ اور علانیہ ہر گناہ پر روک

معاشرے میں فساد پیدا کرنے والی برائیوں میں پہلی تین (مذاق اڑانا، طعنہ دینا، برے القاب چسپاں کرنا) برسرِ عام علانیہ کی جاتی ہیں، اور دوسری تین برائیاں (بدگمانی، تجسس اور غیبت) وہ ہیں جنہیں انسان دوسروں سے چھپا کر یا اپنے مخصوص حلقے میں محدود رکھ کر کرتا ہے، قرآن نے ان دونوں طرح کی برائیوں پر قدغن لگا دی ہے، سورۃ الانعام میں حکم آ چکا ہے:

وَذَرُوا ظَاهِرَ الإِثْمِ وَبَاطِنَهُ. (الانعام: ۱۲۰)

ظاہری اور باطنی دونوں گناہ چھوڑ دو۔

ان تمام برائیوں کے ذکر کے بعد ''تقوی'' (خوف خدا) کی جامع نصیحت کی گئی ہے اور اللہ کے ''تواب'' (توبہ قبول فرمانے والا) اور ''رحیم'' (بے حد مہربان) ہونے کا ذکر فرما کر مبتلائے گناہ افراد کو توبہ کی تلقین بھی کر دی گئی ہے اور رحمتِ الٰہی سے ناامید نہ ہونے کی تاکید بھی۔

معاشرتی برائیوں کے بنیادی اسباب

(۱) بے جا فخر اور بھید بھاؤ

ان چھ معاشرتی برائیوں کے ذکر کے بعد اگلی آیات میں ان کے بنیادی دو اسباب پر روشنی ڈالی جا رہی ہے، سماج کو فساد میں مبتلا کرنے والے تمام گناہوں (مذاق اڑانا، طعن کرنا، برے نام سے پکارنا، بدگمانی، تجسس اور غیبت) میں انسان کے مبتلا ہونے کا پہلا سبب ''ذات پات پر فخر'' ہوتا ہے، قرآن فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ.

(الحجرات:۱۳)

اے لوگو! حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم سب کو ایک مرد اور عورت کے اختلاط سے پیدا کیا ہے، اور تمہیں مختلف قوموں اور خاندانوں میں اس لئے تقسیم کیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو، درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو، یقین رکھو کہ اللہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز سے باخبر ہے۔

کامل مساوات

اوپر کی آیات میں روئے خطاب اہل ایمان کی طرف تھا، اس آیت میں خطاب پوری

انسانیت کو ہو رہا ہے، اس لئے کہ یہاں ’’انسانی مساوات‘‘ کا جو اصولی مضمون بیان ہو رہا ہے وہ تمام انسانوں میں مشترک آفاقی صداقت ہے۔

پہلی بات یہ بتائی گئی ہے کہ ’’إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ‘‘ ہم نے تم سب کو پیدا کیا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ پوری انسانیت کا خالق ایک ہے، وحدتِ خالق تمام دنیا کے انسانوں کے درمیان پہلی قدرِ مشترک ہے۔

دوسری بات یہ ذکر کی گئی ہے کہ ’’مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى‘‘ ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، یعنی نسل انسانی کا سلسلہ آدم وحوا سے چلا ہے، سب ایک باپ آدم کی اولاد ہیں، وحدتِ اب (ایک باپ کی اولاد ہونا) پوری انسانیت کے درمیان قدرِ مشترک ہے، مختلف احادیث میں:

إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَ إِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ.

اے لوگو! بلاشبہ تم سب کا رب بھی ایک ہے اور باپ بھی ایک۔

کے الفاظ سے واضح کر دیا گیا ہے کہ پوری نوع انسانی ان دونوں وحدتوں کی وجہ سے ’’امت واحدہ‘‘ ہے، ایک وحدتِ رب ہے کہ سب کا خالق ایک ہے، اور دوسری وحدتِ اب ہے کہ پوری نسل انسانی کا بانی اور مورث ایک ہے۔

ان دونوں وحدتوں کے ذکر کے بعد دوسرا اصول یہ بتایا جا رہا ہے کہ انسانوں کی خاندانوں، قوموں اور برادریوں میں تقسیم اللہ کی طرف سے ہے، مگر یہ تقسیم فخر، غرور اور تحقیر وتنقیص کے لئے نہیں ہے بلکہ تعارف اور شناخت کے لئے ہے، اس میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ خاندانوں کی تقسیم (جو باہمی تعارف وتعاون کے لئے فطرت انسانی کی رعایت میں اللہ نے رکھی تھی) کو ذریعۂ تعارف وتعاون کے بجائے تفاخر وتنافر کا ذریعہ بنانا اور اس کی آڑ میں ظلم اور ناانصافی کرنا بدترین جرم ہے، اور یہ جرم اوپر مذکور گناہوں میں بطور خاص اور عمومی طور پر بہت سے گناہوں میں مبتلا کر کے چھوڑتا ہے۔

تیسری اصولی بات یہ ذکر ہو رہی ہے کہ اللہ کے دربار میں فضیلت اور برتری کا معیار رنگ و نسل، حسب و نسب، مال و دولت اور جاہ و منصب نہیں ہے، بلکہ صرف اخلاق و کردار اور تقوی ہے۔

آیت کے آخر میں وضاحت ہے کہ تقویٰ کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور کس کے دل میں کیا ہے یہ اللہ کے سوا کسی کے علم میں نہیں ہے، اُسی کا علم کامل ہے اور اسی کی واقفیت مکمل ہے، روایات میں مذکور ہے کہ یہ آیت:

> ''فتح مکہ کے موقع پر اس وقت نازل ہوئی جب کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال حبشیؓ کو اذان کا حکم دیا تو قریش مکہ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، ان میں سے ایک نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میرے والد پہلے ہی وفات پا گئے ان کو یہ روز بد دیکھنا نہیں پڑا، اور حارث بن ہشام نے کہا کہ کیا محمد ﷺ کو اس کالے کوّے کے سوا کوئی آدمی نہیں ملا کہ جو مسجد حرام میں اذان دے، ابوسفیان بولے کہ میں کچھ نہیں کہتا کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ میں کچھ کہوں گا تو آسمانوں کا مالک ان کو خبر کر دے گا، چنانچہ جبرئیل امین تشریف لائے اور آنحضرت ﷺ کو اس تمام گفتگو کی اطلاع دی، آپ نے ان لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ تم نے کیا کہا تھا انہوں نے اقرار کرلیا، اُسی پر یہ آیت نازل ہوئی، جس نے بتلایا کہ فخر و عزت کی چیز درحقیقت ایمان اور تقوی ہے جس سے تم لوگ خالی اور حضرت بلال آراستہ ہیں، اس لئے وہ تم سب سے افضل واشرف ہیں''۔
>
> (معارف القرآن: ۸/۱۲۴-۱۲۵ بحوالہ مظہری عن البغوی)

اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے بیت اللہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا، خطبہ میں زبانِ نبوت سے حمد و ثنا کے بعد یہ الفاظ جاری ہوئے:

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَظُّمَهَا بِالآبَاءِ، النَّاسُ مِنْ آدَمَ، وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ، يَا أَيُّهَا النَّاسُ

إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا، إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ.

اے قریش کے لوگو! بلاشبہ اللہ نے جاہلیت کا غرور اور آباءواجداد پر فخر تم سے ختم کر دیا ہے، تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں، آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، اللہ فرماتا ہے: اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت کے اختلاط سے پیدا کیا ہے، اور تم کو مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں شناخت کے لئے بانٹا ہے، بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے بڑھ کر اللہ سے ڈرنے والا ہو۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۴/۳۰۱، سیرت المصطفیٰ: ۳/۲۹)

ایک مصنف نے لکھا ہے:

”یہ تعلیمات صرف الفاظ کی حد تک ہی محدود نہیں رہی ہیں، بلکہ اسلام نے ان کے مطابق اہل ایمان کی ایک عالمگیر برادری عملاً قائم کر کے دکھادی ہے جس میں رنگ، نسل، زبان، وطن اور قومیت کی کوئی تمیز نہیں، جس میں اونچ نیچ اور چھوت چھات اور تفریق و تعصب کا کوئی تصور نہیں، جس میں شریک ہونے والے تمام انسان خواہ وہ کسی نسل و قوم اور ملک و وطن سے تعلق رکھتے ہوں بالکل مساویانہ حقوق کے ساتھ شریک ہوسکتے ہیں اور ہوئے ہیں، اسلام کے مخالفین تک کو یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ انسانی مساوات اور وحدت کے اصول کو جس کامیابی کے ساتھ مسلم معاشرے میں عملی شکل دی گئی ہے اس کی کوئی نظیر دنیا کے کسی دین اور کسی نظام میں نہیں پائی جاتی نہ کبھی پائی گئی ہے، صرف اسلام ہی وہ دین ہے جس نے روئے زمین کے تمام گوشوں میں پھیلی ہوئی بے شمار نسلوں اور قوموں کو ملا کر ایک امت بنا دیا ہے“۔ (تفہیم القرآن: ۵/ ۹۸-۹۹)

غور کیا جائے تو اس آیت میں خصوصیت سے معاشرتی گناہوں اور مجلسی برائیوں کی اصل جڑ کاٹ دی گئی ہے، اپنے بڑے ہونے کا پندار اور دوسروں کو حقیر سمجھنے کا روگ ہی انسان سے یہ گناہ کراتا ہے، یہاں اسی بنیاد پر تیشہ چلا دیا گیا ہے، اور کامل مساوات کا اعلان کر دیا گیا ہے۔

موجودہ دنیا میں جسے سائنس اور ٹیکنالوجی کی تیز رفتار ترقی نے ایک گاؤں میں بدل دیا ہے اور فاصلے بالکل سمٹ گئے ہیں، اس آیت کی اور اس میں مذکور اصولوں کی معنویت اور زیادہ نکھر کر سامنے آتی ہے، سائنس کی ترقی نے دنیا میں مادی فاصلے چاہے جتنے سمیٹ ڈالے ہوں مگر واقعہ یہ ہے کہ دلوں کے فاصلوں میں کمی کے بجائے حیرت انگیز طور پر اضافہ ہی ہوا ہے اور روز بہ روز ہوتا جا رہا ہے، دلوں کو جوڑنے والا کوئی رشتہ نظر نہیں آتا، جدید مادیت اور الحاد نے اپنے فلسفوں اور کلچروں کے ذریعہ ''وحدت خالق ورب اور وحدتِ اب'' دونوں بنیادیں منہدم کر ڈالی ہیں، اور اب تیسرا کوئی عنصر ایسا نہیں ہے جو جوڑ سکے اور وحدت پیدا کر سکے۔

بھٹکتی، بکھرتی، سسکتی اور دم توڑتی جاں بلب انسانیت کے لئے اگر کوئی نسخۂ شفا ہے تو یہی آیت کریمہ ہے، انسانیت کو وحدت اور قرب ومساوات کی جو غذا اور دوا درکار ہے اور جو انسانیت کے درد کا اصل مداوا ہے، وہ اسی آیت کریمہ کے ذریعہ اور اسی میں مذکور اصول کے ذریعے میسر آسکتا ہے، اور اس باب میں سیرت نبویہ اور اسوۂ صحابہ انسانیت کے لئے سب سے بڑھ کر مشعل راہ نمونہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

ایک مفکر کے ایمان افروز قلم نے خوب لکھا ہے:

''اب میں کیا مرثیہ کہوں اور کیا ماتم کروں کہ جن کے پاس یہ دولت ہے، ان کے پاس اپنے افلاس کا حال یہ ہے کہ وہ خود ہی منقسم ہیں، بقول علامہ اقبال ؎

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

ہم پر مغربی استعمار کا جو سب سے بڑا کاری وار ہوا ہے وہ یہ ہے کہ علاقائی نیشنلزم کے ہلاکت خیز جراثیم انہوں نے ہمارے اندر بھی پیدا کر دیئے، مثال کے طور پر عربوں کے حال زار پر ایک نگاہ ڈال لیجئے، ویسٹرن امپریلزم نے عربوں میں علاقائی اور وطنی زہر کے جرثومے اس طور پر Inject کئے ہیں کہ مصریوں کے لئے اب یہ بات بنائے

فخر ہے کہ مصری ہیں، شامیوں کے لئے بنائے فخر یہ نعرہ بن گیا کہ وہ شامی ہیں، یہی حال عراق، سعودی عرب اور یمن کا ہے، وقِس علی ہذا، ایک قوم، ایک زبان بولنے والے، اکثر و بیشتر نسل ایک، عظیم ترین اکثریت کا دین ایک، لیکن علاقائی نیشنل ازم (Territorial Nationalism) کی جو تنگ گھاٹیاں بنا کر یورپی استعمار نے ان کو چھوڑا تھا تو وہ اس سے نکل نہیں پا رہے، اور یہی ہماری ذلت و رسوائی اور نکبت و مسکنت کا اصل سبب ہے، کاش! ہم مسلمان خود اپنے معالجے کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اس آیت مبارکہ کو اپنے لئے روشنی کا ایک مینار بنالیں، پہلے ہم خود وحدتِ الٰہ و وحدت آدم یعنی وحدت انسانی کی بنیاد پر ایک ملت بن جائیں، بقول علامہ اقبال ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر!

ہم اگر دنیا کو یہ نقشہ دکھلا دیں تو بقیہ نوعِ انسانی کو بھی رہنمائی حاصل ہو سکتی ہے"۔
(منتخب نصاب:۱/۵۴۶)

(۲) ایمان کی کمزوری

معاشرے میں خرابی پیدا کرنے والے مذکورہ (چھ) گناہوں میں مبتلا ہونے کا دوسرا سبب ایمان ویقین کی کمزوری ہے، اگر ایمان راسخ نہ ہو، صرف نام کا ایمان ہو، زبان سے دعوی تو ہو مگر حقیقتِ ایمان حاصل نہ ہو تو انسان کے قدم گناہوں کے راستے پر چلتے ہیں، اوپر ذکر آچکا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا:

يَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهِ وَ لَمْ يَدْخُلِ الإِيْمَانُ قَلْبَهُ لا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِينَ وَ لَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ. (ابو داؤد: الأدب: باب في الغيبة: ٤٨٨٠)

اے وہ لوگو جو اپنی زبان سے ایمان لائے ہو اور اب تک ایمان تمہارے دلوں میں نہیں اترا، مسلمانوں کی غیبت مت کرو اور ان کے عیوب تلاش مت کرو۔

اس ارشاد نے واضح کردیا کہ غیبت اوراس جیسے گناہوں میں مبتلا ہونے والوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ صرف نام کے مسلمان ہوتے ہیں، ان کا ایمان کمزور ہوتا ہےاور وہ قوت ایمانی سے محروم ہوتے ہیں۔

ایسے ہی کچھ نام کے مسلمانوں نے (جن کا ایمان دلوں تک نہیں اترا تھا) آپ ﷺ کے سامنے اپنے ایمانِ کامل کا دعوی کرتے ہوئے اپنے مطالبے رکھے تھے جن کے جواب میں سورۃ الحجرات کی آخری آیات (۱۴-۱۸) نازل ہوئی تھیں، جن میں ان کو جتایا گیا تھا کہ اپنے ایمان کوسچا بنانے کی فکر کرو، زبان سے کلمہ پڑھ لینے ہی کو کافی مت سمجھو، اوراس پر احسان مت جتاؤ، ایمان کامل ہوگا اور اللہ ورسول کی سچی اطاعت ہوگی تو اللہ کی طرف سے اجر میں بالکل کمی نہیں ہوگی، سچے مؤمن وہ ہوتے ہیں جو شک وتذبذب کو پاس بھی نہیں آتے دیتے، اور جانی و مالی قربانیاں پیش کرتے ہیں۔

مراجع ومصادر

قرآنیات

(۱)	القرآن مجید	
(۲)	الجامع لاحکام القرآن	امام قرطبیؒ
(۳)	تفسیر القرآن العظیم	امام ابن کثیرؒ
(۴)	تفسیر جامع البیان	امام طبریؒ
(۵)	تفسیر البغوی	امام بغویؒ
(۶)	الدر المنثور	علامہ سیوطیؒ
(۷)	فتح القدیر	علامہ محمد بن علی بن محمد الشوکانی
(۸)	التفسیر الکبیر	امام رازیؒ
(۹)	تفسیر الجلالین	علامہ محلیؒ وسیوطیؒ
(۱۰)	التفسیر المنیر	ڈا وہبہ الزحیلیؒ
(۱۱)	تفسیر بیان القرآن	حکیم الامت حضرت تھانویؒ
(۱۲)	معارف القرآن	مولانا مفتی محمد شفیعؒ
(۱۳)	تفہیم القرآن	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
(۱۴)	تدبر قرآن	مولانا امین احسن اصلاحیؒ
(۱۵)	تفسیر ہدایت القرآن	مفتی سعید احمد پالن پوریؒ

(۱۶)	توضیح القرآن (آسان ترجمۂ قرآن)	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی
(۱۷)	آسان ترجمۂ قرآن	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
(۱۸)	مطالعۂ قرآن حکیم کا منتخب نصاب	ڈاکٹر اسرار احمدؒ
(۱۹)	جامع قرآنی وعظ	مفتی محمد سلمان منصور پوری

حدیثیات

(۱)	صحیح البخاری	امام بخاریؒ
(۲)	صحیح مسلم	امام مسلمؒ
(۳)	جامع الترمذی	امام ترمذیؒ
(۴)	سنن ابی داؤد	امام ابوداؤدؒ
(۵)	مسند احمد	امام احمد بن حنبلؒ
(۶)	المستدرک	امام حاکم نیساپوریؒ
(۷)	المعجم الکبیر	امام طبرانیؒ
(۸)	الترغیب والترہیب	امام منذریؒ
(۹)	مجمع الزوائد	امام ہیثمیؒ
(۱۰)	کنز العمال	شیخ علی متقی ہندیؒ
(۱۱)	مشکوۃ المصابیح	علامہ خطیب تبریزیؒ
(۱۲)	شعب الایمان	امام بیہقیؒ
(۱۳)	ریاض الصالحین	علامہ نوویؒ
(۱۴)	الادب المفرد	امام بخاریؒ
(۱۵)	المصنف	امام ابن ابی شیبہؒ
(۱۶)	فیض القدیر	علامہ مناویؒ

(۱۷) الاذکار	امام نوویؒ
(۱۸) النہایۃ فی الفتن والملاحم	علامہ ابن کثیرؒ
(۱۹) الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان	امام ابن حبانؒ
(۲۰) فتح الباری	حافظ ابن حجر عسقلانیؒ
(۲۱) ہدی الساری	حافظ ابن حجر عسقلانیؒ
(۲۲) عمدۃ القاری	علامہ بدرالدین عینیؒ
(۲۳) شرح ابن بطال للبخاری	امام ابن بطالؒ
(۲۴) تحفۃ القاری شرح بخاری	مفتی سعید احمد پالن پوریؒ
(۲۵) کشف الباری شرح بخاری	مولانا سلیم اللہ خانؒ
(۲۶) شرح النووی علی مسلم	امام نوویؒ
(۲۷) شرح ریاض الصالحین	علامہ ابن عثیمینؒ
(۲۸) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح	ملا علی قاریؒ
(۲۹) مطالعۂ حدیث	مولانا وحیدالدین خان
(۳۰) ترجمان الحدیث	مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی
(۳۱) جامع بیان العلم وفضلہ	حافظ ابن عبدالبرؒ
(۳۲) جامع العلوم والحکم	امام ابن رجبؒ
(۳۳) مواعظ الصحابۃ	صالح احمد الشامی
(۳۴) موسوعۃ رسائل ابن ابی الدنیا	امام ابن ابی الدنیاؒ

فقہ

(۱) العنایۃ شرح الہدایۃ	ابوعبداللہ محمد بن محمد بن محمود الرومی البابرتیؒ
(۲) مغنی المحتاج	شیخ شمس الدین محمد بن الخطیب الشربینیؒ

(۳)	ردالمحتار	امام ابن عابدین شامیؒ
(۴)	الفتح الربانی	علامہ محمد بن علی بن محمد الشوکانیؒ
(۵)	الحلال والحرام فی الاسلام	ڈ/ یوسف القرضاوی

سیرت وتاریخ

(۱)	نضرۃ النعیم فی مکارم اخلاق الرسول الکریم	نخبۃ العلماء
(۲)	الوفاء باحوال المصطفیٰ	امام ابن الجوزیؒ
(۳)	السیرۃ النبویۃ	امام ابن ہشامؒ
(۴)	زادالمعاد	علامہ ابن القیمؒ
(۵)	سیرت المصطفیٰ	مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ
(۶)	الرحیق المختوم	مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوریؒ
(۷)	بیانات سیرت	مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی
(۸)	سیرالصحابۃ	مولانا عبدالسلام ندویؒ
(۹)	البدایہ والنہایہ	حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقیؒ
(۱۰)	سیرت عمر فاروقؓ	ڈ/ علی محمد الصلابی
(۱۱)	صفۃ الصفوۃ	امام ابن الجوزیؒ
(۱۲)	تاریخ الطبری	علامہ طبریؒ
(۱۳)	الطبقات	امام ابن سعدؒ
(۱۴)	عیون الاخبار	علامہ دینوریؒ
(۱۵)	حلیۃ الاولیاء	حافظ ابونعیم الاصفہانیؒ
(۱۶)	تاریخ دمشق	ابن عساکرؒ
(۱۷)	سیراعلام النبلاء	امام شمس الدین ذہبیؒ

(۱۸)	تاریخ بغداد	حافظ ابوبکر خطیب البغدادیؒ
(۱۹)	تاریخ اسلام کی عظیم شخصیات	ناعمہ صہیب
(۲۰)	سیرت سید احمد شہید	مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
(۲۱)	واقعاتِ صدیق	مولانا اقبال احمد قاسمی
(۲۲)	سنہرے فیصلے	عبدالمالک مجاہد
(۲۳)	اصلاحی واقعات کا مثالی مجموعہ	مولانا ہارون معاویہ
(۲۴)	اشرف السوانح	خواجہ عزیز الحسن مجذوب غوریؒ
(۲۵)	دعوت وعزیمت کے روشن ستارے	آبادشاہ پوری
(۲۶)	سیرت امام بخاری	مرتبہ: دارالسلام
(۲۷)	امام ابوحنیفہؒ کے حیرت انگیز واقعات	مولانا عبدالقیوم حقانی
(۲۸)	اسلاف کے ایمان افروز واقعات	محمد انور بن اختر
(۲۹)	حیات نعمانی	مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی
(۳۰)	حیات طیب	سوانح: حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ
(۳۱)	پرانے چراغ	مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
(۳۲)	لالہ وگل	مولانا انظر شاہ کشمیریؒ

مواعظ ومجالس

(۱)	معارف امدادیہ	افادات: حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ
(۲)	غوائل الغضب	حکیم الامت حضرت تھانویؒ
(۳)	رجاء اللقاء	حکیم الامت حضرت تھانویؒ
(۴)	امت کے باہمی اختلافات اوران کا حل	مرتبہ: مفتی محمد زید مظاہری ندوی
(۵)	انفاس عیسیٰ	مرتبہ: مولانا محمد عیسیٰ صاحبؒ

(۶)	خطبات محمود	مجموعہ خطابات حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ
(۷)	بدگمانی اوراس کا علاج	مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ
(۸)	درس مثنوی	حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب
(۹)	اصلاح اخلاق	حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ
(۱۰)	روح کی بیماریاں اوران کا علاج	حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ
(۱۱)	علم اور علماء کی عظمت	حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ
(۱۲)	غیبت پر عذاب	مفتی رشید احمد لدھیانویؒ
(۱۳)	اسلام اور ہماری زندگی	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی
(۱۴)	اصلاحی خطبات	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی
(۱۵)	اصلاحی مجالس	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی
(۱۶)	علمی خطبات	مفتی سعید احمد پالن پوریؒ
(۱۷)	گھریلو جھگڑوں سے نجات	حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی
(۱۸)	کلمات اکابر	مولانا محمد اسحاق بنارسیؒ
(۱۹)	المواعظ الحسنۃ	عبداللہ محمد حیات
(۲۰)	اصلاحی بیانات	مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی
(۲۱)	درآبدار الضیافۃ الابرار	حاجی شکیل احمد صاحب
(۲۲)	خطبات اسلم	مولانا محمد اسلم صاحبؒ

مباحث ومعارف اسلامیہ

(۱)	احیاء علوم الدین	امام غزالیؒ
(۲)	ترجمہ اردو احیاء العلوم	مولانا ندیم الواجدی
(۳)	ربیع الابرار	امام زمخشریؒ

(۴)	الآداب الشرعیۃ	امام ابن مفلحؒ
(۵)	رسالۃ المستر شدین	علامہ محاسبیؒ
(۶)	روضۃ العقلاء	ابن حبان البستیؒ
(۷)	تبیین کذب المفتر ی	علامہ ابن عساکرؒ
(۸)	المجالسۃ وجواہر العلم	علامہ دینوریؒ
(۹)	الرسالۃ القشیر یۃ	شیخ ابوالقاسم عبدالکریم القشیر ی
(۱۰)	حیاۃ السلف بین القول والعمل	احمد بن ناصر الطیار
(۱۱)	بغیۃ الطلب	علامہ ابن العدیمؒ
(۱۲)	قناطر الخیرات	امام ابوطاہر اسماعیل بن موسیٰ الجیطالی النفوسیؒ
(۱۳)	تنبیہ الغافلین	علامہ ابن النحاس الدمشقیؒ
(۱۴)	تنبیہ الغافلین	امام ابواللیث سمرقندیؒ
(۱۵)	الزواجر	شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر ہیثمیؒ
(۱۶)	غذاء الالباب	امام سفارینیؒ
(۱۷)	دلیل السائلین	انس اسماعیل ابوداؤد
(۱۸)	البیان والتبیین	جاحظؒ
(۱۹)	العقد الفرید	ابن عبدربہؒ
(۲۰)	الحیوان	جاحظؒ
(۲۱)	صاحب الخلق الراقی	ڈاکٹر خالد الدسوقی
(۲۲)	فاکہۃ المجالس	وحید عبدالسلام بالی
(۲۳)	الغیبۃ	عبدالملک قاسم
(۲۴)	غیبت کیا ہے؟	حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ

(۲۵)	ذکر وفکر	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی
(۲۶)	مخزن اخلاق	علامہ رحمت اللہ سبحانی لدھیانویؒ
(۲۷)	کتابوں کی درسگاہ میں	مولانا ابن الحسن عباسیؒ
(۲۸)	مجموعہ وصایا امام اعظمؒ	مترجمہ: مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ
(۲۹)	ندائے تربیت	شیخ عبدالحمید جاسم البلالی
(۳۰)	مشعل راہ	مفتی سید محمد سلمان منصور پوری
(۳۱)	حدود اختلاف	افادات حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ
(۳۲)	الاعتدال	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ
(۳۳)	صفحات	مولانا محمد کلیم صدیقی
(۳۴)	کشکول	مولانا مفتی محمد شفیعؒ
(۳۵)	تحفۃ الائمہ	مولانا محمد حنیف عبدالمجید
(۳۶)	ایمان وعمل	مولانا عبدالرؤف جھنڈانگریؒ
(۳۷)	ماہنامہ ندائے دارالعلوم	شعبان ورمضان ۱۴۳۹ھ

مصنف کی مطبوعہ علمی کاوشیں

● اسلام میں عفت وعصمت کا مقام

یہ کتاب عفت وعصمت کے موضوع پر انتہائی تفصیلی اور اہم پیش کش ہے، اپنے مندرجات کی جامعیت اور نصوص کی کثرت کی بنیاد پر اپنے موضوع پر اردو زبان میں انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے، ملک وبیرونِ ملک کے اکابر علماء کے تأثرات وتقریظات سے آراستہ ہے۔ مختصر سے عرصہ میں اس کے پانچ ایڈیشن منظر عام پر آ چکے ہیں، یہ کتاب بجا طور پر اس قابل ہے کہ عوام وخواص، علماء وعوام، مرد وعورت سبھی اس کو اپنے مطالعہ میں رکھیں۔

● بیانات سیرت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم

یہ کتاب موجودہ حالات میں سیرت نبویہ کے فکر انگیز پیغام اور گوشوں کو واضح کرنے والی مکمل، مدلل، مرتب، جامع اور موثر سیرت طیبہ سے متعلق چار مفصل بیانات پر مشتمل ہے، اور قرآن وحدیث کی روشنی میں حسن ترتیب کے ساتھ پوری سیرت کو اس کتاب میں سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے، عوام وخواص ہر ایک کے لئے یکساں طور پر افادیت کی حامل اور قابل مطالعہ ہے۔

● اسلام میں صبر کا مقام

یہ کتاب صبر کے موضوع پر ایک انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے، فاضل مصنف نے اس کتاب میں جدید اسلوب میں قرآن وحدیث، آثار صحابہ کی روشنی میں صبر کے مقام، اس کی اہمیت اور ضرورت کے متعدد پہلوؤں کو کافی شرح وبسط کے ساتھ واضح کیا ہے، صبر وشکر کے تقابلی تجزیے پر مصنف نے بے حد قیمتی باتیں تحریر کی ہیں، دور حاضر کے ہر نوجوان کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔

● ترجمان الحدیث

اس کتاب میں اصلاح معاشرہ اور تعمیر سیرت واخلاق کے متعلق ڈیڑھ سو صحیح ترین احادیث نبویہ

کی مدلل اور عام فہم اسلوب میں عالمانہ تشریح کی گئی ہے۔ یہ کتاب بجا طور پر اس قابل ہے کہ اپنے مواد کی علمیت اور افادیت کی وجہ سے اسے مساجد اور اجتماعی مجالس میں سنایا اور پڑھایا جائے۔

● اسلام کی سب سے جامع عبادت نماز

اس کتاب میں نماز کی اہمیت، اقسام وانواع، خشوع کی شرعی حیثیت، خشوع کے مختلف طریقوں کا ذکر قرآن وسنت کی روشنی میں بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ خشوع کے موضوع پر جو فاضلانہ اور عالمانہ مفصل ومدلل بحث کی گئی ہے وہ اردو دنیا میں اپنی نوعیت کی منفرد چیز ہے، یہ کتاب ہر خاص وعام کے مطالعہ میں جگہ پانے کی اولین مستحق ہے۔

● اسلام اور زمانے کے چیلنج

موجود معاصر حالات کے تناظر میں مصنف کے اشہب قلم سے نکلی ہوئی پرسوز، پردرد اور واقعیت پسندی پر مبنی فکری تحریروں کا یہ مجموعہ موجودہ صورتِ حال میں ہر مسلمان کے لئے راہبر اور فکری غذا فراہم کرتا ہے، جو بات بھی لکھی گئی ہے باحوالہ اور نصوص کی روشنی میں ہے۔

● سیرتِ نبویہ قرآنِ مجید کے آئینے میں

یہ کتاب قرآن کی روشنی میں سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع اور روشن پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے، قرآنی سیرت کے موضوع پر یہ اردو زبان میں پہلی باضابطہ کتاب ہے، جس میں سیرت طیبہ کو تاریخی ترتیب کے ساتھ قرآنی بیان کے آئینہ میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے، اسلوبِ بیان بے حد پرکشش اور اچھوتا ہے۔ کتاب کے متعدد ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔

● عظمتِ عمر کے تابندہ نقوش

یہ کتاب عربی کے مشہور ادیب شیخ علی طنطاوی کی پراثر تحریر ''قصۃ حیاۃ عمر'' کی ترجمانی ہے۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمے سے مزین ہے، کتاب میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عظمت وعبقریت کے نمایاں پہلو بہت دل نشیں اور ساحرانہ اسلوب میں اجاگر کئے گئے ہیں، سیرتِ عمر پر یہ کتاب عمدہ اور قابل قدر اضافہ ہے۔

● گناہوں کی معافی کے طریقے اور تدبیریں

یہ کتاب صحیح ترین احادیث نبویہ کی روشنی میں گناہوں کی معافی کے مختلف طریقوں کو محیط ہے، اس

میں گنہ گاروں کو مایوسی سے بچنے کی تاکید اور توبہ کی تحریک اور عمل صالح کی ترغیب ملتی ہے، ہر مسلمان نوجوان کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

● گلہائے رنگا رنگ

تین جلدوں پر مشتمل یہ وقیع کتاب قرآن وسنت کی انقلابی تعلیمات، اصلاحِ قلب ونفس ومعاشرہ، اسلام کے خلاف پھیلائے گئے مغالطوں اور شکوک وشبہات کی مکمل اور مدلل تردید کو محیط عام فہم اور دل نشیں اسلوب میں بیش قیمت اور فکر انگیز تحریروں کا مجموعہ ہے۔اس کتاب کا پہلا ایڈیشن بہت جلد مقبول ہوا، اب دوسرا ایڈیشن زیر طباعت ہے۔

● مفکر اسلام؛ جامع کمالات شخصیت کے چند اہم گوشے

یہ کتاب مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہٗ کی حیات وخدمات اور ان کی تابندہ زندگی کے روشن نقوش اور نمایاں امتیازات کی جامع اور مکمل تصویر کشی ہے۔کتاب حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ کے بیش قیمت مقدمات سے مزین ہے، متعدد اہل قلم کے تأثر کے مطابق مفکر اسلام کی شخصیت پر لکھی جانے والی کتابوں میں یہ کتاب اپنے مواد کی جامعیت، اسلوب کی دل کشی اور حسن بیان کے اعتبار سے انفرادی شان رکھتی ہے۔

● علوم القرآن الکریم

یہ کتاب حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی کی اردو تصنیف علوم القرآن کا عربی ترجمہ ہے۔ مترجم نے بہت سلیس اور شگفتہ عربی زبان میں کتاب کو اردو سے منتقل کیا ہے، شروع میں حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ کا مقدمہ زینت کتاب ہے۔

● اسلام میں عبادت کا مقام

یہ کتاب عبادت کے موضوع پر انتہائی جامع اور محیط کتاب ہے، جس میں عبادت کے تمام پہلوؤں کا کتاب وسنت اور اقوال سلف کی روشنی میں تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔عوام اور خواص سب کے لئے یکساں مفید ہے۔

● اصلاح معاشرہ اور تعمیر سیرت واخلاق

یہ کتاب معاشرتی اصلاح اور سیرت وکردار کی تعمیر کے تعلق سے بے حد مفید اور جامع کتاب ہے، جس میں اس موضوع کے مختلف پہلوؤں کا ذکر بڑی تفصیل سے اور وضاحت کے ساتھ کیا گیا ہے، دور حاضر میں ہر مسلمان کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

● اسلام دین فطرت

یہ کتاب مذہب اسلام کے امتیازات اور اس کی انسانیت نواز تعلیمات کو واضح کرتی ہے، اس میں اسلام کی جامعیت، واقعیت، حقیقت پسندی، ربانیت، امن و اسلامتی، اخوت و وحدت، مساوات و اجتماعیت جیسے متعدد اہم گوشوں پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ ہر باذوق کے لئے قابل مطالعہ ہے۔

● دیگر کتب:

- اختر تاباں (تذکرہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ)
- والد ماجد (تذکرہ حضرت مولانا محمد باقر حسین صاحبؒ)
- شیخ الہند: حیات، خدمات و امتیازات
- مقام صحابہ اور غیر مقلدین
- اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن عناوین
- سچ اور جھوٹ کتاب وسنت کی روشنی میں ایک جائزہ
- اسلام کا جامع اور مؤثر ترین تعزیری نظام
- کچھ یادیں کچھ باتیں (تذکرہ حضرت مولانا مفتی محمد افضل حسین صاحبؒ)
- اسلام اور دہشت گردی
- بنیادی دینی اور تاریخی معلومات (اردو، ہندی)
- منشیات اور شراب: اسباب ومحرکات، شرعی ہدایات، سد باب کی تدبیریں
- موجودہ حالات اور ہماری ذمہ داریاں
- اسلام میں عفوو درگذر کا مقام

● عربی کتب:

- علوم القرآن الكريم ○ وان المساجد لله
- لمعات من الاعجاز القرآني البديع ○ بحوث علمية فقهية
- اصول المعاش الاسلامی فی ضوء نصوص الكتاب والسنة......
- نظرة عابرة على القضاء والقضاة فی الاسلام

○❖○

باہتمام: ناصر خان

فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ
FARID BOOK DEPOT(Pvt.)Ltd.
Corp. Off : 2158, M.P. Street, Pataudi House, Darya Ganj, N. Delhi-2
Ph : 011-23289786, 011-23289159, 011-23278954, 011-23279998
NASIR KHAN : +91-9250963868 Mob : +919560870828
E-mail : faridbookcorner@gmail.com Whatsapp : +91-9717968328

₹ 250/-